



”اگر آپ حق کے ساتھ نہیں کھڑے
تو پھر تاریخ کو اس کوئی غرض نہیں کہ
آپ مسجد کے حجرے میں تھے یا
ضواکف کے کوٹھے پر۔“

عالمی سیاست کے خفیہ کھلاڑی اور
**مستقبل کی
جنگیں**

محمد سلیم

”اگر آپ حق کے ساتھ نہیں کھڑے تو پھر تاریخ کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ
مسجد کے حجرے میں تھے یا طوائف کے کوٹھے پر۔“ (ڈاکٹر علی شریعتی)

عالمی سیاست کے خفیہ کھلاڑی اور مستقبل کی جنگیں

محمد سلیم

انتساب

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کے نام جنہوں نے انسان کو شرف انسانیت سے روشناس کروایا اور دلوں کی تاریک وادیوں میں روحانیت کی شمع روشن کی۔ انسانیت کے اُن حقیقی رہنماؤں کے نام جو انتہائی نامساعد حالات کے اندر بھی نیکی اور انصاف کا درس دیتے رہے۔ اور اُن مقربین، ابرار، صالحین، شہداء، صدیقین کے نام جنہوں نے جبر و استبداد کے خلاف حق و صداقت کا پرچم مضبوطی سے تھامے رکھا، ظلم اور بربریت کی اندھی طاقتوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور پیغمبروں کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھنے نہیں دیا۔

ابتدائی عرضداشت

محترم قارئین کرام!

بعد بخیر و انکسار اور احترام کے تمام قواعد و ضوابط ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک غیر روایتی کتاب ہے۔ میرے بہت سے فاضل دوستوں نے اس کتاب میں دیا گیا مواد اور خیالات شائد پہلی مرتبہ پڑھے ہوں اسلئے یہ کتاب بہت سے دوستوں کے سابقہ خیالات میں تبدیلی کا موجب بن سکتی ہے۔ تاہم اس میں خوف زدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ نامکمل علم اور جاہلانہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر تشکیل دیئے گئے نظریات سے پرے ہٹ جانا اور سچ کے ساتھ از سر نو سمجھوت کرنا ایک مثبت عمل کا حصہ ہے۔ نئے علم اور نظریات سے یکے بعد دیگرے کی علامت ہے اور اس سے احتراز نہیں کیا جانا چاہئے۔

یہ کتاب قارئین کیلئے ایک نیا مواد فراہم کرتی اور سوچ کے نئے زاویے کھولتی ہے۔ یہ کتاب اس بات کی متقاضی ہے کہ اس میں زیر بحث لائے گئے موضوعات پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ جدید جنگی سائنس (Modern War Science)، سیاسی حکمت عملی (Political Strategy) اور سیاسی پیش گوئی (Political Forecasting) کے عمل کو اور زیادہ بہتر طریقہ سے آگے بڑھایا اور سمجھا جاسکے۔

فہرست عنوانات

7	ابتدائی بیانیہ	
13	عالمی سیاست کے خفیہ کھلاڑی	(1)
48	ن سرمایہ داری، صیہونیت اور عالمی حکومت کا قیام	(2)
80	انسانی نسل کشی کی منصوبہ بندی	(3)
101	امریکی ریاست پر کارپوریشنز کا قبضہ	(4)
128	پرائیویٹ اسلحہ سازی اور کارپوریٹ جنگجو	(5)
150	ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور عالمی دہشت گردی	(6)
183	ملٹی نیشنل کارپوریشنز بمقابلہ ریاستی اقتدار اعلیٰ	(7)
217	بغیر جڑوں کے معاشرے	(8*)
238	اکیسویں صدی کی جنگیں	(9)
285	عصر حاضر کے نظریات کا تقابلی جائزہ (مستقبل کا نظریاتی جدل)	(10)

ابتدائی بیانیہ

زیر نظر کتاب میں تاریخ کے وہ سنگاخ اور دقیق موضوع چھینرے گئے ہیں جو آج تک محض مخالف میڈیا پروپیگنڈا کی وجہ سے منظر عام پر نہیں آ سکے۔ سچائیوں کو زرخیز میڈیا اور جعلی علمی لٹریچر کے دبیز پردوں تلے چھپایا گیا ہے۔ انسانی ثقافت کو ختم کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ایک مضبوط منصوبہ بندی کے تحت مفلوج کیا گیا ہے تاکہ ابن آدم سراسر اجماعی ظلم کے خلاف مزاحمت کی حس سے نا آشنا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ:

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو

باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ (اقبال)

آج ہم تاریخ کے ایک ایسے دورا ہے پر آن کھڑے ہوئے ہیں جہاں تہذیب انسانی کے ساتھ ساتھ نسل انسانی کی حیاتیاتی بقا کو بھی خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی کو انسانی فلاح کی بجائے انسان کے اجتماعی خاتمہ کی مشین کے طور استعمال کیا جا رہا ہے۔ قومی ثقافتوں کا مستقبل مخدوش ہوتا جا رہا ہے۔ مقامی معیشتیں سکڑ کر عالمی منڈی میں ضم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ سرمایہ ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ مکار اور انسان دشمن سرمایہ داروں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے عالمی سرمایہ پر قبضہ کر کے بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کر لی ہیں اور دنیا کے ساڑھے سات ارب انسانوں کو پرغمال بنا لیا ہے۔ دنیا کی قومی ریاستیں یہودی ساہوکاروں کے پھیلانے ہوئے قرضہ کے جال کے اندر پھنس کر حالت نزع میں ہیں۔ ہر سال قومی ریاستوں کے سالانہ بجٹ کا ایک بڑا حصہ عالمی ساہوکار سود کی شکل میں واپس لے جاتے ہیں۔ غیر ملکی قرضہ کی ادائیگی کیلئے مفلوک الحال عوام پر بھاری ٹیکس عائد کئے جا رہے ہیں۔ ایسے میں غربت اور لاچارگی کی گہری دلدل میں دھنس جانے کی وجہ سے انسان اپنی جہلتی خوشیاں گنوا بیٹھا ہے۔ وہ ہر لمحہ خودکشی کے ایک اذیت ناک عمل سے گزر رہا ہے جہاں زندگی ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔

ایک منظم عالمی سازش کے تحت قومی ریاستوں کی وحدت کو بکھیرا جا رہا ہے۔ ایک عالمی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس کیلئے بہت سے عالمی نوعیت کے ادارے پہلے ہی وجود میں آئے جا چکے ہیں۔ عالمی سیاست کے اندر بھاری بھر کم نئی افواج کا دخول اور عالمی اسلحہ پر ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اجارہ دارانہ حیثیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک ”منظم قوت“ پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت ایک چھوٹے سے گروہ کی حکمرانی میں ایک ایسی عالمی ریاست قائم کرنے جا رہی ہے جو لمحہ حاضر میں موجود تمام قومی ریاستوں کے خاتمہ کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ محض تھوڑی سی تحقیق کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ چھوٹا سا گروہ (جسے عرف عام میں عالمی اسٹبلشمنٹ کہا جاتا ہے) محض آٹھ یہودی خاندانوں پر مشتمل ہے جس سے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ مجوزہ عالمی ریاست کی باگ ڈور ایک صیہونی ٹولے کے ہاتھ میں ہوگی جو دنیا سے تمام غیر صیہونی مذاہب اور ثقافتوں کا بزور طاقت خاتمہ کر دے گی۔

عالمی سطح پر غریب اور عسکری طور پر کمزور ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنے کیلئے تاریخ کی خطرناک ترین جنگوں کو جنم دیا جا رہا ہے۔ اب تک ان جنگوں میں لاکھوں انسان مارے جا چکے ہیں اور کروڑوں انسان بے گھر ہو چکے ہیں۔ فلسطین، بوسنیا، صومالیہ، سوڈان، عراق، شام، افغانستان اور لیبیا انسانیت کے رستے ہوئے زخم ہیں جو عالمی سطح پر سامراج کے سفاکانہ رویوں کا عکاس ہیں۔ سرمایہ داروں کی دنیا ان زخموں سے بے نیاز ایک بڑی بے اعتنائی کے عالم میں اپنے نائٹ کلبوں اور عشرت کدوں میں مجور قفس ہے۔ دو وقت کی روٹی کی تلاش میں سرگرداں مفلوک الحال انسانوں کو اندوہناک فضائی اور زمینی بمباری کے ذریعہ مارا گیا۔ غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی جمہوریتیں گرا دی گئیں۔ نان شبینہ سے محروم بچوں اور بے سہارا عورتوں پر بارود برسا یا گیا۔ بے گناہ معصوم خواتین کی عصمت دری کی گئی مگر یورپ اور امریکہ میں کوئی احتجاج سامنے نہ آیا۔ سرمایہ کی بے رحم دنیا میں کسی آنکھ سے کوئی آنسو نہ بہا۔ اگر یورپ اور امریکہ کے کروڑوں انسان اپنی حکومتوں سے احتجاج کرتے تو عالمی قزاقوں کی اس بربریت کو روکا جاسکتا تھا مگر ایسا کبھی نہ ہوا۔

اس وقت عالمی سرمایہ داروں نے دنیا میں جنگوں کا ایک اقامتہ ہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر لمحہ بدترین انسانی المیے جنم لے رہے ہیں۔ سرمایہ داری دنیا کے ہر کونہ میں اپنے خونیں پنجے گاڑ لئے ہیں۔ امریکہ اور یورپی ریاستیں انسانی حقوق کا دفاع کرنے کی بجائے عالمی سرمایہ داری کی آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ عالمی ساہوکار امریکی ریاست پر اس حد تک قابض ہو چکے ہیں کہ کوئی طاقتور سے طاقتور صدر بھی ان

بکاروں کی طاقت کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ امریکی حکومت کے لئے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ وہ اپنی کرنسی خود نہیں چھاپ سکتی۔ اس کوشش میں اب تک دو امریکی صدر ابراہیم لنکن اور جان ایف کینڈی قتل کئے جا چکے ہیں۔ انڈریو جیکسن دو قاتلانہ حملوں میں محض بال بال بچے۔ ان قتلوں کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے امریکی کرنسی چھاپنے کا اختیار عالمی ساہوکاروں سے واپس لے کر امریکہ محکمہ خزانہ کو دینے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت امریکی کرنسی چھاپنے کا اختیار حکومت امریکہ کی بجائے 23 دسمبر 1913 میں قائم ہونے والے ایک پرائیویٹ "فیڈرل ریزرو" نامی ادارہ کے پاس ہے۔ یہ ادارہ امریکی ریاست کو سود پر رقم ادھار دیتا ہے اور اس کرنسی چھاپنے کے عوض امریکی حکومت سے ڈیڑھ بلین سالانہ کے ٹک بھگ سود وصول کرتا ہے۔ اس ادارہ کی ملکیت بارہ امریکی بینکوں کے پاس ہے اور یہ امریکی بینک ایک یہودی خاندان روتھسٹائن کی سربراہی میں ان آٹھ یہودی خاندانوں کے کنسورشیم کی ملکیت ہے جو دنیا کے سرمایہ پر قابض ہیں۔

عالمی ساہوکاروں نے عالمی حکومت کے قیام کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اقوام متحدہ، عالمی بینک، آئی ایم ایف، ورلڈ ہیپیوٹی، عالمی این جی او، نیٹو اور ان جیسے بہت سے دیگر عسکری اور غیر عسکری ادارے تشکیل دے لئے ہیں۔ یہ عالمی حکومت کا ابتدائی ڈھانچہ ہے جو بعد ازیں ایک مکمل عالمی حکومت کی تشکیل کا رونا میپ لئے ہوئے ہے۔ امریکہ اور یورپی حکومتوں کا بطور جنگی آلہ کار کے استعمال عالمی سامراج کے عارضی انتظامات میں سے ہے۔ بالآخر یہ ریاستیں بھی ملیا میٹ کر دی جائیں گی اور ان کی راکھ سے ایک عالمگیر صیہونی ریاست کی بنیادیں اٹھائی جائیں گی۔ عالمی سطح پر کوئی اس مخالفہ کا شکار نہ رہے کہ وہ بچا بیٹھا ہے۔ جلد یا بدیر سب کی باری آئے گی لہذا صیہونی سرمایہ داری کے اس اٹھتے طوفان کے سامنے فوری بند باندھنا ضروری ہے وگرنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

یہ کتاب بہت سی نئی باتیں قاری کے سامنے لائے گی۔ یہ ایک حیران کن کہانی ہے کہ کس طرح یہودی ساہوکاروں نے امریکی اور عالمی معیشت پر قبضہ کیا۔ یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ کس طرح یہودی ساہوکاروں نے یورپ اور امریکہ کی ریاستوں کو یہ فعال بنا رکھا ہے اور کس طرح عالمی میڈیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ عالمی میڈیا صبح و شام نہایت بے حیائی اور ہشاشمٹائی کے ساتھ عوام الناس کو جھوٹی اور خود ساختہ کہانیاں سناتا کر اپنے مالکان کا حق نمک ادا کر رہا ہے۔ انسانی ذہن کو کنٹرول کرنے اور انسان کو ایک روبوٹ میں تبدیل کرنے کی بہیمانہ کوششیں جاری ہیں۔ برقی شعاعوں اور حیاتیاتی جنگ کے ذریعہ نسل انسانی کے قتل عام کی منصوبہ بندی کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

ثقافتی جارحیت اور اخلاق باختگی کی ساری حدیں عبور کرتے ہوئے انسانوں کو ان کی ثقافت اور مذہبی

اقدار سے محروم کیا جا رہا ہے اور ”بغیر جڑوں“ کے معاشرے پیدا کئے جا رہے ہیں تاکہ سامراج کے خلاف مزاحمت کی حس کو ختم کیا جاسکے۔ جسم فروشی کو ایک صنعت کا درجہ دینے کے ساتھ ساتھ ہم جنسوں کی شادیوں کو بھی قانونی تحفظ فراہم کر کے فطرت کو لاکار اجا رہا ہے۔ دیوبند کل عالمی کارپوریشنز چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار ختم کرتی چلی جا رہی ہیں۔ سرمایہ داری کا پھیلاؤ اور ٹیکنالوجی کا انقلاب کروڑوں لوگوں کو بیروزگار کرنے جا رہا ہے۔ ہماری دنیا اس وقت ایک بڑے جنگی ماحول اور سیاسی ارتعاش کے عمل سے گزر رہی ہے۔ بیروزگاری اور ہر سو پھیلی خانہ جنگیوں کی خلاف پیدا ہونے والے عوامی رد عمل کو روکنے کیلئے سامراج کی طرف سے حیاتیاتی اور نیوکلیئر جنگیں شروع کر کے اربوں انسانوں کو مارنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔

عالمی سرمایہ کی اجارہ داری کے ساتھ ساتھ یہ کتاب اس بات کا بھی محققانہ جائزہ لے گی کہ عالمی ساہوکاروں نے قومی ریاستوں کو شکست دینے کیلئے کتنے وسیع پیمانے پر اپنی نجی فوجیں تشکیل دے لی ہیں اور جدید ترین اسلحہ کے کس قدر ذخائر جمع کر لئے ہیں اور یہ کہ مستقبل کی جنگوں کی نوعیت کیا ہوگی۔ یہ کتاب دنیا میں جنگ کی بدلتی صورتحال اور مختلف انواع کی جنگوں کی کامیابی میں غیر عسکری عناصر کی اہمیت کا بھی بظہر ممیق جائزہ لے گی۔

سامراج کی برپا کی ہوئی جنگوں اور عالمی فساد نے جنگوں کی نئی اقسام کو جنم دیا ہے۔ پہلی نسلوں کی جنگیں ختم ہونے جا رہی ہیں۔ اب جنگی حکمت عملی آٹھویں نسل یا اس سے بھی آگے چلی گئی ہے۔ ریاستی کھلاڑیوں کی جگہ غیر ریاستی کھلاڑی براہمان ہو رہے ہیں۔ سامراج کی شروع کی ہوئی جنگوں نے خود اپنی موت کا سامان پیدا کر لیا ہے۔ فلسطین، افغانستان، عراق، شام، یمن، صومالیہ، لیبیا، سوڈان اور دیگر افریقی اور لاطینی امریکہ کے اندر شروع کی گئی جنگوں نے کروڑوں انسانوں کو نہ صرف جنگ کا عادی بنا دیا ہے بلکہ ان کے اندر نفرت، غصہ اور انتقام کی آگ بھی بھڑکا دی ہے۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں عوام الناس نے نہ صرف عملی جنگ اور بھاری ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت حاصل کر لی ہے بلکہ حالات نے ان کا ذہن اور معیشت بھی جنگجوؤں جیسی بنادی ہے۔ سامراج کی شروع کی گئی جنگوں میں عوام نے مستقل اور لامحدود جنگوں کے دور ان اپنی خود مختار معیشت پیدا کر لی ہے اور اپنا انداز زیست بھی دریافت کر لیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ جنگجو جنگی اور معاشی اعتبار سے خود کفالت کی منزل کو پہنچ گئے ہیں اور ناقابل تسخیر ہو چکے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سامراج کی تیار کی گئی حکمران اشرافیہ کے خلاف نفرت تیز ہو رہی ہے۔ سامراج کے پیدا کردہ اداروں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک رہی ہے جو ایک دن شعلہ جوالہ بن کر

سامراج کے سارے مقامی دلالوں اور ان کے قائم کردہ اداروں کو جلا کر بھسم کر دیں گی۔ اطلاعات کے سیلاب، میڈیا کے پھیلاؤ، اسلحہ پر ریاستی اداروں کی کمزور گرفت، جنگ کے بدلے انداز اور عالمی منظر نامہ پر طاقتور غیر ریاستی کھلاڑیوں کے ظہور نے ہر جگہ سامراج دشمن عوامی انقلابات کیلئے راستہ ہموار کر دیا ہے۔ بقول چینی رہنما ماؤ زے تنگ ”جنگیں انقلابات کو جنم دیں یا انقلابات جنگوں کو جنم دیں نتیجہ ہر صورت میں عوام کی بہتری کی صورت میں نکلے گا۔“ سامراج کا غندی شیر ہے۔ وہ کہیں بھی عوامی غیظ و غضب کا سامنا نہ کر سکے گا۔ مختلف عوام نے باہم یکجا ہو کر سامراج کے خاتمہ کی گھنٹی بجادی ہے۔

جدید اسلحہ کے پھیلاؤ نے جنگ کو بہت سارے بنادیا ہے اور جنگوں پر ریاستی عملداری اور اجارہ داری بھی ختم کر دی ہے۔ جنگ اب صرف قومی ریاستوں کا ہی کھیل نہیں رہا ہے بلکہ یہ عام آدمی کا مشغلہ بھی بن چکا ہے۔ جدید دور کی سارے جنگوں نے علاقائی فاصلے سمیٹ دیئے ہیں۔ فوجوں کے بھاری بھر کم لشکر اور دور مار آرٹلری کی حیثیت اب محض ثانوی رہ گئی ہے۔ جنگ اور اسلحہ پر ریاستی فوجوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی ہے۔ اکیسویں صدی کی جنگ کے غیر عسکری ہتھیار بھاری بھر کم روانہ ہتھیاروں کے مقابلہ میں زیادہ کارگر ثابت ہوئے ہیں۔ انسان نے دو دو چار چار کی ٹولیوں میں مجتمع ہو کر لڑنا سیکھ لیا ہے۔ سامراج اور حیاتیاتی جنگ نے عام شہریوں کو جنگی احاطہ میں داخل کر دیا ہے۔ جنگ کا دائرہ کار تبدیل اور وسیع ہو گیا ہے۔ اب جنگ سرحدوں پر کم اور انسانی ذہنوں اور انسانی آبادیوں میں زیادہ لڑی جاتی ہے۔ اب سامراجی جنگ (Cyber Warfare) اور ہیکنگ (Hacking) کا ماہر کوئی بھی ہائی سکول کا طالب علم دس ضرب دس کے کمرہ میں بیٹھ کر اپنے ایک چھوٹے سے کمپیوٹر کے ذریعہ دشمن کے مالیاتی اور عسکری نظام کو تباہ کر سکتا ہے۔ سامراج کے خلاف پیدا ہونے والا جنگی ذہن اور عام لوگوں کی جنگ میں شرکت بالآخر سامراج اور اس کے مقامی گماشتوں کا خاتمہ کر دے گی۔

عالمی سامراج بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کو تیسری عالمگیر جنگ میں دھکیل رہا ہے۔ نیو اپنی علاقائی حدود یعنی یورپ سے باہر نکل کر عالمی جنگجو کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جنگ پہلے ہی دنیا کے مختلف خطوں میں اور مختلف اشکال میں شروع ہو چکی ہے۔ عالمی ساہوکاروں کی بے جاسوسی ہوس اور ترقی پذیر دنیا کے اندر پھیلے ان کے دلالوں کی کوتاہ اندیشی نے انسان کو تیسری عالمگیر جنگ کے دہانے میں پر لاکھڑا کیا ہے۔ عالمی سطح پر عوامی تحریکوں کا ابھار اور عوامی غیظ و غضب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انقلابی جنگیں بالآخر سامراجی جنگوں کو شکست دیں گی۔ عوام کا سر بیکراں آخر کار فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ سیاست کا ایک ادنیٰ مطالعہ بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ آج پیش آنے والے واقعات جہاں فردا کی تشکیل کریں گے۔ سامراج

نے خود ہی اپنی قبر کھودی ہے۔ مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا کی بہت سی جنگوں پر سامراجی خداؤں کے خلاف نفرت کے الاؤ روشن ہیں۔ ایک دن یہ متحد ہو کر خوفناک آتش فشاں کی صورت میں پھٹ پڑیں گے۔ یہ آتش فشاں بلاشبہ سامراج اور اس کے دلالوں کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

سامراج نے افغانستان، عراق، شام، صومالیہ، لیبیا، سوڈان اور تیسری دنیا کے بہت سے دیگر مقامات پر جنگوں کا آغاز کر کے اپنے خلاف لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ گوریلوں کی پیدائش کو ممکن بنایا ہے۔ یہ تربیت یافتہ گوریلوں کے مستقبل کی جنگوں میں فیصلہ کن کردار ادا کریں گے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ بالآخر تاریکی اور شرکی قوتیں شکست فاش سے دو چار ہوں گی۔ اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ سامراج کی شروع کردہ اس تیسری عالمگیر جنگ کی راکھ سے پہلے سے کہیں زیادہ آزاد اور طاقتور انسان بن کر ابھرے گا۔ اس جنگ کے نتیجے میں سرمایہ داری کی سیاہ کار قوتیں تباہی سے ہمکنار ہو کر نیست و نابود ہو جائیں گی۔

سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل

انسان اپنی آزادی اور اقدار کی اس جنگ میں کبھی پسپائی قبول نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ لڑتے ہوئے میدانِ محشر میں داخل ہوں جائیں گے۔ یہ بات یقینی ہے کہ یہ جنگ آخری گولی اور آخری سپاہی تک جاری رہے گی۔ جب تک ایک بھی حریت پسند اس روئے زمین پر مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم جمائے کھڑا ہے ظلم اور بربریت کی قوتیں لرزہ بر اندام رہیں گی۔

اس کتاب میں متذکرہ بالا تمام موضوعات کا بالتفصیل احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ قاری کو ایک نئے شعور کی روشنی اور ایک نیا دلولہ عطا کرے گا۔

محمد سلیم

عالمی سیاست کے خفیہ کھلاڑی

(International Deep State)

اس ابتدائی باب میں ہم عالمی سیاست کے پردہ کے پیچھے چھپے خفیہ کھلاڑیوں یعنی ”عالمی گاؤں درز“ کے بارے میں بات کریں گے جنہیں عرف عام میں عالمی اسٹبلشمنٹ (International Establishment) یا عالمی خفیہ ریاست (Global Deep State) بھی کہا جاتا ہے۔ لفظ سامراج کی اصطلاح ان معنوں میں مبہم ہے کہ یہ ہمیں اس بات کا پتہ نہیں دیتی کی اصل میں سامراج کون ہے، اس کا نام و پتہ کیا ہے اور اس کے بڑے کھلاڑی کون ہیں؟ یہ لفظ عالمی سرمایہ داری کے اصل ٹھکانوں تک لے جانے میں ہماری مناسب رہنمائی نہیں کرتا۔ یہ ہمیں مختلف ریاستی اکائیوں یعنی برطانیہ اور امریکہ جیسے ممالک سے متعارف کروا کر وہیں ایک بڑی کنفیوژن کے عالم میں چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ہمیں اس بات کا پتہ ہی نہیں دیتا کہ ان ریاستی اکائیوں کے پیچھے کونسے کھلاڑی اس بڑے کھیل کی ڈوریاں ہلاتے ہیں اور قومی ریاستوں کو اپنے کٹھ پتلی ممبروں کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

اصل سوال یہ ہے کہ اگر سامراج سے مراد عالمی اجاہ دارانہ سرمایہ داری (International Monopoly Capitalism) ہے تو پھر اس سرمایہ کے مالک کون ہیں؟ کیا اس سرمایہ کی مالک امریکہ اور برطانیہ کی قومی ریاستیں ہیں یا ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور عالمی سرمایہ کے مالکان عالمی ساہوکار جن کی شناخت دانستہ طور پر چھپائی جا رہی ہے؟ یہ بھی دیکھنا ہے کہ پردہ کے پیچھے بیٹھے ان عالمی کھلاڑیوں کی شناخت چھپانے کے پس پردہ محرکات کیا ہیں اور اس وقت ان عالمی سرمایہ دار گروہوں کا ایجنڈا کیا ہے؟ ہمیں پردہ کے پیچھے چھپے ان تمام کرداروں کو منظر عام پر لانا ہے تاکہ قاری یہ جان سکے کہ سامراج یعنی عالمی ایسٹبلشمنٹ کی اصل شناخت اور اغراض و مقاصد کیا ہیں؟

سامراج کا تاریخی پس منظر

اگرچہ علاقائی توسیع پسندی اور سامراج عام طور پر ایک ہی معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں مگر ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ توسیع پسندی میں محض دوسرے ممالک یا علاقوں کے قدرتی وسائل پر قبضہ کرنا اور وہاں کے عوام کو محکوم بنا کر سستے مزدوروں کے طور پر استعمال کرنے کے عزائم شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ زار روس کے وقت روسی توسیع پسندی اور اسی طرح جاپانی حکومت کی وقتاً فوقتاً اپنے سے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کی مہمات علاقائی توسیع پسندی کے زمرہ میں آتی ہیں۔ جبکہ سامراج سے مراد ایک ایسا منظم غیر ملکی لاؤ لشکر ہے جو دیرپا عزائم اور ایک طویل المدتی منصوبہ بندی کے تحت ان مفتوحہ علاقوں پر اپنا نیا نظام رائج کرنے اور اداروں کے ایک جال کے ذریعہ مستقل بنیادوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا ایجنڈا رکھتا ہو۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے اندر آئیوائی "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی مثال زیادہ واضح ہے جس نے ہندوستان کے مالی اور افرادی استحصال کے ساتھ ساتھ یہاں کا سماجی، معاشی، عدالتی اور سیاسی ڈھانچہ بھی تبدیل کیا۔

یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد سرمایہ داری اور پورپی سامراج نے جنم لیا۔ صنعتی مشینوں کی پیداوار ملکی ضروریات سے زیادہ ہونے کی وجہ سے بیرونی منڈیوں کی ضرورت پیش آئی اور یورپ کے "مہم جو" تاجروں کے روپ میں دنیا پر چڑھ دوڑے۔ یورپ کے مختلف علاقوں سے سرمایہ دار مختلف تجارتی کمپنیوں کے روپ میں دنیا پر "حملہ آور" ہو گئے۔ ان میں نیدرلینڈ، پرتگال، ہالینڈ، اٹلی، ڈنمارک، جرمنی، سپین، فرانس، امریکہ اور برطانیہ کے سرمایہ دار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ "عیسائی سرمایہ داروں" کا دور تھا جسے "نو آبادیاتی نظام" کا نام دیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی 31 دسمبر 1600 کو برطانوی حکومت نے چارٹر دیا۔ اس کمپنی کا کارندے تاجروں کے روپ میں 1611 میں ہندوستان وارد ہوئے۔ آہستہ آہستہ ہندوستان کے مختلف علاقوں پر قابض ہوتے گئے۔ 1757 میں اس کمپنی نے نواب سراج الدولہ کو شکست دیکر بنگال فتح کر لیا اور کمپنی کا ملازم لارڈ کلائیو بنگال کا حکمران بن بیٹھا۔ 1765 میں لارڈ کلائیو نے مغل بادشاہ شاہ عالم کو بزورِ بندوق مجبور کر کے بنگال کے ساتھ بہار اور اڑیسہ سے ٹیکس وصول کرنے کے اختیار بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام حاصل کر لئے۔ 2018 کی کولمبیا وینورٹی کی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق اس کمپنی نے 1765 سے لیکر 1938 تک کے 173 سالوں میں کمپنی اور برطانیہ عظمیٰ نے ہندوستان سے مجموعی طور پر 45 کھرب ڈالر کی لوٹ مار کی۔

1849 تک یہ "تجارتی کمپنی" پورے ہندوستان پر قابض ہو گئی۔ 1857 میں کمپنی کے خلاف ایک

ہوئی بغاوت ہو گئی جس کے بعد 1858 میں برطانوی حکومت نے براہ راست ہندوستانی حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ گویا ابتدا تجارت سے ہوئی اور انتہا پورے ہندوستان پر قبضہ سے ہوئی۔ ”ایسٹ انڈیا کمپنی“ ایک معمول کی پرائیویٹ کمپنی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر لندن میں پانچ کھڑکیوں والے چھوٹے سے کمرے میں تھا اور اس کے ملازمین کی کل تعداد دو سو پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ ہندوستان سے دولت اکٹھی کر کے اسی سرمایہ کے زور پر یہاں کے جنگو سرداروں (War Lords) چروں، جاگیرداروں اور کرایہ کی فوج کے ذریعہ انہوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگیں قومی سرمایہ داروں کے درمیان منڈیوں کے حصول کی جنگیں تھیں۔ اس وقت تک عالمی سرمایہ دار قوتیں باہمی اتحاد کی بجائے آپس میں دست و گریباں تھیں۔ لیکن جلد ہی اس کے مقابلہ میں یہودی سرمایہ داروں نے اپنی نئی منصوبہ بندی شروع کر دی جو ”عیسائی سرمایہ داروں“ کے مقابلہ میں بہت زیادہ خطرناک تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کے سرمایہ داروں نے یہودی سرپرستی کے اندر عالمی اتحاد قائم کر لیا اور سرمایہ داری کو باقاعدہ اداروں کی شکل میں منظم کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ”عیسائی سرمایہ داروں“ کا دور ختم ہو گیا اور ”یہودی سرمایہ داروں“ کا دور شروع ہو گیا جسے ”نئے نوآبادیاتی نظام“ کا نام دیا گیا۔ ”نوآبادیاتی“ دور مختلف ممالک کے سرمایہ داروں کے درمیان جنگ و جدل کا دور تھا مگر ”نئے نوآبادیاتی“ نظام میں دنیا بھر کے سرمایہ داروں نے ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بڑے بڑے کارمل قائم کر کے ایک عالمی اتحاد قائم کر لیا اور اس کی سربراہی بڑے سرمایہ دار گروہوں کے قبضہ میں آ گئی جن میں غالب گروہ یہودی سرمایہ داروں کا تھا۔ گویا ”نئے نوآبادیاتی“ نظام کے اندر عالمی سرمایہ داری کی قیادت ”عیسائی سرمایہ داروں“ کے ہاتھ سے نکل کر ”یہودی سرمایہ داروں“ کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی۔

اس سلسلہ میں دنیائے سیاست کے اندر انقلاب فرانس (1789) ایک اہم موز کی حیثیت رکھتا ہے جس نے یورپ (بلکہ دنیا) کی سیاست کا رخ تبدیل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ انقلاب فرانس سے پہلے یہودی یورپ کے اندر ایک ”شودر“ کا درجہ رکھتے تھے اور اسے شہری حقوق حاصل نہیں تھے۔ انقلاب فرانس نے ان کی یہ مشکل حل کر دی۔ انقلاب فرانس کے فوری بعد 1791 میں یہودیوں کو فرانس میں برابر کا شہری تسلیم کر لیا گیا۔ انقلاب فرانس کو مثال بناتے ہوئے اس کے تھوڑے عرصہ بعد یہودیوں کو تمام یورپی علاقوں میں برابر کا شہری تسلیم کر لیا گیا۔ برابر کا شہری تسلیم ہونے کے بعد یہودیوں کو یورپ کے اندر مکمل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اب انہوں نے پہلے یورپ اور پھر امریکہ کو بنیاد بنا کر پوری دنیا کو اپنے معاشی اور سیاسی غلبہ میں لانے کی منظم منصوبہ بندی شروع کر دی۔ ویسے تو یہودی بہت پہلے سے یورپ کے اقتدار کے

ایوانوں کے اندر ٹکس جانے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے عیسائی یورپ کا پورا معاشی، سیاسی اور سماجی ڈھانچہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ دو عالمگیر جنگوں کے نتیجے میں یورپ کا یورپ اپنی توانائیاں کھو چکا تھا۔ اب دنیا میں یہودی شاطروں کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم پیا کر نے میں بھی یہودی کاریگروں کا ہاتھ واضح طور شامل تھا اور وہی ان دو جنگوں کے "بنیادی مفاد کنندگان" کے طور پر دنیا میں ابھرے۔ امریکہ اس ابھرتے ہوئے نئے سامراج کا نیا گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر یہود نے جلد ہی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا اور اپنی روانتی "خرمستیاں" شروع کر دیں۔

جدید سامراج کی پیدائش

عالمی گاؤں در نے نہ صرف پوری دنیا کی معیشت، سیاست اور سماجیات کو اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے بلکہ مختلف عالمی اداروں کے تہہ در تہہ نیٹ ورک (Interlocking Network) کے ذریعے پوری دنیا کی شراکت میں اپنے خونی پنجے گاڑ رکھے ہیں اور اپنے عالمی نیزہ بردار یعنی امریکی اور یورپی حکومتوں اور عالمی اداروں کے پیچھے آرام سے بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے عالمی مہروں کو اس انداز میں آگے بڑھایا ہے کہ قومی ریاستوں کی جگہ ایک عالمی ریاست وجود میں آ رہی ہے اور صیہونی اارڈ اس کا بلا شرکت غیر ملکی مالک بنے جا رہا ہے۔ ملٹی نیشنل اور عالمی اداروں کا دباؤ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ بڑے سے بڑے تیس مارخان بھی اس کے سامنے ٹھہرنے کی جسارت نہیں کر پا رہے۔ فیس بک (Facebook) کا مسئلہ اس کی مثال موجود ہے جس میں کہ عالمی گاؤں کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کی پاداش میں ملٹی نیشنلز نے فیس بک کے اشتہارات بند کروادے گئے۔ اس کے نتیجے میں فیس بک کے مالک مارک زکر برگ (Mark Zuckerberg) کو سٹائیکس ملین ڈالر یومیہ کا نقصان اٹھنا پڑا۔ گاؤں کی تارافنگی کی وجہ سے صرف یہ تھی کہ زکر برگ نے عالمی گاؤں کی خواہش کے مطابق یہودیوں کے خلاف فیس بک پر لگائے جانے والے مواد کو فلٹر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مارک زکر برگ نے اس حکم کی تعمیل سے اس بنا پر معذرت کی لوگوں تک انفرمیشن کی صحیح رسائی ہونی چاہئے۔ گاؤں کی تمام بڑی ملٹی نیشنل کو حکم جاری کر کے اس کے اشتہارات بند کروادے۔ عالمی گاؤں کی حکمرانی کی یہ صرف ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ مارک زکر برگ دنیا کا پانچواں امیر ترین فرد شمار ہوتا ہے۔ اس کے اثاثوں کی مالیت 70 بلین ڈالر سے زیادہ ہے لیکن گاؤں کی ایمپائر کے سامنے اس کی حیثیت ایک پرکاش سے زیادہ نہیں ہے۔ اب عالمی گاؤں کی بارے میں کچھ ضروری مواد قارئین کی نظر کیا جاتا ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہودی سرمایہ داروں نے عالمی معیشت پر

قبضہ کر لیا۔ اور اس وقت پوری دنیا کی معیشت اور سیاست پر آٹھ انتہا پسند یہودی خاندانوں کا قبضہ ہے جن کا سربراہ مشہور زمانہ اسرائیلی ریاست کا خالق ”روٹھسائلڈ خاندان“ ہے۔ ”روٹھسائلڈ“ ایک انتہا پسند یہودی خاندان ہے جس کا بنیادی تعلق جرمنی کے شہر فرینکفرٹ سے تھا۔ بعد ازیں یہ خاندان برطانیہ منتقل ہو گیا۔ اس کے خاندان کے افراد اس وقت یورپ اور امریکہ کے مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کے نیچے سات بڑے یہودی خاندان ہیں۔ اس طرح روٹھسائلڈ خاندان کی سربراہی میں یہ آٹھ خاندان باہم یکجا ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ سرمایہ داری نظام کا سارا فساد انہی آٹھ خاندانوں کا پیدا کردہ ہے۔ یہ آٹھ خاندان پوری دنیا کی معیشت پر قابض ہیں اور ان کے نیچے کام کرنے والے عالمی نیٹ ورک کا نام عالمی اسٹبلشمنٹ ہے۔ دنیا کے بڑے بینکوں، سونے کے ذخائر، امریکی فیڈرل ریزرو، تیل کمپنیوں، خوراک کے ذخائر، جین پول (Gene Pool) اور عالمی تجارت پر اجارہ داری کے ایک طویل و عریض پراسرار طریقہ سے پھیلائے گئے عالمی جال کے ذریعہ یہ آٹھ خاندان پوری دنیا کے سفید و سیاہ کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

دنیا کا سارا مالیاتی نظام، اسلحہ ساز کمپنیاں، کرایہ کی فوجیں اور دیگر تمام کلیدی قسم کی دیوی بیکل ملٹی نیشنل کارپوریشنز انہی آٹھ خاندانوں کی مالیاتی اور سیاسی حکمت عملی کے تحت کام کر رہی ہیں۔ قرضوں کے ایک لامتناہی جال میں جکڑ کر ان آٹھ خاندانوں نے دنیا کے سات ارب انسانوں کو اپنا رینال بنا رکھا ہے۔ اب یہ آٹھوں خاندان ایک مشترکہ حکمت عملی کے تحت تمام قومی ریاستوں کو ختم کر کے ایک عالمی ریاست قائم کرنے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہیں جسکی ملکیت انہی آٹھ یہودی خاندانوں کے پاس ہوگی۔ اس وقت امریکہ کا سارا نظام زر بارہ پرائیویٹ بینکوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہی بارہ پرائیویٹ بینک امریکہ کے ”فیڈرل ریزرو“ کے مالک ہیں۔ امریکی کرنسی چھاپنے کا اختیار امریکی حکومت کے پاس نہیں بلکہ فیڈرل ریزرو کے پاس ہے جس کی ملکیت درج ذیل بارہ پرائیویٹ بینکوں کے پاس ہے:-

- 1) Federal Reserve Bank of Boston; 2) Federal Reserve Bank of New York (New York City); 3) Federal Reserve Bank of Philadelphia; 4) Federal Reserve Bank of Cleveland; 5) Federal Reserve Bank of Richmond; 6) Federal Reserve Bank of Atlanta; 7) Federal Reserve Bank of Chicago; 8) Federal Reserve Bank of St. Louis; 9) Federal Reserve Bank of Minneapolis; 10) Federal Reserve Bank of Kansas City; 11) Federal Reserve Bank of Dallas; 12) Federal Reserve Bank of San Francisco .

ان بارہ پرائیویٹ بنکوں کی ملکیت دنیا کے آٹھ بڑے خاندانوں کے پاس ہے۔ امریکی فیڈرل ریزرو پر قابض ان بارہ بنکوں کی ملکیت درون خانہ درج ذیل آٹھ خاندانوں کے پاس ہے:-

1) Rothschilds of Paris and London, 2) Warburgs of Hamburg, 3) Lazards of Paris, 4) Israel Moses Seifs of Rome, 5) Lehmans of New York, 6) Kuhn Loeb of New York, 7) Goldman Sachs USA, 8) Rockefellers USA.

اس کے ساتھ ہے۔ پی مارگن (J P Morgan) اور سٹیل مین (Stillman) کے کچھ تھوڑے بہت حصے ہیں اور وہ بھی یہودی النسل ہیں۔ تحقیقاتی تجزیہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ بے۔ پی مارگن اور راک فیلر گروپ دراصل روٹھسائلڈ گروپ کے ہی فرنٹ مین ہیں اور ان کی حیثیت روٹھسائلڈ کے دلالوں کی سی ہے اسلئے کہ روٹھسائلڈ گروپ اپنے آپکو پردہ داری میں رکھنا چاہتا ہے۔ اوپر دیئے گئے ان آٹھ میں سے چار خاندان نیو یارک یعنی امریکہ اور دیگر چار خاندان یورپ کے مختلف ممالک میں آباد ہیں۔ یہ سارے خاندان یہودی النسل ہیں۔

راک فیلر خاندان اپنے آپکو عیسائی کہتا ہے مگر یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ ماں کی طرف سے یہودی النسل ہے۔ یہی پوزیشن ہے پی مارگن گروپ کی ہے۔ یہودی مذہب کے مطابق یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے یہودی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ روٹھسائلڈ خاندان کے پاس پوری دنیا سے زیادہ سونا ہے جو دنیا کے مختلف بنکوں کے تہ خانوں کے اندر محفوظ ہے اور سب سے زیادہ سونا بنک آف انگلینڈ کے تہ خانہ میں رکھا گیا ہے جسکی مقدار منوں کے حساب سے بتائی جاتی ہے۔ روٹھسائلڈ خاندان کے پاس چین میں کا پرکی کانیں، برٹش پٹرولیم اور جنوبی افریقہ کے اندر سونے اور ہیروں کی کانوں کی ملکیت ہے۔ یہی خاندان دنیا کے اندر سونے کے نرخ مقرر کرتا ہے۔ جب چاہے گرا دے اور جب چاہے آسمان پر پہنچا دے۔ روٹھسائلڈ کے پاس یورپ کے سارے مرکزی بنک، بنک آف انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ اور یورو کا کنٹرول ہے۔ اس کے علاوہ امریکی فیڈرل ریزرو اور دنیا کے بیشتر دیگر بنک اسکی ملکیت ہیں۔ روٹھسائلڈ خاندان ”بنک آف انٹرنیشنل انوسٹمنٹس“ کے ذریعہ پوری دنیا (ماسوائے ایران، شام، کیوبا اور شمالی کوریا) پوری دنیا کے مرکزی بنکوں کی مالیاتی پالیسیاں طے کرتا اور ان کے مالیاتی معاملات پر اجارہ دارانہ کنٹرول رکھتا ہے۔ بے پی مارگن اور راک فیلر جیسے چھوٹے عقاب روٹھسائلڈ فیملی کے گھونسلے سے نکلے ہوئے چوزے ہیں اور وہ جب چاہے انکی چونچ اور پر کاٹ کر انکی جگہ دوسرے ”چوزوں“ کو اسکتا ہے۔

روتھسائلڈ خاندان نے سب سے پہلے یورپ اور امریکہ کی معیشت پر قبضہ کیا اور اس طاقت کے زور پر بعد ازیں پوری دنیا کی معیشت پر قبضہ کر لیا۔ میسر ایشیل روتھسائلڈ (Mayer Amschel Rothschild) کے پانچ بیٹے تھے۔ اس نے انہیں یورپ کے تمام اہم مقامات پر تعین کر دیا۔ ہاتھن روتھسائلڈ (Nathan Rothschild) کولندن، جیب (Jacob) کوپرس، سلیمان (Salomon) کو دیا، ایشمل جونیر (Amschel Junior) کو فرینکفرٹ اور کالمان روتھسائلڈ (Calmann Rothschild) کو نیپلز میں اپنے بنکوں کا انچارج بنا کر پورے یورپ کی معیشت پر قبضہ کر لیا۔

اس خاندان کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ اس خاندان کے جد امجد میسر ایشیل کی بیوی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ دنیا میں جنگ کی چابی اس کے بیٹوں کے پاس ہے۔ اگر وہ چاہیں گے تو جنگ ہوگی اور اگر وہ نہیں چاہیں گے تو جنگ نہیں ہوگی۔ اس نے کہا تھا:

"If my sons did not want wars, there would be none".

ترجمہ: "اگر میرے بیٹے جنگ نہیں چاہیں گے تو دنیا میں جنگ نہیں ہوگی۔"

روتھسائلڈ کنی سوئٹزرلینڈ کی ملکیت رکھتا ہے۔ پوری دنیا کے اندر سونے کے ذخائر کا بے تاج بادشاہ ہے۔ اس کے سونے کے ذخائر کا صحیح اندازہ دنیا سے پوشیدہ ہے لیکن اندازہ ہے کہ اس کا پاس دس ہزار ٹن سے زائد سونے کے ذخائر ہیں۔ 1835 میں روتھسائلڈ نے سپین میں کوئیک سلور (Quicksilver) کی کانیں خرید لیں۔ کوئیک سلور ایک ایسا میٹیریل ہے جو کہ سونا اور چاندی کی صفائی (Refining) میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے اس طرح روتھسائلڈ نے سونا اور چاندی کی صفائی کے شعبہ میں اجارہ دارانہ حیثیت حاصل کر لی۔ 1888 میں روتھسائلڈ نے جنوبی افریقہ میں بھاری سرمایہ کاری کے ذریعہ ہیرے کی کانوں کی کمپنی "ڈی بیئرز" (De Beers) کے حصص خرید کر کے وہاں ہیرے کی کانوں کے کاروبار پر قبضہ جمالیا۔ اب اس کے اندر روتھسائلڈ کا نظریاتی اور جونیر بزنس پارٹنر جے پی مارگن بھی شریک ہو گیا۔ بہر صورت اس پر روتھسائلڈ خاندان کی اجارہ داری ہے اور دنیا میں سونے کے سب سے بڑے سٹاک کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ سونے کی 90% تجارت پر بھی روتھسائلڈ خاندان کی اجارہ داری ہے۔ دنیا بھر کی سٹاک ایکسچینج کو روتھسائلڈ خاندان کنٹرول کرتا ہے۔ روتھسائلڈ فیملی کو دنیا کی سٹاک ایکسچینج پر اس حد تک کنٹرول ہے کہ وہ جب چاہے کسی کمپنی کی قیمت آسمان پر پہنچا دے اور جب چاہے اسے زمین پر گرا دے۔ اسی طرح سونے اور دیگر قدرتی معدنیات پر بھی اسے اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہے۔

راک فیلر گروپ نے امریکہ کے اندر تیل کی صنعت پر اجارہ داری حاصل کرنے کیلئے نیشنل سٹی بینک

آف کیولینڈ سے بھاری قرضے لئے۔ بظاہر اس بنک کا روٹھسا ملڈ خاندان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر یہ سب پردہ داری کی باتیں ہیں جو کارپوریٹ ہنگامہ کی تہہ در تہہ (Interlocking Chain) کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور کارپوریٹ قانون (Corporate Veil) کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ امریکی کانگریس کی ایک کمیٹی کے سامنے اس بنک کا معاملہ پیش ہوا تو یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ یہ بنک بھی روٹھسا ملڈ خاندان ہی کی ملکیت ہے۔

راک فیلر اور جے پی مارگن بھی ”روٹھسا ملڈ“ کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ وہ جب چاہے انہیں سروڑ کر رکھ دے اور انہیں عالمی منڈی سے نکال باہر کرے۔ روٹھشیلڈ راک فیلر یا مارگن گروپ کے ذریعہ سے امریکہ پر حکومت کرتا ہے۔ نرائی لینرل کمیشن، بلڈر برگ اور کونسل برائے خارجہ تعلقات کے پیچھے بھی اصل طاقتور گروہ روٹھسا ملڈ ہی ہے لہذا ہر چیز صیہیونی گروہ کے چیمپین روٹھسا ملڈ کی منہی میں ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہی روٹھشیلڈ خاندان ہے جس نے یورپی طاقتوں (خاص طور پر برطانیہ) کو الٹی اور معاشی دھونس کے ذریعہ اسرائیل کی ریاست کی تشکیل پر رضامند کیا تھا جسکا ذکر ابھی اسی باب میں آئے گا۔ یہ وہی خاندان ہے جس نے اربوں ڈالر خرچ کر کے اسرائیل کا ریاستی ڈھانچہ مضبوط کیا اور باہر سے آکر اسرائیل میں آباد ہونے والے یہودیوں کیلئے رہائشی بستیاں اور اس سے متعلقہ انفراسٹرکچر تعمیر کر کے دیا۔ یہ دنیا کے اندر عالمی صیہیونی بادشاہت کا سب سے بڑا اوکیل اور مالیاتی سرپرست ہے۔

1815 میں روٹھسا ملڈ خاندان کے ایک بڑے ہاتھن میئر روٹھسا ملڈ (Baron Nathan

Mayer de Rothschild) نے کہا تھا:

“..... fuck the queen I care not what puppet is placed upon the throne of England to rule the Empire on which the sun never sets. The man who controls Britain's money supply controls the British Empire, and I control the British money supply”

ترجمہ: ”ملکہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ انگلستان کی وسیع و عریض سلطنت پر کس کٹھ پتلی کی حکومت ہے۔ حقیقت میں انگلستان کی سلطنت کا مالک وہی شخص ہے جو اس کے خزانوں کا مالک ہے۔ اور انگلستان کے خزانوں کا مالک میں ہوں۔“

بلاشبہ عالمی سرمایہ پر قبضہ انہی آٹھ خاندانوں کا ہے اور دنیا کے خزانوں کی کنجیاں ان ہی آٹھ خاندانوں کے پاس ہیں۔ دنیا کے تمام مالک کو سود و سود کے پرچے چکروں میں الجھا کر ان آٹھ خاندانوں نے دنیا کے

سات ارب انسانوں کو یغمال بنا رکھا ہے۔ مقرض ممالک کے سالانہ بجٹ کی ایک بڑی مقدار یہ عالمی سود خور لے جاتے ہیں۔ یہ ساہوکار امریکہ اور عالمی اداروں جیسے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور کچھ دوسرے اداروں کے ذریعے قومی ریاستوں کو قرضہ دیتے ہیں اور یہی ادارے ان کو سود اور اصل زر کی وصولی کر کے دیتے ہیں اور ان کے پرائیویٹ قرضوں کے ضامن ہیں۔ امریکہ تو خود بائیس ٹریلین ڈالر کا مقرض ہے وہ کسی کو کیا قرضہ دیگا؟

امریکہ تو صرف سرمایہ داروں کا ”عالمی بد معاش“ ہے جس کے سیاستدانوں کو عالمی سرمایہ داروں نے خرید کر رکھا ہے۔ امریکہ جو قرضہ دیتا ہے وہ بھی ان پرائیویٹ عالمی ساہوکاروں کا ہی ہوتا ہے۔ ان پرائیویٹ لوگوں نے امریکہ اور دیگر عالمی اداروں کو آگے کیا ہوا ہے اور خود پردے کے پیچھے بیٹھ کر مانیٹرنگ کر رہے ہیں۔ پردہ کے پیچھا رہنا ان کی ایک اور چال ہے۔ اس کا انکو یہ فائدہ ہے کہ ایک تو ان کو ریکوری کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ دوسرے ان کا قرضہ محفوظ ہے اور تیسرے یہ دنیا کے سامنے آنے سے بچے رہتے ہیں اور انکی عالمی سازشیں آشکارا نہیں ہوتیں۔

دنیا کی معیشت پر قبضہ کرنے کیلئے عالمی سرمایہ داروں کا سب سے بڑا ہتھیار قومی ریاستوں کو بے محابا اور بلا ضرورت قرضوں کا اجرا ہے۔ جب قومی ریاستیں ایک مرتبہ ان کے جال میں پھنس جاتی ہیں تو پھر اس میں سے نکلنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ قومی ریاستیں سارا سال اپنے عوام کا خون نچوڑ کر جو ٹیکس اور ریونیو اکٹھا کرتی ہیں یہ ساہوکار سود مرکب کی شکل میں لے جاتے ہیں۔ سود کی ادائیگی کے بعد قومی ریاستوں کے پاس اپنے عوام کی فلاح اور روزمرہ کاریاں کا رو بار چلانے کیلئے ایک محدود سی رقم رہ جاتی ہے۔ سابقہ روسی صدر گورباچوف اپنی کتاب ”پریسٹریا کا گلاسٹ“ میں کہتا ہے:

”سرمایہ داری نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ساتھ اپنے اقتصادی تعلقات کو اس نچ پر پہنچا دیا ہے جہاں پوری کی پوری قومی معیشتیں معاشی جمود کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔ وہ خود اپنی زندگی کی اشد ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتیں۔ وہ بھاری قرضوں کی دلدل میں پھنس کر بے بس ہو چکی ہیں۔“

عالمی سرمایہ داروں کا دوسرا بڑا ہتھیار ”پرائیویٹائزیشن“ ہے۔ اسی کے ذریعہ عالمی سامراج پوری دنیا کے اندر مختلف پرائیویٹ کمپنیوں کے حصص خرید کر کے ان پر قبضہ کر لیتا ہے اور بلا واسطہ اس ملک کی معیشت کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ روٹھسٹائل اینڈ کمپنی نے پردہ کے پیچھے سے دنیا بھر میں اپنے آلہ کار مالیاتی اداروں کو پوری دنیا کے اندر پرائیویٹائزیشن کی ہدایات جاری کیں۔ ان اداروں نے نئے قرضوں کے اجرا اور سابقہ قرضوں کی ری۔ شیڈولنگ کو اس بات سے ختم کر دیا کہ تمام مقرض ریاستیں اپنے تمام بڑے

پبلک سیکلٹرا، اداروں کو فوری طور پر پرائیویٹائز کریں۔ اس سلسلہ میں ان ممالک کو پرائیویٹائز کئے جانے والے اداروں کی فہرستیں بھی تھما دی گئیں۔ اس فہرست میں زیادہ تر بنیادی نوعیت کے ادارے شامل کئے گئے۔ ان میں انرجی، بجلی بورڈ، پانی بورڈ، تیل، معدنیات، خوراک، ذرائع رسل و رسائل، سٹیل، کوئلہ، مالیاتی ادارے، ہوائی اڈے، اسلحہ سازی کی صنعت، انزائمنز اور اسی قسم کے اور بہت سے بنیادی نوعیت کے ادارے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امریکی وال سٹریٹ پر جے پی مارگن کا کنٹرول ہے مگر درون خانہ یہ بھی روٹھسا کلمڈ خاندان کی ہی ملکیت ہے۔ امریکی کانگریس کے ممبر اوسکر کالاوے (Oscar Callaway) نے امریکی کانگریس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ جے۔ پی۔ مارگن روٹھسا کلمڈ خاندان کا فرنٹ مین ہے اور اس نے روٹھسا کلمڈ خاندان کے ایما اور امانت سے امریکہ کی ساری میڈیا انڈسٹری پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ اس گروہ نے دنیا کے براہم میڈیا ہاؤس اور پھیل پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہاں اپنے کارندے بٹھائے ہوئے ہیں جنکا مقصد رائے عامہ کو ان کے حق میں ہموار کرنا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے صحافی انکے پے رول پر ہیں۔ یورپ، امریکہ اور دنیا کی دیگر تمام نیوز ایجنسیز پر روٹھسا کلمڈ خاندان کا براہ راست یا بلا واسطہ قبضہ ہے۔ دنیا کے ان آٹھ خاندانوں کے نیچے دنیا کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بینک اور اداران کے ذیلی ادارے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں:-

Rothschild Bank of London; Warburg Bank of Hamburg; Rothschild Bank of Berlin; Lehman Brothers of New York; Kuhn Loeb Bank of New York; Israel Moses Seif Banks of Italy; Goldman, Sachs of New York; Warburg Bank of Amsterdam; Chase Manhattan Bank of New York; Lazard Brothers Bank of Paris; Bank of America; Citigroup; Wells Fargo.

ان کے نیچے Deutsche Bank، BNP، Barclays، Standard Chartered جیسے دوسرے یورپین اور امریکی بینکوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کے ذریعے یہ پوری دنیا کی معیشت پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کے نیچے ہزاروں کی تعداد میں ذیلی ادارے ہیں۔ ہر ایک ادارہ کے نیچے کئی کئی درجن بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں بہت بڑے بڑے ذیلی ادارے کام کر رہے ہیں۔ انہی بینکوں کے زیر سایہ دنیا کی بڑی آئل کمپنیز جیسے Exxon Mobil, Royal Dutch / Shell, BP Amoco, Chevron Texaco کام کر رہی ہیں۔

یہی وہ ”عالمی متوازی حکومت“ ہے جو پوری دنیا کی معیشت اور سیاست پر قبضہ کئے بیٹھی ہے اور قومی ریاستوں کی جگہ ایک عالمی ریاست قائم کرنے کی منصوبہ بندی کئے ہوئے ہے۔ دنیا کی سات بڑی کلیدی انڈسٹریز پر ان یہودی خاندانوں کا بلا شرکت غیرے اجارہ دارانہ قبضہ ہے۔ جن میں مالیاتی ادارے، تیل، گیس، خوراک، فارماسیٹکس، بائیو ٹیکنالوجی، اسلحہ سازی اور سپیس ٹیکنالوجی، انفارمیشن ٹیکنالوجی شامل ہیں۔ یہی وہ سات انڈسٹریز ہیں جو دنیا پر قبضہ کرنے کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب اگر وال مارٹ پر چون سچ رہا ہے یا ہیزا برگر اپنے برگر بیچ رہا ہے تو اس سے اس عالمی ساہوکاروں کو کوئی فرق نہیں پڑتا اسلئے کہ یہ غیر اہم شعبے ہیں اور آسانی کے ساتھ زیر کئے جاسکتے ہیں۔ ویسے یہ شعبہ بھی انہوں نے خالی نہیں چھوڑا ہوا۔ اس کے بھی حصص انہوں نے سناک آکھینچ سے خریدے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی یہ ”بونے کھلاڑی“ ایک قانون کی مار ہیں۔ عالمی اجارہ دار جب چاہیں ان کو کاروبار کی دنیا سے فارغ کر کے گھر بھیج دیں۔ عالمی سرمایہ داروں کے سامنے ان کی حیثیت محض خوانچہ فروشوں کی سی ہے۔

1791 میں امریکہ میں پہلا مرکزی بینک ”بنک آف یونائیٹڈ سٹیٹس (Bank of United States-BUS) قائم کیا گیا۔ یہ ایک پرائیویٹ بینک تھا۔ اس کی ملکیت روٹھسائلڈ کے فرنٹ مین ٹیملٹن کے پاس تھی۔ اس بینک کا لائسنس بیس سال کیلئے تھا اور اس کا چارٹر 1811 میں ختم ہونا تھا۔ عوام اس بینک کے چارٹر کی تجدید کے حق میں نہیں تھے۔ معاملہ پانچ سال تک انکار با مگر ساہوکاروں کی شدید چالبازی اور دباؤ کے نتیجے میں سال 1816 اس کے چارٹر کی تجدید کر دی گئی۔

1828 میں اینڈریو جیکسن امریکہ کا صدر بن گیا۔ اس نے اپنی پوری انتخابی مہم کے دوران اس پرائیویٹ بینک کی شد و مد سے مخالفت کی تھی۔ وہ اپنی ساری مہم کے دوران عالمی ساہوکاروں کے خلاف گرجتا رہتا رہا۔ جب امریکی صدر اینڈریو جیکسن نے عوامی حمایت سے الیکشن جیت لیا تو اس نے اس بینک کا لائسنس منسوخ کر دیا۔ اینڈریو جیکسن کے عہد صدارت میں پہلی اور آخری مرتبہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ذمہ کوئی قرض باقی نہ رہا۔ صدر امریکہ کا مقابلہ کرنے کیلئے اس بینک کا صدر (روٹھسائلڈ کا نمائندہ) حکومت اور اپوزیشن کے اندر موجود اپنی پوری ٹیم سامنے لے آیا۔ اس نے اینڈریو جیکسن کے خلاف زبردست سیاسی محاذ آرائی کی۔ اینڈریو جیکسن پر دوسرے قاتلانہ حملہ کروایا گیا۔ اسکی پارٹی کے اندر اس کے خلاف بغاوت کروائی گئی۔ کانگریس میں اسکے خلاف عدم اعتماد (Impeachment) کروائی گئی۔ سینٹ میں صرف ایک ووٹ کی اکثریت اس کی صدارت بچ گئی۔ اینڈریو جیکسن نے اس قاتلانہ حملہ کا الزام روٹھسائلڈ گروہ پر لگایا۔ پہلے قاتلانہ حملہ کو اینڈریو جیکسن نے معمولی واقعہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ مگر دوسرے

قاتلانہ حملہ کر نیوالے رچرڈ لارنس کو عدالت نے ”پاگل“ قرار دیکر بری کر دیا مگر اس نے شیخی بھگارتے ہوئے کہا کہ ”اس کے پیچھے یورپ کے طاقتور لوگ (روٹھسا کلڈ گروہ) تھے جنہوں نے اسکی خدمات کرایہ پر حاصل کی تھیں اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے بچا لیتے۔“

دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ عالمی ساہوکاروں نے کتنی دیدہ دلیری سے امریکی صدر کا مقابلہ کیا اور اسے کتنا پریشان رکھا۔ صدر امریکہ اور صدر ”بنک آف یونائٹڈ سٹیٹس“ کے درمیان اس جارحانہ مقابلہ سے یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ امریکہ میں اس کے ابتدائی ایام میں ہی عالمی سرمایہ گروہ نے کس حد تک اثر و سوغ اور طاقت حاصل کر لی تھی۔

انہی عالمی ساہوکاروں نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ 1861 میں امریکی خانہ جنگی کا آغاز کروا دیا گیا۔ اس خانہ جنگی کی بحرانی صورت حال میں امریکہ دوبارہ عالمی ساہوکاروں کا ایک سولین ڈالر کا مقرض ہو گیا۔ جنگ کے اخراجات پورے کرنے کیلئے ابراہیم لنکن نے ان ساہوکاروں سے امریکی حکومت کیلئے قرض مانگا تو انہوں نے پچیس سے تیس فیصد شرح سود پر قرض دینے کی بات کی۔ اس پر ابراہیم لنکن نے جنگی اخراجات پورے کرنے کیلئے عالمی ساہوکاروں سے قرض لینے کی بجائے ”لنکن گرین بیکس“ (Lincoln Greenbacks) نام سے نیا ”سکہ“ جاری کر دیا۔ اس پر عالمی ساہوکاروں کا رد عمل دیدنی تھا۔ روٹھسا کلڈ کے زیر اثر ٹائمز آف لندن نے امریکی حکومت کو لٹاڑتے ہوئے لکھا:

”If that mischievous policy, which had its origins in the North American Republic, should become indurated down to a fixture, then that Government will furnish its own money without cost. It will pay off its debts and be without debt. It will have all the money necessary to carry on its commerce. It will become prosperous beyond precedent in the history of the civilized governments of the world. The brains and the wealth of all countries will go to North America. That government must be destroyed, or it will destroy every monarchy on the globe.”

ترجمہ: ”اگر یہ شرانگیز پالیسی، جس کا آغاز شمالی امریکہ سے ہوا ہے، جاری رہتی ہے تو یہ حکومت اپنی کرنسی خود چھاپنے لگے گی۔ وہ اپنا سارا قرضہ بیباک کر دے گی اور قرض سے آزاد ہو جائیگی۔ اس کو جتنی رقم کی ضرورت ہوگی وہ چھاپ لے گی۔ یہ تاریخ کی امیر ترین حکومت بن جائیگی۔ اس طرح پوری دنیا کی

فلس اور دولت شمالی امریکہ کے پاس چلی جائیگی۔ اس حکومت کو تباہ کر دینا چاہئے مگر نہ یہ دنیا کی ہر حکومت کو تباہ کر دیگی۔“

روحسائٹڈ خاندان کی چند بڑی وارداتیں

روحسائٹڈ خاندان سے جڑے بہت سے واقعات بظاہر افسانوی نوعیت کے دکھائی دیتے ہیں لیکن عالمی مافیا کے سربراہ روحسائٹڈ کیلئے یہ کوئی بہت غیر معمولی کام بھی نہیں ہیں۔ یوں تو روحسائٹڈ خاندان کے جرائم کی داستان ہزاروں معلوم اور نامعلوم واقعات پر پھیلی ہوگی مگر ان ہزاروں واقعات میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:-

انقلاب فرانس

14 جولائی 1789 کو پیرس کے اندر مسلح جتھوں نے پیرسائل جیل (Bastille Jail) پر حملہ کر کے القیدیوں کو رہا کروا لیا اور جیل میں موجود تمام اسلحہ اور گولہ بارود لوٹ لیا۔ اس طرح پیرس کے اندر ”انقلاب فرانس“ برپا ہو گیا۔ اس ”انقلاب“ کا دورانیہ تقریباً ساڑھے دس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس ”انقلاب“ کے دوران کوئی مثبت اصلاحات یا عوامی فلاح کوئی کام انجام نہیں دیا گیا۔ صرف لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ لوگوں کو بغیر مقدمہ چلائے عرصہ دراز تک جیلوں میں رکھا گیا۔ ہزار ہا لوگوں کو تماشائیوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے لا کر کھڑا کیا جاتا اور ایک قاتل مشین ”گلوٹن“ - Guillotine کے ذریعہ ان کا سر قلم کر دیا جاتا۔ کہتے ہیں کہ انسانی قتل عام کا یہ ”تماشہ“ اس قدر سنگین تھا کہ جس کسی کے ہاتھ نرم نظر آتے یعنی محنت کشوں کی طرح سخت نہ ہوتے اسے گلوٹن مشین کے سامنے کھڑے کر کے اس کا سر قلم کر دیا جاتا۔ یہودیوں نے جی بھر کر اپنے مخالفین کے سر قلم کئے اور اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔ ساڑھے دس سال تک یہ تماشہ لگا رہا حتیٰ کہ 9 نومبر 1799 کو نپولین بونا پارٹ نے اس بہیمانہ قتل عام کا خاتمہ کیا تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس ”انقلاب“ کے نتیجہ میں فرانس میں فوجی آمریت قائم ہو گئی۔ تاریخ میں اس ”انقلاب“ کو ”خوف و دہشت“ - Reign of Terror کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ”خوف و دہشت“ اور ”اجتماعی قتل و غارتگری“ کے اس عمل کو میڈیا کے پروپیگنڈا کے ذریعہ یورپ اور دنیا کیلئے ایک خوبصورت سیاسی ”نمونہ“ کے طور پر پیش کیا گیا کیونکہ اس ”انقلاب“ کے ذریعہ یہودی کو فرانس کے اندر برابر کے شہری حقوق حاصل ہوئے تھے۔ جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر انسانی حقوق کی بدترین پامالی کی گئی۔ انسانی ثقافت، مذہب، اخلاقی اقدار غرض تہذیب کی اعلیٰ اقدار کو ”یورڈا ثقافت“ قرار دیکر تہہ وبالا کر دیا گیا۔ اب یہودی

یورپ کے سیاسی نظام کے اندر داخل ہو چکا تھا اور یہیں سے عالمی بربادی کا آغاز ہوا۔

انقلاب فرانس کے پیچھے یہودی (خاص طور پر روتھسائٹ خاندان اور اس کے ہم مسلک یہودی خاندان) تھے جنہوں نے پروپیگنڈا اور سرمایہ کے زور پر عوام کے اندر احساسِ محرومی کو ایک خانہ جنگی میں تبدیل کر دیا اور اپنے تمام دشمنوں کے سر کاٹ لئے۔ انقلاب فرانس کے دو سال بعد یعنی 1791 میں یہودیوں کو فرانس کا شہری تسلیم کر لیا گیا اور انکو وہی حقوق حاصل ہو گئے جو دوسرے فرانسیسی شہریوں کو حاصل تھے۔ گویا یہ انقلاب یہودیوں کیلئے برپا کیا گیا تھا اور وہ جیت گئے۔ اس انقلاب کے ذریعہ کلیسا پر کاری ضرب لگائی گئی۔ کلیسا کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ان پر بھاری ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ عیسائیت کو سیاسی میدان سے فارغ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک ”سیکولر ریاست“ قائم کی گئی۔ انقلاب فرانس کے بعد یہودی کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑا ہی میں والی بات تھی۔ اب وہ یورپ میں ”سیاسی اجنبیت“ سے باہر نکل کر سر عام ”سیاسی اور معاشی خرمستیاں“ کر سکتا تھا۔ فرانس کی اس مثال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور فرانس کے اندر برپا کی گئی قتل و غارتگری سے دیگر ممالک کی حکومتوں کو خوفزدہ کرتے ہوئے اور اسی کے ساتھ اپنا بے پناہ اثر و رسوخ اور سرمایہ کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے یہودیوں نے یورپ کی تمام دوسری ریاستوں (ماسوائے زاروں کے روس کے) کے اندر بھی برابر کے شہری حقوق حاصل کر لئے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ”انقلاب فرانس“ کی سب سے بڑی مفاد کنندہ عالمی صیہونیت تھی جس نے یورپ کا عیسائی ڈھانچہ توڑ کر اس کے اندر سیکولر ازم کو داخل کر دیا۔ یورپ کے اندر یہودی کو برابر کے شہری حقوق مل گئے اور سیاسی و معاشی عملداری کے اندر اسکا طوطی بولنے لگا۔ اس ”انقلاب“ کے نتیجہ میں یہودی یورپ کے اندر معاشی اور سیاسی کھیل کا حصہ بن گئے۔ اب وہ پوری آزادی کے ساتھ سیاسی و معاشی اچھل کود کر سکتے تھے۔ اسی ”انقلاب“ کے دور رس نتائج کے نتیجہ میں اب عالمی صیہونیت دنیا پر قبضہ کے خواب دیکھ رہی ہے۔ انقلاب فرانس کے دو سو سال بعد 1972 میں جب چینی کمیونسٹ رہنما چو۔ این۔ لائی سے 1789 میں بپا ہونے والے اس انقلاب پر تبصرہ کرنے کیلئے کہا گیا تو اس نے کوئی واضح جواب دینے کی بجائے طنزیہ انداز میں صرف یہ کہا:

”Too early to say.”

گویا چو۔ این۔ لائی کی نظر میں بھی اس نام نہاد ”انقلاب فرانس“ کی ”اصلیت“ مشکوک تھی۔ یہ دنیا کے ایک بڑے کمیونسٹ دانشور رہنما چو۔ این۔ لائی کی جانب سے ایک سند بھی ہے اور ان دانشوروں کے منہ پر ایک طمانچہ بھی جو صبح و شام انقلاب فرانس کی تعریفیں کرتے ہوئے بے حال ہوئے جا رہے ہیں۔

روس میں اشتراکی انقلاب

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روس کے زار خاندان کا طرز حکومت آمرانہ اور جاہلانہ تھا مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ زار خاندان کے بہت بڑا روسی قوم پرست تھا جس نے مختلف جنگوں کے اندر روس کی رہنمائی کی تھی۔ زار حکمران ایک بڑے عالمی کھلاڑی تھے جو صیہونیتوں کے دائرہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس خاندان نے ایک طویل عرصہ تک صیہونی اور یورپی عیسائی سامراج کا مقابلہ کیا تھا۔ عالمی صیہونیت اور ان کے گاڈ فادر روتھسائٹ کو زار روس کے ساتھ خصوصی دشمنی تھی اس لئے کہ زار روس کنزروٹسم کے روسی قوم پرست تھے اور انہوں نے روتھسائٹ کے کئی اہم عالمی منصوبوں کو ناکام بنایا تھا۔ روتھسائٹ کو زار خاندان کی زار خاندان سے دشمنی کی کئی جوہات تھیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل تھیں:-

1۔ زار انگریز 1 نے 1815 میں روتھسائٹ کی خواہش کے مطابق ویانا کانگریس میں یورپ کو ایک "سیاسی اکائی" اور "مالیاتی منڈی" بننے کے راستہ میں رکاوٹ ڈال کر اسے ناکام بنایا تھا۔ روتھسائٹ کو اپنے منصوبہ کی ناکامی کا بڑا دکھ تھا اور وہ اس کا زار روس کے خاندان سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ یورپ کی تمام قوتوں اور زار روس کو ساتھ ملا کر دنیا کے اسلام کے خلاف ایک اور صلیبی جنگ برپا کرنا چاہتا تھا اور اس کی آڑ میں مشرق وسطیٰ کے تیل اور افریقہ کی معدنیات پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ ایک یہودی ریاست کا خواب بھی اس خاندان کے اندر بڑی دیر سے چل رہا تھا۔ زار روس کے رویہ کی وجہ سے ویانا کانگریس ناکام ہو گئی اور روتھسائٹ کو خاندان کے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ زار روس کی اس مخالفت نے روتھسائٹ اور زار خاندان کے درمیان تعلقات کو ایک تاریخی دشمنی میں تبدیل کر دیا۔ ناٹھن روتھسائٹ نے 1815 میں قسم اٹھائی تھی کہ وہ اس بات کا زار روس کے خاندان سے ضرور بدلہ لے گا۔

2۔ امریکہ اور تقریباً پورے یورپ میں یہودیوں کو عیسائی اور دیگر لوگوں کے برابر شہری حقوق مل چکے تھے مگر روس کا زار خاندان یہودیوں کو یہ حق دینے کیلئے ہرگز تیار نہ تھا۔ (یاد رہے کہ روس کے اندر یہودیوں کو برابر کے شہری حقوق وہاں کمیونسٹ انقلاب آنے کے بعد لینن نے 15 نومبر 1917 کو دیئے)۔ روتھسائٹ اور اس کا دیگر یہودی قبیلہ زار روس کے خون کا پیا سا تھا اور اس مقصد کیلئے لینن اور اس کا گروہ ان کے کام آیا۔ روس دشمنی کی بنیاد پر جرمن حکومت نے لینن کی افرادی مدد کی اور مالی معاونت روتھسائٹ اور اس کے ہمراہی صیہونیوں نے مہیا کی۔

3۔ روتھسائٹ کو خاندان کی مسلسل کوششوں کے باوجود زار خاندان نے روتھسائٹ اور اس کے ایجنٹوں کو

روس کے اندر مرکزی بنک کھولنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ روٹھسائڈ اس بنک کے قیام سے روس کی معیشت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ لیکن عالمی سیاست کا ماہر کھلاڑی ہونے کے ناطے زار خاندان نے ہر مرتبہ روٹھسائڈ کی اس کوشش کو ناکام بنایا۔

4۔ امریکی خانہ جنگی کے دوران جب جنگ فیصلہ کن مراحل میں داخل ہوئی تو روٹھسائڈ نے باغیوں سے رابطہ کر کے انہیں امداد کی یقین دہانی کرائی اور اس مقصد کیلئے برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کو امریکی خانہ جنگی میں امریکی یونین کے خلاف جنگ میں براہ راست شرکت پر آمادہ کر لیا۔ زار روس نے امریکی خانہ جنگی میں یہودیوں کی خواہشات کے برعکس ابراہیم لنکن کو مدد دی۔ زار الیگزینڈر 11 نے 1864 میں اعلان کر دیا کہ امریکی یونین کے خلاف فرانس اور امریکہ کی مداخلت روس کے خلاف اعلان جنگ سمجھی جائیگی اور عملی اقدام کے طور پر روسی بحری بیڑہ سان فرانسسکو کے ساحل کے قریب لنگر انداز کر دیا تاکہ بوقت ضرورت جنگ میں حصہ لیا جاسکے۔ یوں زار روس کی بروقت مداخلت سے امریکہ دو حصوں میں تقسیم ہونے سے بچ گیا۔ اس کا عالمی صیہونیت اور روٹھسائڈ گروہ کو بڑا صدمہ تھا۔ وہ زار روس کے خاندان کو سبق سکھانا چاہتے تھے۔

روٹھسائڈ خاندان نے زار نکولس III اور اس کے سارے خاندان کا قتل کر کے دنیا میں اپنے مخالفین کیلئے عبرت کی ایک مثال قائم کی۔

حالانکہ ان کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ وہ پہلے ہی حراست میں لئے جا چکے تھے۔ یہ زار خاندان سے روٹھسائڈ خاندان کا انتقام تھا جو دنیا کو یہ بتانے کیلئے لیا گیا تھا کہ جو کوئی روٹھسائڈ خاندان کے راستہ میں رکاوٹ بنے گا اس کا بھی ایسا ہی عبرتناک انجام ہوگا۔

روس کے اندر اشتہالی گروہ بھی روٹھسائڈ کے گروہ نے ہی پیدا کیا تھا اور مسلسل اسکی آبیاری کرتے چلے آ رہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ لینن روس سے بھاگ کر سویٹزر لینڈ میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا اور روس کے اندر اس کی سیاسی ساکھ محض ایک مفروضہ تھی۔ یہ بات تاریخ کے سینہ پر رقم ہے کہ لینن روسی عوام کی طاقت سے نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی سازش (جو روٹھسائڈ کے سرمایہ اور جرمن خفیہ پولیس کی انفرادی قوت نے پردان چڑھایا) کے نتیجے میں روس آیا اور اسی کے نتیجے میں زار روس کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہوا۔

جنگ کے دوران جب روسی فوجیں جرمنی کے خلاف میدان جنگ میں اپنا خون بہا رہی تھیں تو روٹھسائڈ گروہ نے جرمن قیادت کو لینن کے اشتہالی گروہ کی حمایت پر آمادہ کیا اور دوران جنگ خفیہ طریقہ

سے لینن کو روس کے اندر ”درآمد“ کیا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ”اشتراکی انقلاب“ روس کے اندر پیدا ہوا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے روس کے باہر سے روس کے اندر ”درآمد“ کیا گیا تھا۔

لینن کی سیکورٹی کیلئے لینن کے ارد گرد جرمن خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار سادہ لباس میں تعینات تھے۔ لینن کی مدد کیلئے عام اندازوں کے مطابق پچاس ہزار کے قریب غیر ملکی گوریلے روانہ کئے جو ”انقلابیوں“ کے روپ میں روسی عوام کو جنگ اور زار روس کے خلاف براہیختہ کر رہے تھے۔ یہ سب تنخواہ دار لوگ تھے۔ لینن کی کمیونسٹ پارٹی کے پاس تو تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا نہ تھا تو پچاس ہزار کل وقتی لوگوں کی تنخواہ اور کھانے پینے کا بندوبست کون کر رہا تھا؟ اس کے پیچھے جرمن حکومت اور سازش کا سرغنہ روتھسائٹڈ خاندان تھا۔ مزدوروں کے نمائندوں کو بیش بہا رشوت اور اعلیٰ حکومت میں پرکشش عہدوں کے لالچ کے ذریعہ ساتھ ملا یا گیا۔ فوجی اور سول اعلیٰ افسران کو خرید ا گیا۔ ایک بڑا تماشا برپا کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا پراجیکٹ تھا۔ یہ وسیع پیمانے پر زار روس کا تختہ الٹنے کا پراجیکٹ تھا جسے جرمن سیکریٹ سروس چلا رہی تھی۔ جرمن حکومت اور عالمی صیہونی رہنما روتھسائٹڈ اس کے لئے سرمایہ فراہم کر رہا تھا۔ زار روس نکولس II تخت سے دستبردار ہو گیا۔ مگر اس کے باوجود لینن اور اس کے ساتھیوں نے اسے اس کے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو بیدردی سے ذبح کر دیا تا کہ روتھسائٹڈ کے انتقام کی آگ بجھ سکے اور دنیا کیلئے ایک عبرتناک مثال قائم کی جاسکے۔

عالمی صیہونیت کے اندازہ کے مطابق لینن محض ایک خانہ بدوش قسم کا انقلابی تھا جو زار روس سے فرار ہو کر سوئٹزرلینڈ میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ لینن ایک نراجیت پسند تھا اور وہ اپنی شوریدہ سری سے روسی سلطنت کو کمزور کر دینا جو بین الاقوامی سرمایہ داری کیلئے روس کے اندر اپنے بچے گاڑنے کیلئے ایک مادر موقع ہوگا۔ مگر روسی نیشنلزم کے دباؤ کے تحت ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ حالات کے دباؤ تلے آ کر لینن نے روتھسائٹڈ کے عالمی پروگرام کا براہ راست حصہ بننے کی بجائے کمیونزم اور روسی ڈھانچے میں ایڈجسٹ کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔ لینن نے ”عالمی اشتہالی انقلاب“ کا نعرہ بلند کیا مگر روسی قوم پرستی کے سامنے اس نعرہ کو مقبولیت کم حاصل نہ ہو سکی اور لینن عالمی صیہونیت کی خواہشات کی مکمل تکمیل نہ کر سکا۔

روس میں انقلاب کے نام پر قتل عام کا یہ تماشا اگلے ستر سال تک چلا اور اس کے بعد اس کا ذرا پسمین ہو گیا۔ روسی بالشویک انقلاب لانے والے ”انقلابیوں“ میں ستر فیصد سے زیادہ غیر روسی لوگ تھے۔ کمیونسٹ حکومت کے اندر ”افیت کدوں“ کے زیادہ تر انچارج یہودی ہی تھے۔ جو ”انقلاب“، ”شہنی“ کا نعرہ

لگا کر اپنے ذاتی دشمنوں کو بلا امتیاز اور بغیر مقدمہ چلائے قتل کر رہے تھے۔ اس طرح کئی کروڑ انسانوں کا قتل عام کیا گیا۔ کروڑوں انسان سائبیریا کے صحیح بستہ بریلے علاقوں میں قید کردئے گئے جہاں انہوں نے سسکا سسک کر دم توڑ دیا۔

عالمی شہرت یافتہ روسی ادیب سوئزے نٹسن (Solzhenitsyn) نے اپنی کتاب 'Gulag Archipelago' - 2 میں پوری وضاحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ بالشویک روسی انقلاب کو لانے اور کنٹرول کرنے والوں میں ایک بہت بڑی تعداد غیر روسی افراد کی تھی اور ان میں 75 ہزار سے زیادہ لوگ یہودی تھے۔ اس نے کمیونسٹ بیگار کیمپوں کے کرتا و حرتا افراد کے بارے میں بتایا کہ ان سب کے انچارجنگ یہودی النسل تھے۔ ان کے نام ایرن سولیس (Aron Solis)، یعقوب ریپوپورٹ (Yakov Rappoport) لازار کوگان (Lazar Kogan)، مانوی برمن (Matvei Berman)، گنرکھ یاگوڈا (Genrikh Yagoda) اور نیفتلی فرینکل (Naftaly Frenkel) تھے۔ ان لوگوں نے ان بیگار کیمپوں کے اندر عیسائی اور دوسرے غیر یہودی لوگوں کو چن چن کر مارا۔ ان مارے جانے والوں یا سائبیریا بدر کئے جانے والوں میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی تھی۔ ان بیگار کیمپوں میں مارے جانے والوں کی تعداد دس کروڑ کے قریب بیان کی جاتی ہے جو یہودیوں کی اس تعداد سے کہیں کم ہے جو نازی جرمنی میں مارے گئے۔ یہودی جرمن ہولوکاسٹ کا اتنا شور مچاتے ہیں تو روسی ہولوکاسٹ کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی سربراہی یہودی کر رہے تھے؟

1991 میں سیاسی ٹھنسن اور معاشی بد حالی کے خلاف انھنے والی عوامی بغاوت اور انسانی رد عمل کے نتیجہ میں کمیونسٹوں کا بنایا ہوا نظام داخلی انتشار کا شکار ہو کر بکھر گیا۔ 6 نومبر 1991 کو روس کے اندر کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ایک بڑی عوامی بغاوت اور انسانی رد عمل کے نتیجہ میں کمیونسٹوں کا بنایا سوویت یونین 26 دسمبر 1991 کو نوٹ کر چندرہ حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

امریکی خانہ جنگی اور ابراہیم لنکن کا قتل

امریکہ ایک ابھرتی ہوئی عالمی طاقت تھی اور وہاں پر بڑی غالب اکثریت عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی تھی۔ عالمی صیہونی سرمایہ داروں کو اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ اگر یورپ سے باہر امریکہ جیسی بڑے وسائل کی مالک ایک عیسائی ریاست وجود میں آگئی تو اس کی عالمی بادشاہت کیلئے خطرے کی گھنٹی بج سکتی ہے۔ اس خطرہ سے نمٹنے کیلئے عالمی سرمایہ دار صیہونیت نے ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت امریکہ کو دو متضادم ممالک میں تقسیم کرنے کی سازش کی۔ اس مقصد کیلئے امریکہ کی جنوبی ریاستوں کو مرکزی

حکومت کے خلاف بھڑکایا گیا اور وہاں ایک خون ریز خانہ جنگی شروع کروائی گئی جو تقریباً چار سال تک جاری رہی۔ یہودیوں نے اس خانہ جنگی کو طول دینے کیلئے دونوں فریقوں کے اندر اپنے ایجنٹ داخل کر دیئے تاکہ خانہ جنگی کی آگ بجھنے نہ پائے۔ اس ساری سازش کے پیچھے روتھسا نلڈ اور اس کے گماشتے تھے۔

امریکی مرکزی حکومت اس سازش سے آگاہ تھی۔ ابراہیم لنکن کو معلوم ہوا کہ روتھسا نلڈ خاندان اور روسی زاروں کے درمیان روس کے اندر بنک قائم کرنے کے معاملہ پر ان بن ہو گئی ہے (روتھسا نلڈ روس کے اندر اپنا بڑا مرکزی بنک قائم کر کے وہاں سرمایہ کی منڈی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جس کی زاروں نے اجازت نہ دی۔ اس بنا پر روتھسا نلڈ اور زاروں کے درمیان ان بن تھی)۔ ادھر امریکہ کی مرکزی حکومت نے جنوبی ریاستوں کی باغی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اس پر روتھسا نلڈ خاندان نے فرانس اور برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ امریکی مرکزی حکومت کے خلاف جنوبی ریاستوں کی امداد کیلئے جدید اسلحہ سے لیس فوج روانہ کریں۔ ان حالات کے اندر ابراہیم لنکن نے روس کے زاروں سے رابطہ کیا۔ زاروں نے اپنا بحری بیڑہ سان فرانسسکو کے ساحلوں کے قریب متعین کر دیا اور اعلان کر دیا کہ فرانس اور برطانیہ کی جانب سے امریکہ خانہ جنگی کے اندر مداخلت روس کے خلاف اعلان جنگ کبھی جائزگی۔ نتیجہ کے طور پر روتھسا نلڈ گروہ کی سازشوں پر پانی پھر گیا۔ چنانچہ امریکی صدر ابراہیم لنکن کے ساتھ روتھسا نلڈ خاندان کی عداوت کی مندرجہ ذیل دو جوہات تھیں:

1- اس نے روتھسا نلڈ خاندان اور اس کے ایجنٹوں کو امریکہ کے اندر سنٹرل بنک قائم کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ابراہیم لنکن نے روتھسا نلڈ کے بنکوں سے بھاری شرح سود (جو کہ بچیس سے تیس فیصد سالانہ تھا) پر قرضہ لینے کی بجائے امریکی محکمہ خزانہ کی جانب سے کرنسی نوٹ جاری کر دیئے اور یوں نہ صرف روتھسلیڈ بنکاری کو شدید نقصان پہنچایا بلکہ اس کی امریکہ کے اندر مالیاتی اجارہ داری کو بھی کمزور کر دیا۔

2- ابراہیم لنکن نے روتھسا نلڈ کی جانب سے شمالی اور جنوبی ریاستوں کے درمیان بھڑکائی جانے والی خانہ جنگی کو کامیابی کے ساتھ ختم کر دیا اور روتھسا نلڈ کی خواہشات کے برعکس امریکہ کو ایک مضبوط عالمی طاقت میں تبدیل کر دیا جبکہ روتھسا نلڈ طاقت کا محور یورپ کے اندر ہی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ روتھسا نلڈ خاندان کی ایک سوانحری کے اندر اس بات کی نشاندہی ملتی ہے کہ بین الاقوامی جنگ سنگین (روتھسا نلڈ گروپ) نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ”تقسیم کر دیا اور قابو میں لاؤ“ کی حکمت عملی کے تحت شمالی اور جنوبی ریاستوں میں تقسیم کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ جرمن سیاسی جھکیں ہسٹارک نے امریکی خانہ جنگی کو

روٹھسائلڈ خاندان کی سازش قرار دیا تھا۔ اس نے کہا:

"The division of the United States into federations of equal force was decided long before the Civil War. These bankers were afraid that the United States would upset their financial domination over the world. The voice of the Rothschilds prevailed."

ترجمہ: "ریاستہائے متحدہ امریکہ کو دو برابر کی فیڈریشنوں میں تقسیم کرنے کے فیصلہ بہت پہلے ہو چکا تھا۔ یہ بنگار اس بات سے خوفزدہ تھے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ ان کی بین الاقوامی مالیاتی اجارہ داری کو ختم کر سکتا ہے۔ چنانچہ روٹھسائلڈ خانہ جنگی کروانے میں کامیاب ہو گیا۔"

عظیم جرمن سیاسی جینئرس اور جرمن چانسلر اوٹو وان بسمارک نے 1876 میں امریکی خانہ جنگی پر یوں تبصرہ کیا:

"The division of the United States into two federations of equal force was decided long before the civil war by the high financial power of Europe. These bankers were afraid that the United States, if they remained in one block and as one nation, would attain economical and financial independence, which would upset their financial domination over the world. The voice of the Rothschilds predominated."

They foresaw the tremendous booty if they could substitute two feeble democracies, indebted to the financiers, to the vigorous Republic, confident and self-providing. Therefore they started their emissaries in order to exploit the question of slavery and thus dig an abyss between the two parts of the Republic."

ترجمہ: "یورپ کی بڑی مالیاتی قوت نے امریکی خانہ جنگی شروع کروانے سے بہت پہلے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو دو برابر طاقت رکھنے والی فیڈریشنز میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ عالمی ساہوکار اس بات سے خوفزدہ تھے کہ اگر ریاستہائے متحدہ امریکہ ایک ہی ملک، بلاک اور ایک ہی قوم بن رہتا ہے تو وہ معاشی اور مالیاتی آزادی حاصل کر لے گا جو کہ ان کی عالمی اجارہ داری کیلئے ایک خطرہ ہوگا۔"

روٹھسائلڈ یہ خانہ جنگی کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ عالمی ساہوکار یہ سمجھتے تھے کہ ایک خود اعتماد اور باوقار فیڈریشن کے مقابلہ میں دو کمزور فیڈریشنز بہت جلد ان کی مقروض ہو جائیگی اور اس سے انہیں بے پناہ مالی مفادات حاصل ہونگے۔ لہذا ان عالمی ساہوکاروں نے اپنے گماشتوں کے ذریعہ غلامی کے ایٹھ کو ابھارنا شروع کر دیا اور اس طرح ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دو حصوں کے درمیان ایک گہرا جحراں پیدا کر دیا۔

ابراہیم لنکن کے قتل کا فوری سبب پرائیویٹ بنکاری کا ایک بل بھی تھا۔ ابراہیم لنکن نے اپنی انتخابی مہم میں عوام الناس سے اس بات کا حلیہ وعدہ کیا تھا کہ وہ جیتنے کے بعد نیشنل بینکنگ ایکٹ 1863 کو منسوخ کر دیگا۔ اس ایکٹ کے ذریعہ پرائیویٹ بنکاری کی اجازت دی گئی تھی۔ اس قانون سازی کے ذریعہ پرائیویٹ بنکاری کے ذریعہ امریکی دولت پر اجارہ داری حاصل کی گئی تھی۔ اس قانون کے بڑے مفاد کنندہ مارگن خاندان اور ان کا مالیاتی سرپرست روٹھسائلڈ خاندان تھا۔ اپنے وعدہ کے مطابق امریکی صدر ابراہیم لنکن نے اس ایکٹ کی منسوخ کرنے کیلئے اپنا ہوم ورک مکمل کر لیا تھا۔ عالمی سرمایہ دار گروہ نے ابراہیم لنکن کو اس ایکٹ کی منسوخی سے باز رکھنے کی ہر ممکنہ کوشش کی مگر ناکام رہے۔ روٹھسائلڈ کا نمائندہ خاص سلمان روٹھسائلڈ (Salmon Rothschild) ذاتی طور پر ابراہیم لنکن سے ملا مگر مایوس لوٹا۔ بعد ازیں اس نے امریکی صدر کے بارے میں یہ توہین آمیز ریمارکس دیئے:

"He rejects all forms of compromise. He has the appearance of a

peasant and can only tell barroom stories "

ترجمہ: "وہ کسی قسم کی مصلحت کیلئے تیار نہیں ہے۔ وہ شکل کے اعتبار سے ایک گنوار کسان لگتا ہے جو صرف شراب خانہ کی کہانیاں سنانے کیلئے موزوں ہے۔"

اس کے فوری بعد جان ولکس بوتھ (John Wilkes Booth) نامی ایک کرائے کے قاتل نے اس عظیم امریکی صدر کو 14 اپریل 1865 کو فورڈ تھیٹر واشنگٹن ڈسٹرکٹ آف کولمبیا میں قتل کر دیا۔ اس سے پہلے سازشیوں کے گروہ نے ابراہیم لنکن کو زندہ اغوا کرنے کی کوشش کی (شائد وہ اسے تشدد کا نشانہ بنانا چاہتے تھے یا کچھ کاغذات پر دستخط کروانا چاہتے تھے)۔ اغوا میں ناکامی کے بعد دوسرے آپشن کو استعمال کرتے ہوئے اسے صدارتی سیکورٹی کے اندر قتل کر دیا گیا۔ ابراہیم لنکن کی پوتی نے واشنگٹن الفاظ میں اس قتل کا ذمہ دار قاتل بوتھ کے پراسرار یورپین بنکاروں (روٹھسائلڈ خاندان) کے ساتھ درون، خانہ رابلوں کو قرار دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک خفیہ تنظیم "نائٹس آف دی گولڈن سرکل" Knights of the Golden Circle-- KGC) کو اس سازش میں رابلوں کی کڑی قرار دیا گیا۔ لیکن اس سازش کی کڑیاں امریکی

تحقیقاتی اداروں نے کبھی بھی مکمل نہ کیوں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ہیروامریکی مفادات کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو گیا۔ امریکی حکومت نے قاتلوں سے سمجھوتہ کر لیا اور ابراہیم لنکن کا خون رائیگاں چلا گیا۔

ٹائی ٹینک (Titanic) کے ڈوبنے کا واقعہ اور امریکی فیڈرل ریزرو پر روتھسائلڈ گروہ کا قبضہ

15 اپریل 1912 کو بحر اوقیانوس کے اندر ٹائی ٹینک جہاز کے ڈوبنے کا حادثہ پیش آیا اس پر 2224 مسافر سوار تھے۔ ان میں سے 1513 ڈوب گئے اور 711 جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ بحری جہازوں کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا واقعہ ہے۔ اپنی ساخت کے اعتبار سے یہ دنیا کا مضبوط ترین اور قیمتی ترین جہاز تھا۔ اس جہاز کے ڈوبنے کی وجہ اس کا ایک آئس برگ سے ٹکرانا بتائی گئی؟ سوال یہ ہے کہ کیا کسی بحری جہاز کے سمندر کے اندر تیرتے کسی آئس برگ کے ساتھ ٹکرانے سے اتنی بڑے مضبوط جہاز کی اتنی بڑی تباہی کبھی ممکن ہوئی ہے یا ہو سکتی ہے؟ کیا یہ محض حادثہ تھا یا کسی خفیہ گروہ کی کارروائی؟

ان سوالات کا جواب اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ اس جہاز پر تین ایسی شخصیات سوار تھیں جو روتھسائلڈ کے تجویز کردہ امریکی فیڈرل ریزرو کی مخالفت کر رہی تھیں۔ دو تینوں شخصیات اس جہاز کے اندر ڈوب گئیں اور اب روتھسائلڈ اور اسکے گروہ کی ”امریکی فیڈرل ریزرو“ کیلئے کی جانے والی منصوبہ بندی کی مخالفت کرنے والا کوئی نہ رہا تھا۔ میدان صاف ہو چکا تھا۔ اسی فیڈرل ریزرو کے ذریعہ روتھسائلڈ گروپ نے امریکہ کی معیشت کو اپنا نیرغمالی بنایا۔

یہ جہاز جے پی مارگن کمپنی کی ملکیت تھا جو کہ امریکہ میں روتھسائلڈ کا سب سے بڑا دلال ہے۔ کمپنی نے اس جہاز کی پانچ ملین امریکی ڈالر میں لندن کے ایک بڑے سنڈیکیٹ گروپ سے انشورنس کروا رکھی تھی۔ جہاز کے ڈوبنے کے بعد جہاز اور دیگر نقصان کی شکل میں ساڑھے بارہ ملین امریکی ڈالر انشورنس وصول کی گئی۔ اسی جہاز پر اس نے بھی سیٹ ریزرو کروائی ہوئی تھی لیکن بالکل آخری وقت میں وہ جہاز پر سوار نہ ہوا جس سے یہ شبہ تقویت پکڑتا ہے کہ اس کو اس حادثہ کا پہلے سے علم تھا اور فیڈرل ریزرو کے تینوں بڑے مخالفین کو اس نے کسی سازش یا میننگ کے بہانے اس جہاز پر سوار کروایا تھا بچ جانے والے موقع کے شاہدین اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس بد قسمت جہاز سے چند میل کے فاصلہ پر ایک سب میرین سمندر میں موجود کچھ وقت کیلئے وہاں رکی اس جہاز کی تباہی کا منظر دیکھتی رہی مگر اسکی مدد کو نہیں پہنچی۔ غالباً یہی وہ سب میرین تھی جس نے تاریخ و مارکر اس جہاز کو تباہ کیا اور اس کے پیچھے دو لوگ تھے جو اپنے

مخالفین کو ٹھکانے لگا کر امریکی فیڈرل ریزرو پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور اس واقع سے تقریباً سو سال بعد 23 دسمبر 1913 کو وہ اپنی مرضی کے مطابق فیڈرل ریزرو بنانے میں کامیاب ہو گئے اور منصوبہ کے مطابق فیڈرل ریزرو پر روٹھسائلڈ گروپ کا قبضہ ہو گیا۔ اس جہاز میں مرنے والی وہ تینوں شخصیات مشہور بزنس مین جان جیکب آسٹر (John Jacob Astor) کان کنی کی دنیا کا مشہور نام، بنجامن گوگن ہیمل (Benjamin Guggenheim) اور بڑا بزنس مین ایڈورسٹراس (Isidor Straus) تھیں۔ ان کے مرنے کے بعد روٹھسائلڈ گروپ کیلئے میدان صاف تھا۔ ویسے بھی دوسرے مخالفین کو دھمکانے اور خاموش کرنے کیلئے یہ مثال کافی تھی۔ امریکہ کے اندر اب یہی پرائیویٹ گروپ امریکی فیڈرل ریزرو کا مالک ہے۔ اب امریکی حکومت کی بجائے یہ ادارہ امریکی کرنسی چھاپنے کا واحد اختیار رکھتا ہے۔

امریکی صدر جان ایف کینیڈی نے فیڈرل ریزرو اور کرنسی چھاپنے کے اختیار کو امریکی حکومت ٹریژری ڈیپارٹمنٹ کے تحت لانے کی کوشش کی تو اسے دن دیہاڑے 22 نومبر 1963 کو قتل کر دیا گیا اور اس کے قاتلوں کا آج تک سراغ نہیں ملا۔ سوال یہ ہے کہ وہ اتنا طاقتور کون تھا جو اتنی بڑی سیکورٹی کی موجودگی میں امریکی صدر کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا اس کا خون ہضم بھی کر گیا؟

فیڈرل ریزرو ایک پرائیویٹ کمپنی ہے۔ نہ یہ امریکی حکومت کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی ریزرو فنڈز ہیں۔ اس کے پاس صرف امریکی کرنسی چھاپنے کا لائسنس ہے۔ یہ اپنی مشینوں پر امریکی کرنسی چھاپ کر امریکی حکومت کو سود پر رقم مہیا کرتی ہے اور تقریباً ایک سو پچاس بلین امریکی ڈالر سالانہ کا امریکی حکومت سے سود وصول کرتی ہے۔ اس کمپنی نے نہ تو کبھی اپنی سالانہ بیلنس شیٹ شائع کی ہے اور نہ کبھی اپنے ٹیکس گوشوارے جمع کروائے ہیں۔ فیڈرل ریزرو ایکٹ 1913 کے امریکی قانون ساز ادارے سے منظور کئے جانے کے بعد امریکی کانگریس کے ممبر چارلس لنڈ برگ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"The Act establishes the most gigantic trust on earth. When the President signs this Bill, the invisible government of the monetary power will be legalized The greatest crime of the ages is perpetrated by this banking and currency bill."

ترجمہ: "اس ایکٹ کے ذریعہ دنیا کا سب سے بڑا ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے۔ جب امریکی صدر اس بل پر دستخط کریگا تو ایک نادیدہ مالیاتی حکومت وجود میں آ جائیگی۔ اس بنکاری اور کرنسی بل کے ذریعہ دنیا کا سب سے بڑا جرم وقوع پذیر ہونے جا رہا ہے۔"

امریکی صدر جان ایف کینیڈی کا قتل

جان ایف کینیڈی کے تین بڑے دشمن تھے:

1- امریکہ کی کرنسی چھاپنے کا اختیار امریکی فیڈرل ریزرو کے پاس ہے جسے امریکہ کے بارہ بینک کنٹرول کرتے ہیں اور ان کے پیچھے روٹھسا نلڈ کی چھتری ہے۔ جان ایف کینیڈی نے امریکی ریزرو سے کرنسی چھاپنے کے اختیارات لیکر گورنمنٹ نریٹری کو دینے کیلئے عملی اقدامات شروع کئے۔ جس کی وجہ سے روٹھسا نلڈ گروہ جان ایف کینیڈی کی جان کا دشمن بن گیا۔

2- جان ایف کینیڈی روس کے ساتھ تعلقات نارمل کرنا چاہتا تھا اور ویتنام کی جنگ سے باہر نکلنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اسلحہ ساز کمپنیاں اس کے خلاف ہو گئیں۔ وہ اسلحہ ساز کمپنیاں بھی انہی عالمی سرمایہ داروں کی ملکیت تھیں۔

3- جان ایف کینیڈی مشرق وسطیٰ کے اندر اسرائیلی جارحیت کی ”حد بندیاں“ مقرر کرنا چاہتا تھا تاکہ عالم اسلام کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کئے جاسکیں۔ جان ایف کینیڈی کے قتل کی ایک وجہ اس کی اسرائیلی ایٹمی پروگرام کی مخالفت بھی تھی۔ اس کے قتل میں اسرائیلی ماساد کے ملوث ہونے کے اشارے بھی ملتے ہیں اور بہت سے تجزیہ نگاروں نے اس جانب واضح اشارے کئے ہیں۔

یہی وہ وجوہات تھیں جنکی بنا پر 22 نومبر 1963 کو سر عام دن کے سوا ایک بجے پوری صدارتی سیکورٹی کی موجودگی میں ڈیلس (شکاگو) کے اندر ایک بڑے جلوس کی موجودگی میں اسے دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا اور اس کا قاتل موقع سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ چند گھنٹوں کے بعد لی ہاروی اوسوالڈ (Lee Harvey Oswald) نامی شخص کو ایک قریبی تھیٹر سے گرفتار کیا گیا۔ اس نے اس قتل میں ملوث ہونے سے صاف انکار کیا۔ اس کے محض دو دن بعد پولیس کے تسلیم شدہ مجرم جیک روبی (Jack Ruby) نامی شخص نے پولیس کی انتہائی سخت نگرانی میں پولیس کی بے سمنٹ (Basement) کے اندر داخل ہو کر لی ہاروی اوسوالڈ کو بھی قتل کر دیا۔ جیک ہاروی پولیس کا مجرم اور مقامی مافیا کا تسلیم شدہ رکن تھا۔ اس نے لی ہاروی اوسوالڈ کو قتل کرتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ قابل غور ہیں۔ اسنے کہا:

“You guys,” meaning the police, “couldn't do it. I did it for you. I had to

show that a Jew has guts. I'm happy that I got him.”

ترجمہ: ”تم پولیس والے کچھ بھی نہ کر سکے۔ میں نے یہ کام کر دکھایا۔ میں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ یہودی

بھی بہادر ہوتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ میں نے یہ کام کر دکھایا۔“

اس میں کسی بھی تفتیش کار کیلئے یہ سوال بہت اہم ہے کہ لی ہاروی کے قاتل نے یہ اعلان کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی کہ وہ ایک یہودی ہے؟ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ امریکی عوام کے غیض و غضب کی توجہ یہودی کمیونٹی کی طرف سے ہٹانا تھا کیونکہ صدر کینیڈی ایک بہت ہی ہر دلعزیز عوامی نمائندہ تھا اور قتل کا شبہ براہ راست یہودی بینکاروں پر کیا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ اس بڑی سازش کے نشانات مٹانے کیلئے کیا جا رہا تھا جس کے آخری سرے پر عالمی بنکار بیٹھے ہوئے تھے۔ اس قتل میں یہودی بینکاروں کے ملوث ہونے کا یہ ایک بہت بڑا ثبوت تھا۔ یہ بات بھی ریکارڈ کا حصہ ہے مقامی مافیا کے بڑے سرغنہ سام اور کیمپسی (Sam and Joe Campisi) جیل میں جا کر تنہائی کے اندر اس سے ملاقاتیں کرتے رہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک بڑے گروہ کا حصہ تھا اور اسکی خدمات کرایہ پر حاصل کی گئی تھیں۔ دوسرا بڑا ثبوت خود جیک روبی کا پولیس کے سامنے دیا گیا بیان ہے جس میں اسنے کہا:

"Everything pertaining to what's happening has never come to the surface. The world will never know the true facts of what occurred, my motives."

ترجمہ: "جو کچھ حقیقت میں ہوا وہ کبھی بھی منظر عام پر نہیں آئے گا۔ دنیا اس بارے میں کبھی بھی نہیں جان سکے گی کہ حقیقت میں کیا ہوا اور اس قتل کے پیچھے اصل غرض و غایت کیا تھی۔"

جیک روبی کو ٹرائل کورٹ سے سزائے موت سنائی گئی مگر اپیل کے اندر یہ سزا ختم کر کے دوبارہ ٹرائل کا حکم دیا گیا۔ اسی دوران اسکا انتقال ہو گیا اور یوں امریکی صدر کے قتل کی یہ کہانی ہمیشہ کیلئے دفن ہو گئی۔ قتل کی تفتیش کیلئے جو کمیٹی بنائی گئی اس میں قتل کے اندر مشتبہ افراد جیسے سی آئی اے کا سابقہ ڈائریکٹر ایلن ڈیلس (Allen Dulles) شامل کئے گئے اور وہ تفتیش کاغذوں کے ڈھیر تلے دب گئی۔ لیکن امریکی عوام کا یہ سوال اب بھی قائم ہے کہ اتنی بڑی سیکورٹی کے اندر قاتل امریکی صدر کو قتل کرنے میں کیسے کامیاب ہوا؟ اسکا قاتل موقع سے کیسے فرار ہو گیا؟ اور بعد ازیں پولیس حفاظت کے کڑے پہرہ میں اسے کیسے قتل کر دیا گیا؟

1978 میں ہاؤس کی ایک "سیلکٹ کمیٹی" نے اس قتل کو ایک سازش قرار دیا اور کہا:

"Kennedy was probably assassinated as a result of a conspiracy"

ترجمہ: "کینیڈی کو غالباً ایک سازش کے تحت قتل کیا گیا۔"

جان ایف کینیڈی کی بیوی "Jacqueline Lee "Jackie" Kennedy" نے مصنف اے۔ جے

وہبرمین (A.J. Weberman) سے کہا:

"The answer to the Kennedy assassination is with the Federal Reserve Bank. Don't underestimate that. It's wrong to blame it on Angleton and the CIA per se only. This is only one finger on the same hand. The people who supply the money are above the CIA".

ترجمہ: "کینیڈی کے قتل کے ذمہ دار فیڈرل ریزرو بینک کے مالکان ہیں۔ آپ فیڈرل ریزرو کو اس قتل کے عوامل میں نظر انداز مت کریں۔ اس قتل کی ذمہ داری صرف اینگلٹن اور سی آئی اے پر ڈالنا ایک غلطی ہوگی۔ یہ ایجنسیاں تو پورے سازشی ہاتھ میں صرف ایک انگلی کی مانند ہیں۔ اس قتل کیلئے سرمایہ فراہم کرنے والے لوگ سی آئی اے سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔"

تجزیہ نگاروں کی رائے میں کینیڈی کی قسمت کا اسی وقت فیصلہ ہو گیا تھا جب 1963 میں اس نے امریکی ٹریڈری ڈیپارٹمنٹ کو پرائیویٹ فیڈرل ریزرو کی طاقت کم کرنے کیلئے چار بلین ڈالر سے زائد کے ٹریڈری بانڈ جاری کرنے کا اختیار دے دیا۔

کینیڈی کے قتل میں ایک اہم عنصر اسکی جانب سے اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت بھی تھی جسکی وجہ سے عالمی صیہونیت اس کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔ جان ایف کینیڈی کے بھائی رابرٹ ایف کینیڈی کا اپنے بھائی کے ساتھ بڑا اسی جذباتی لگاؤ تھا۔ وہ 1968 میں ڈیموکریٹک پارٹی کی جانب سے صدارت کا امیدوار تھا۔ اسے بھی 6 جون 1968 کو لاس اینجلس (کیلیفورنیا) کے لہ ہسپتال کے اندر ہونل سیکورٹی اور ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا۔ وہ امریکہ کا سابقہ انارنی جنرل اور نیویارک سے سینٹ کامبر تھا۔ اس قتل کے پیچھے بھی قاتلوں کا وہی گروہ تھا جس نے جان ایف کینیڈی کو قتل کروایا تھا۔ اسے بھی کرایہ کے قاتل کے ذریعہ قتل کیا گیا اور ظاہر یہ کیا گیا کہ اسے کسی اسرائیل کے دشمن نے قتل کیا ہے۔ اسکا بھی صاف مطلب امریکی عوام کی یہودی سرمایہ داروں کے خلاف نفرت کا رخ موڑنا تھا ورنہ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ جان ایف کینیڈی اور رابرٹ ایف کینیڈی دونوں بھائی اسرائیل اور عالمی صیہونی سرمایہ داروں کے شدید مخالفین میں سے تھے۔

اسرائیل کی تشکیل

اسرائیل کی تشکیل روٹھسائمنڈ خاندان کی کوششوں سے ممکن ہوئی۔ اس کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں اس خاندان نے برطانوی حکومت سے ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ اگر جنگ کے بعد یہودی

ریاست اسرائیل کی تشکیل میں برطانوی حکومت امداد کرے تو وہ اتحادیوں کی امداد کیلئے امریکہ کو اس جنگ میں شامل کروا سکتا ہے۔ روتھسائلڈ نے امریکہ کے اندر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے امریکہ کو جرمنی کے خلاف اس جنگ کا حصہ بنادیا۔ برطانوی حکومت اور روتھسائلڈ خاندان کے درمیان درپردہ ہونیوالے اس معاہدہ کی روشنی میں برطانیہ نے اسرائیل کی تشکیل کا وعدہ پورا کیا۔ اس سلسلہ میں برطانوی سیکرٹری خارجہ آر تھرجیز بالفور کی جانب سے لارڈ روتھسائلڈ 2 کے نام مورخہ 2 نومبر 1917 کو لکھا جانے والا خط (جسے عام طور پر ”بالفور ڈیکلیریشن“ Balfour Declaration کا نام دیا جاتا ہے) بطور ثبوت پیش خدمت ہے:

Foreign Office November 2nd, 1917

Dear Lord Rothschild,

I have much pleasure in conveying to you, on behalf of His Majesty's Government, the following declaration of sympathy with Jewish Zionist aspirations which has been submitted to, and approved by, the Cabinet.

His Majesty's Government view with favour the establishment in Palestine of a national home for the Jewish people, and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which may prejudice the civil and religious rights of existing non-Jewish communities in Palestine, or the rights and political status enjoyed by Jews in any other country.

I should be grateful if you would bring this declaration to the knowledge of the Zionist Federation.

Yours sincerely,

Arthur James Balfour

ترجمہ: ”دفتر خارجہ، 2 نومبر 1917

ڈیئر لارڈ روتھسائلڈ،

مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے از حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہر یجسٹی کی حکومت نے، بعد از

منظوری کیبئنٹ، یہودی صیہونی خواہشات کے ساتھ درج ذیل ہمدردانہ ڈیکلیریشن کی منظوری دی ہے۔
ہز میجسٹی کی حکومت فلسطین کے اندر یہودیوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے قیام کی حمایت کرتی ہے اور
اس مقصد کے حصول کیلئے اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لائے گی۔ تاہم اس سے فلسطین کے اندر پہلے
سے آباد غیر یہودی لوگوں کے قانونی اور مذہبی حقوق پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ اسی طرح دیگر ممالک کے اندر
یہودیوں کو حاصل سیاسی حقوق بھی اس سے متاثر نہیں ہونگے۔

اگر آپ اس ڈیکلیریشن کو صیہونی فیڈریشن کے علم میں لے آئیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔
آپ کا مخلص

آرتھر جیمز بالفور

دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ خاندان عالمی سیاست میں کس قدر طاقت کا مالک ہے کہ یہ ملکوں کی حد
بندیاں تک تبدیل کروانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ روٹھیلڈ خاندان کے دباؤ کے سامنے برطانوی حکومت
جھک گئی اور اس نے فلسطین کے اندر یہودیوں کیلئے ایک الگ وطن (اسرائیل) کے قیام کی منظوری دیدی۔
ایک بڑی بین الاقوامی واردات کے ذریعہ فلسطین مسلمانوں سے چھین لیا گیا اور لاکھوں مسلمان فلسطینیوں کو
ان کے گھروں سے نکال کر بے وطن کر دیا گیا۔ ان کے بچوں کو مارا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور
انہیں تاریخ کے بدترین اذیت کدوں میں دھکیل دیا گیا۔ ایک عالمی شب خون کے نتیجہ میں مسلمانوں سے انکا
فلسطین چوری کر لیا گیا۔

کلب آف آئلز (Club of Isles)

یہ کلب روٹھسا کلمڈ اور اسکے ہمراہیوں کی ذہنی پیداوار ہے۔ چونکہ یہ غیر رجسٹری شدہ کلب ہے لہذا اس
کے ممبران کی صحیح تعداد کے بارے میں زیادہ معلومات نہ ہیں تاہم اس کے ممبران کی تعداد چند درجن بڑے
سرمایہ دار گروہوں اور ان کی کمپنیوں سے زیادہ نہ ہے۔ لیکن یہ وہ کمپنیاں ہیں جو پوری دنیا کے مالیاتی نظام
زر، خوراک، تیل، اسلحہ، فارماسیوٹیکل انڈسٹری، ذرائع رسل و وسائل اور قیمتی معدنیات کو کنٹرول کرتی ہیں۔
اگرچہ یہ کلب صیہونی اختراع ہے مگر اس میں یورپ کے بڑے عیسائی خاندانوں، بشمول برطانیہ کا شاہی
خاندان کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ ایک مشترکہ قسم کا پلیٹ فارم ہے جس سے روٹھیلڈ گروہ دو مقاصد حاصل کرنا
چاہتا ہے۔ ایک تو وہ اپنے آپکو کیو فلاج کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ”عالمی سرمایہ داری“ پر صرف
یہودیوں کا قبضہ نہیں ہے بلکہ ”عالمی سرمایہ داری“ بلا امتیاز مذہب دنیا کے طاقتور لوگوں کی مشترکہ ملکیت
ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے صیہونی گروہ عیسائی مذہب کے بڑے خاندانوں کے ساتھ سماجی اور معاشی راہ

درسم بڑھا کر کسی آنیوالے ”صیہونی دشمن“ خطرات کا مقابلہ کرنے کیلئے ان مراسم کو استعمال کر سکے۔ یہ کلب دنیا کی ساری تجارت بشمول انشورنس، خام مال، قیمتی معدنیات، فارماسیوٹیکل انڈسٹری، خوراک، تیل، ذرائع رسل و رسائل، ریشیل گروپ، کوموڈٹی مارکیٹ، میڈیا، سیاستدان، خفیہ ایجنسیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس کلب کے ایجنڈا کی ایک اہم آئٹم دنیا کی آبادی کم کر کے اسے ایک ارب سے نیچے لانا ہے۔ جارج سوروس جیسے بڑے سٹ باز اس گروہ کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ دنیا سب سے بڑے سرمایہ دار خاندانوں کا کلب ہے۔ اس کے ممبران کے اثاثوں کی مالیت 10 ٹریلیئن ڈالر بیان کی جاتی ہے۔ روتھسائلڈ اور بڑے یورپی شاہی خاندان اس کے ممبر ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے بڑے ملٹی نیشنل ادارے اس کے ممبران میں شامل ہیں۔ اس کے ممبران کی مختصر فہرست میں درج ذیل نام شامل ہیں (آسانی کیلئے نام انگریزی زبان میں دیئے جا رہے ہیں):

Royal Dutch Shell, Imperial Chemical Industries, Lloyds of London, Unilever, Barclays, Lonrho, Rio Tinto Zinc, BHP Billiton and Anglo American DeBeers, Bank of England, SmithKline Beecham, General Electric, Lonrho, HSBC, and BHP Billiton.

اسی کے تسلسل میں درج ذیل ادارے بھی اس کلب کے ساتھ منسلک ہیں:

The Bank of England, Anglo-American Corp of South Africa, Rio Tinto, De Beers Consolidated Mines and De Beers Centenary AG, N.M. Rothschild Bank, Barclays Bank, Lloyds Bank, Midland Bank, National Westminster Bank, Barings Bank, Schroders Bank, Standard Chartered Bank, Hambros Bank, S. G. Warburg, Toronto Dominion Bank, Lazard Brothers, Lonrho, J. P. Morgan and Co, British Petroleum, Shell and Royal Dutch Petroleum, General Electric, HSBS Holdings (Hong Kong and Shanghai Bank), Imperial Chemical Industries, ING Group, Jardine Matheson, Peninsular and Oriental Steam Navigation Co, Reuters, GlaxoSmithKline, Unilever, Vickers.

ماحولیات سے متعلقہ ”ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ“، ”گرین پیس“، ”فرینڈز آف اর্থ“، ”سارہ کلب۔ Sierra Club“، ”ارتھ فرسٹ“، ”سی شیپارڈ... (See Shepard)“، ”رین فاریسٹ ایکشن

نیٹ ورک۔۔۔ (Rainforest Action Network) بھی اسی کلب کے زیر سایہ کام کرتے ہیں۔ اس کلب کے ممبران دنیا کی دولت، پٹرولیم، سونا، ہیرے جوہرات اور دنیا کی قیمتی ترین معدنیات کے مالک ہیں۔

بینک آف سیٹلمنٹس (Bank of Settlements -- BIS)

بینک آف سیٹلمنٹس (Bank of Settlements--BIS) عالمی ساہوکاروں نے 1930 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر ہسٹل (Basel) میں قائم کیا۔ یہ ایک عالمی بینک ہے اور دنیا کے ”مرکزی بینکوں کا بینک“ ہے۔ دنیا کے تمام ممالک (ماسوائے ایران، شمالی کوریا، شام اور کیوبا) کے مرکزی بینک اس کے ممبر ہیں۔ قبل ازیں افغانستان بھی اس کا ممبر نہ تھا مگر 2001 میں امریکہ کے افغانستان پر قبضہ کے بعد اسکو بھی اس ادارہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

یہ بینک مرکزی سطح پر تمام دنیا کی مالیاتی اور نظام زر کی پالیسیوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کا کام مختلف ممالک کو قرضے جاری کرنا، ان کی کرنسی کی قدر کا تعین کرنا اور ”مالیاتی استحکام“ کے نام پر ان کی معیشت کو ایک ”سنٹریلائزڈ میکانزم“ کے تحت عالمی معیشت کے ساتھ نتھی کرنا ہے۔

اس وقت اس بینک کا بورڈ آف ڈائریکٹرز اٹھارہ ممبران پر مشتمل ہے اس میں سے سات مستقل طور پر اس کے ممبر ہیں جو امریکہ، فرانس، برطانیہ، جرمنی، بلجیم اور اٹلی کے بینکوں سے لئے جاتے ہیں (جو کہ روٹھسائلڈ خاندان کی ملکیت میں ہیں)۔ بقیہ گیارہ ممبران مختلف ممالک کے مرکزی بینکوں کے نمائندگان میں سے منتخب کرنے ہوتے ہیں۔ سلامتی کونسل کی طرز پر یہ ممبران بھی مستقل ممبران کی مرضی کے بغیر منتخب نہیں ہو سکتے۔ اس وقت اٹھارہ میں سے گیارہ ممبران شمالی امریکہ اور یورپ سے ہیں اور صرف سات دیگر ممالک سے ہیں۔ اس طرح دنیا کے مالیاتی نظام زر پر روٹھسائلڈ کی بینکوں کی اجارہ داری ہے۔ چیزوں کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ عملی طور پر اس ”مرکزی بینکوں کے بینک“ پر مندرجہ ذیل آٹھ بینکوں کا قبضہ ہے:

Federal Reserve 1) Bank of England; 2) Federal Reserve of America; 3)

Bank of Italy; 4) Bank of Canada; 5) Swiss National Bank; 6) Nederland sche

Bank; 7) Bundes bank; 8) Bank of France.

سوائے دنیا کے متذکرہ چار ممالک (ایران، شام، شمالی کوریا اور کیوبا جو کہ اس بینک کے ممبر نہیں ہیں) کے باقی ساری دنیا کے نظام زر سے متعلقہ تمام پالیسیاں یہی عالمی بینک یا دوسرے الفاظ میں صیہونی

روٹھسائڈ گروہ طے کرتا ہے۔ کیروول کیوگلی (Carrol Quigley) نے اپنی کتاب "Tragedy and Hope" میں BIS کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے:-

"BIS was a part of plan to create a world system of financial control in private hands able to dominate the political system of each country and the economy of the world as a whole...to be controlled in a feudalistic fashion by the central banks of the world acting in concert by secret agreements."

ترجمہ: "بنک آف انٹرنیشنل سسٹمز کا قیام اس منصوبہ کا حصہ تھا جس کے تحت پوری دنیا کے مالیاتی نظام کو قبضہ میں لے کر دنیا کے سب ممالک کے سیاسی اور معاشی نظام پر قابض ہونا تھا۔۔۔ یہ قبضہ جاگیردارانہ طرز پر خفیہ طریقے سے دنیا کے مرکزی بنکوں پر قبضہ کے ذریعہ کرنا تھا۔"

روٹھسائڈ گروہ کا بنک آف انٹرنیشنل سسٹمز (Bank of International Investments--BIS) کے ذریعہ دنیا کے تمام مرکزی بینکوں پر کنٹرول ہے۔ روٹھسائڈ کا اپنے پراکسی (Proxy) بینکاروں کے ذریعہ امریکہ کے فیڈرل ریزرو پر قبضہ ہے۔ امریکہ کی کرنسی چھاپنے کا اختیار حکومت امریکہ کے پاس نہیں بلکہ روٹھسائڈ گروپ کے پاس ہے اور یہی سرمایہ دارانہ دنیا کا سب سے بڑا گادھار ہے۔

روٹھسائڈ خاندان لامحدود ذرائع کا مالک بتایا جاتا ہے۔ دولت کا کوہ ہمالیہ روٹھسائڈ خاندان کے پاس ہے باقی سرمایہ دار تو محض چھوٹی گلہریوں کی مانند ہیں جو اس پہاڑ کے دامن میں پناہ لئے پھرتی ہیں۔ روٹھسائڈ کے پاس بنک آف انگلینڈ کے علاوہ بنکوں اور مالیاتی اداروں کی ایک بڑی لمبی قطار ہے جو پوری دنیا کے مالیاتی نظام پر قابض ہے۔ دنیا کے امیر ترین لوگ جیسے بل گینس، وارن بافت اور کارلوں سلم کے پاس مجموعی طور پر 180 بلین ڈالر کے اثاثے ہیں۔ ان کی حیثیت روٹھسائڈ فیملی کے اثاثوں کے سامنے ایک پرکاہ سے زیادہ نہیں ہے۔

دنیا پر اس وقت چند درجن ملٹی نیشنل کارپوریشنز کا قبضہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان کارپوریشنز میں اسلحہ سازی سے لے کر روزمرہ استعمال کی چیزیں، انسانی ادویات سے لے کر لائوسٹاک کے بچاؤ تک کی ادویات، فصلات کی کاشت کیلئے بیجوں سے لے کر ان کی حفاظت تک کے جراثیم کش کیمیکلز غرض ہر چیز پر ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اجارہ داری ایک مسلمہ حقیقت کے روپ میں سامنے آرہی ہے۔ عالمی خوراک پر بھی انہی کارپوریشنز کا قبضہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مقامی کاشتکار اپنی فصلات کی کاشت کیلئے انہی ملٹی نیشنل کارپوریشنز

کے مرہون منت ہیں کہ جس کے بغیر نہ تو ان کی معیشت چل سکتی ہے اور نہ ہی کھانے کیلئے اناج پیدا ہو سکتا ہے۔ دنیا کی بڑی تیل کمپنیاں بھی ان ہی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی ملکیت میں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی ملکیت کس کے پاس ہے؟

دیکھنے میں تو ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی تعداد ہزاروں میں نظر آتی ہے مگر حقیقت میں یہ محض فریب نظر ہے۔ حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق یہ تہہ در تہہ ملکیتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ اصل میں ان تمام بڑی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے مالکان کی کل تعداد تیرہ سو اٹھارہ ہے اور وہ پھر آگے چل کر محض ایک سو ستالیس مالکان کی ملکیت بن جاتی ہیں۔ یہ تہہ در تہہ ملکیتوں (Interlocking Ownership) کا ایک نظام ہے جسے کارپوریٹ رازداری (Corporate Veil) کے قانون کے تحت چھپایا گیا ہے۔ ان کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد کی ملکیت یہودی گروہ کے پاس ہے۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور دیگر تمام ماورائے ریاست بین الاقوامی ادارے عالمی سرمایہ داری کے پیدا کردہ ہیں اور انہی کے ٹروجن ہارس (Corporate Vehicles) طور پر کام کر رہے ہیں۔ چونکہ عالمی سرمایہ پر آٹھ بڑے یہودی خاندانوں کا قبضہ ہے لہذا عالمی سرمایہ داری سے جڑی تمام چھوٹی بڑی اکائیاں انہی کی ذیلی شاخیں تصور ہوں گی۔ دنیا کی کوئی ملٹی نیشنل کمپنی یا مالیاتی ادارہ ان آٹھ بڑے سرمایہ دار گروہ سے نہ تو ٹکڑے لے سکتا ہے اور نہ ہی ان کی تابعداری کئے بغیر مارکیٹ میں زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ چھوٹے بڑے سب سرمایہ دار اس "آٹھ کے ٹوٹے" سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مالیاتی اجارہ داری کے ساتھ ساتھ اس آٹھ کے ٹوٹے کا پوری دنیا میں بے پناہ سیاسی اور عسکری اثر و رسوخ ہے۔ یہ جب چاہے کسی بھی ملک کو مالیاتی دیوالیہ پن کی جانب دھکیل سکتا ہے۔

ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور دیگر تمام ماورائے ریاست بین الاقوامی ادارے عالمی سرمایہ داروں کے پیدا کردہ ہیں اور انہی کے ٹروجن ہارس (Corporate Vehicles) طور پر کام کر رہے ہیں۔ لہذا عالمی سرمایہ داری سے جڑی تمام چھوٹی بڑی اکائیاں اسی کا حصہ شمار ہوں گی۔ چونکہ عالمی سرمایہ داری کی اجارہ دارانہ قیادت صیہونی گروہ کے ہاتھ میں ہے لہذا مکرو فریب کے تمام دلائل ایک طرف پھینکتے ہوئے واضح کاف الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عالمی سرمایہ داری کے پیچھے عالمی صیہونیت چھپی بیٹھی ہے۔

صیہونی نظریہ کے علاوہ یہ چند یہودی خاندان ایک دوسرے کے ساتھ سماجی روابط میں بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ان سب خاندانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی گہری اور قریبی رشتہ داریاں ہیں۔ مثال کے طور پر گولڈمین خاندان کی دو بیٹیوں کی شادی ساج خاندان میں ہوئی ہیں۔ چیف کی شادی سلیمان کیوب کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ لیوب اور کوہن کی بہنوں کی شادی ایک دوسرے سے ہوئی ہے۔ فلکس

ماربرگ کی شادی جیکب چیف کی بیٹی سے ہوئی۔ تاہم روٹھسائلڈ کی شادی لیوی بیرنٹ کوہن کی بڑی بیٹی سے ہوئی۔

امریکی فیڈرل ریزرو پر قابض اوپر دیئے گئے سارے خاندان کنٹرویسیونی ہیں۔ صرف راک فیلر خاندان اپنے آپکو عیسائی کہتا ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسلئے کہ یہ خاندان ہمیشہ روٹھسائلڈ خاندان کا دم چھلہ بن کر رہا ہے اور اس کی روٹھسائلڈ خاندان کے سامنے ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں ہے۔ بظاہر یہ تیل کمپنیوں کا مالک نظر آتا ہے مگر یہ تیل اسکا اپنا نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک قسم کے تیل کے ڈیلر ہیں۔ اگر روٹھسائلڈ خاندان آج چاہے تو راک فیلر کی ساری تیل کمپنیاں دھڑام سے نیچے آگریں گی اور ان کو تیل مانا بھی بند ہو جائیگا۔ راک فیلر اور مارگن خاندان ہمیشہ سے روٹھسائلڈ خاندان کے بلا مشروط ایجنٹ اور فرنٹ مین کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔

راک فیلر اور مارگن فیملی جرمنی سے نقل مکانی کر کے امریکہ آئے ہیں اور مذہب کے معاملہ میں ان کا سابقہ ماضی پر اسراریت کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے۔ یہ بات ریکارڈ سے ثابت ہے کہ امریکہ میں ہزاروں یہودی خاندان اپنے آپکو عیسائی ظاہر کر کے عیسائی معاشرہ کا حصہ بنے ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں کئی ایک کتب بھی شائع ہوئی ہیں جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کیسے بہت سے یہودی خاندان اپنے آپکو عیسائی ظاہر کر رہے ہیں۔ اب مارگن خاندان (جو بہت سے بینکوں کا مالک ہے) اپنے آپکو عیسائی کہتا ہے مگر 1935 میں ایک جرمن عدالت نے شواہد و واقعات کے ساتھ جرمنی میں اس خاندان کے "مارگن بینک" کو خالص یہودی بینک قرار دیا تھا۔

راک فیلر خاندان کا تعلق بھی یہودیت سے ہی بنتا ہے۔ اس خاندان کے اندر ایک یہودی عورت گرانتز (Lady Grantz) کی شادی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ گویا ماں کی طرف سے راک فیلر یہودی النسل خاندان ہے (یہودیوں کا اشک نازی فرقہ یہودی ماں کے بچوں کو یہودی تسلیم کرتا ہے۔ یہودیوں کی 90% فیصد آبادی، بشمول روٹھسائلڈ خاندان، اشک نازی فرقہ سے تعلق رکھتی ہے)۔ راک فیلر اور مارگن خاندان نے ہمیشہ "روٹھسائلڈ خاندان" کے پراجیکٹس کو آگے بڑھا کر مفادات حاصل کئے اور اپنے آپکو زندہ رکھا ہے۔ روٹھسائلڈ خاندان سرمایہ کی دنیا میں "ایٹا کوئڈا" کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہودی گروہ نہ صرف پردہ کے پیچھے رہ کر ان دو خاندانوں کو استعمال کرتا ہے بلکہ دنیا کی نظروں سے اوجھل بھی رہتا ہے تاکہ دنیا کو یہ پتہ نہ چلے کہ کپٹلزم کے پردہ تلے یہودی عالمی ریاست قائم کی جا رہی ہے۔

ان آٹھ خاندانوں کے پیچھے بے شمار دیگر خاندان اور مفاداتی گروہ چھپے بیٹھے ہیں جو ان کی سازشوں کو

دوام بخشے ہوئے ہیں اور ان کا دم چھلہ بن کر پوری دنیا کے اندران کے کارندوں کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ یہی ”عالمی اسٹیٹسمنٹ“ ہے جو پوری دنیا کی معیشت اور سیاست پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ ٹروٹھ (Truth) میگزین کے دسمبر 1912 کے شمارہ میں جارج آر کونزائے (George R. Conroy) نے بنگلہ سیکلہ میں یہودی اجارہ داری کے بارے میں لکھا ہے:

"Mr Schiff is head of the great private banking house of Kuhn, Loeb, and co, which represents the Rothschilds interests on this side of the Atlantic. He has been described as financial strategist and has been for years the financial minister of the great impersonal power known as Standard Oil. Jacob Schiff sets up the Anti Defamation League (ADL) in the United States. This organisation is formed to slander anyone who questions or challenges the Rothschild global conspiracy as, "anti-semitic."

ترجمہ: ”مسٹر شیف (Jacob Schiff) بڑے پرائیویٹ بنگلہ ہاؤس یعنی کوہن، لیوب اینڈ کمپنی کے سربراہ ہے جو کہ بحر اوقیانوس کی اس جانب (یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ) روٹھسائلڈ خاندان کے مفادات کا رکھوالا ہے۔ وہ ایک بڑے مالیاتی کاریگر کے طور پر جانا جاتا ہے اور ایک عرصہ تک اس غیر مرئی قوت یعنی سینڈرڈ آئل کمپنی کا ”وزیر“ رہا ہے۔ جیکب شیف نے ہی امریکہ میں یہودیوں کے مفادات کی نگہبانی کیلئے ”انٹی ڈیفیمیشن لیگ“ قائم کی۔ اس لیگ کا مقصد ہر اس شخص کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا ہے، جو روٹھسائلڈ کی صیہونی عالمی سازش کے بارے میں کوئی سوال کرتا یا اسے چیلنج کرتا ہے۔“

1865 میں صدر لنکن نے امریکی کانگریس کے سامنے یہ بیان دیا تھا:

"I have two great enemies, the Southern Army in front of me, and the financial institutions in the rear. Of the two, the one in my rear is my greatest enemy."

ترجمہ: ”اس وقت میرے دو بڑے دشمن ہیں۔ ایک جنوبی ریاستوں کی فوج جو میرے سامنے ہے اور دوسرا دشمن وہ مالیاتی ادارے ہیں جو ہمارے عقب میں ہیں۔ ان دونوں میں سے میرے عقب میں میرا دشمن میرے لئے زیادہ بڑا ہے۔“

روٹھسائلڈ خاندان کے بانیوں میں سے ایک بڑے نے کہا تھا:

'When the streets of Paris are running in blood, I buy'.

ترجمہ: ”جب پیرس کی گلیوں میں خون بہہ رہا ہو تو میں اسوقت خریداری کرتا ہوں۔“

مطلب یہ کہ جب لوگ بھوک اور خوف سے مر رہے ہوں تو میں ان کی جائیدادیں اونے پونے داموں میں ہتھیا لیتا ہوں۔ اسی مقصد کیلئے یہ دنیا میں جنگ و جدل اور خانہ جنگیوں کو جنم دیتے ہیں۔ جب لوگ جنگ میں مر رہے ہوتے ہیں تو یہ متحارب گروہوں کو اسلحہ فروخت کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے اٹاٹے خریدتے ہیں یا بھاری بھرکم سود پر ان کے اثاثوں کو رہن رکھ کر ان کو قرضوں کی زنجیروں میں جکڑ لیتے ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ روتھسا ملڈ خاندان کی دولت قوموں کے دیوالیہ ہونے سے بڑھتی ہے۔

1798 میں روتھسا ملڈ میر ائمشل (Amschel) نے کہا تھا:

"Let me issue and control a nation's money and I care not who writes the laws."

ترجمہ: ”مجھے ایک قوم کے خزانوں پر قبضہ کر لینے دیجئے۔ اس قبضہ کے بعد مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ اس کے قوانین کون بناتا ہے۔“

گویا روتھسا ملڈ میر ائمشل کے نقطہ نظر کے مطابق جو طاقت دنیا کی معیشت پر قابض طاقت ہے وہی اس کے سیاسی نظام پر بھی قابض ہوگی۔ اس وقت یہی ہو رہا ہے۔ چونکہ اس وقت دنیا کے خزانوں پر روتھسا ملڈ کی قیادت میں صیہونی گروہ کا قبضہ ہے لہذا وہی دنیا کے سیاسی نظام پر قابض ہے اور اس کے معاشی اور سیاسی قوانین بھی بنا رہا ہے۔

ورنر سوبارٹ (Werner Sombart) نے 1911 میں اپنی کتاب "The Jews and Modern

Capitalism" میں لکھا ہے کہ 1820 کے بعد کی دنیا روتھسا ملڈ یہودی کی دنیا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

"Only one power in Europe, and that is Rothschild."

ترجمہ: ”یورپ میں اسوقت صرف ایک طاقت ہے اور وہ روتھسا ملڈ کی طاقت ہے۔“

2

سرمایہ داری، صیہونیت اور عالمی حکومت کا قیام

ہم نظام سرمایہ داری (Capitalism) اور صیہونیت (Zionism) کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے اس لئے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام پر بڑے صیہونی گروہ کا قبضہ ہے اور سرمایہ داری کی بنیاد یہودی طرز معیشت پر ہے جس میں کہ ”انسانی استحصال“ اور ”سود“ یعنی ”پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے“ کے نظریہ کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ یہودی مذہب کے مطابق یہودی اپنے ہم مذہب یہودیوں سے سود وصول نہیں کر سکتا مگر غیر یہودیوں سے سود وصول کرنے کی اسے کھلی چھٹی ہے۔ چونکہ جدید نظام سرمایہ داری کا نظریاتی ڈھانچہ اور اس کا سیاسی نیٹ ورک یہودی سرمایہ داروں کے ارد گرد گھومتا ہے اس لئے اطلاقی سیاست (Applied Politics) کے حوالہ سے اس نظریہ اور اس کے آپریٹرز کا تنقیدی تجزیہ ضروری ہے۔

اپنے تاریخی پس منظر میں یہودیت ایک عالمگیر مذہب نہیں بلکہ ایک نسلی قبیلہ ہے جس میں اسلام، عیسائیت یا دیگر مذاہب کی طرح ہر فرد داخل نہیں ہو سکتا۔ یہودی اپنے آپ کو اس کائنات کی برتر مخلوق تصور کرتا ہے اور باقی ساری دنیا کو اپنے سے کمتر گردانتا ہے۔ اپنے نسلی اور مذہبی تفاخر کے نظریہ کی بنیاد پر وہ پوری دنیا میں ارضی یہودی بادشاہت کا قیام اور حکمرانی اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے یہودی کبھی بھی دوسرے مذاہب اور قومیتوں کے لوگوں کو اپنے برابر تسلیم کرنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ اس ذہنی اور نفسیاتی پس منظر میں یہودی جمہوریت اور انسانی مساوات کا دشمن ہے۔ وہ ہمہ وقت دوسرے مذاہب اور قومیتوں کے خلاف سازشوں میں مشغول رہتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا کردار ایک ”عالمی سازشی“ کا ہے۔ عالمی امن، ثقافتی تکثیریت (Cultural Pluralism) اور پر امن بقائے باہمی جیسے نظریات عالمگیر بادشاہت کا خواب دیکھنے والے صیہونی نظریہ سے براہ راست متصادم ہیں اس لئے یہودی امن عالم کیلئے ایک مستقل خطرہ ہے۔

یہ بات کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ عالمی سرمایہ داری کے بانی اور مالک یہودی ہیں۔ یہودی

یکولرازم کے مرکزی دروازہ سے عالمی سیاست میں داخل ہوئے۔ انقلاب فرانس سے قبل یہودی عالمی معیشت اور سیاست کے حاشیوں پر ایک اجنبی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انقلاب فرانس کے دو سال بعد 1791 میں یہودی فرانس کے اندر برابر کے شہری حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اسلئے کہ انقلاب فرانس کے تمام بڑے عہدیدار یہودی سرمایہ داروں کے ہی پروردہ تھے اور انقلاب فرانس برپا کرنے میں بے پناہ یہودی سرمایہ اور افرادی قوت استعمال ہوئی تھی۔ اس سے قبل یہودی امریکہ کے اندر اپنا اثر و رسوخ پیدا کر چکا تھا اور انقلاب فرانس کے ایک سال بعد ہی یعنی 1790 میں اس نے امریکہ کے اندر برابر کے شہری حقوق حاصل کر لئے تھے۔ سوائے پولینڈ (جو کہ عرصہ دراز سے یہودیوں کی مرکزی جنم بھومی بن چکا تھا) یورپ میں فرانس وہ پہلا ملک تھا جہاں یہودیوں کو انقلاب فرانس کے بعد عیسائیوں کے برابر شہری حقوق حاصل ہوئے۔ بعد ازیں یہودیوں نے اس کو مثال کے طور پر استعمال کرتے ہوئے پورے یورپ کے اندر برابری کے حقوق حاصل کر لئے۔ جب یہودی کو ایک مرتبہ یورپ اور امریکی سیاست کے اندر برابری کی سطح پر داخل ہونے کا موقع مل گیا تو پھر اسے روکنے والا کوئی نہ تھا۔

یہودی یکولرازم کے مرکزی دروازہ سے یورپ اور امریکہ کی سیاست و معیشت میں داخل ہوا اور پھر اسی کے ذریعہ سے عالمی منڈی اور عالمی سیاست میں داخل ہو گیا اور نہایت تیزی کے ساتھ عالمی معیشت اور سیاست پر قابض ہو گیا۔ آج پوری دنیا سودی سرمایہ داری کے شکنجے میں جکڑی پڑی ہے۔ یکولرازم کے بغیر عالمی سرمایہ داری کا وجود ممکن نہ تھا۔

قومی ریاستوں کے خاتمہ، عالمی معیشت، ثقافتی یک رنگی اور ایک عالمی ریاست کا قیام یہ سب یہودی سرمایہ داری کی سازشوں کا شاخسانہ ہے۔ عالمی حکومت کے قیام کے ذریعہ یہودی اپنی ارضی بادشاہت کے خواب کی تکمیل چاہتا ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے دنیا کو زیر و زبر کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید آگے جانے سے قبل عالمی صہیونی رہنما ڈاکٹر ہنری کسنجر (جو ایک عرصہ تک امریکہ کا سیکرٹری آف سٹیٹ رہا اور تمام بڑے عالمی اداروں تک مکمل رسائی رکھتا ہے۔ وہ ٹرائی لیٹرل کمیشن، بلڈریگ، کونسل آف فارن ریلیشنز کا مستقل ممبر ہے) کا ایک انگریزی روزنامہ ڈیلی سکیب (Daily Squib) کے نمائندے الفریڈ ہینز (Alfred Heinz) کو 27 نومبر 2011 اور 10 مئی 2018 کو دیئے گئے دو انٹرویوز ملاحظہ فرمائیے جو ایک عام قاری کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔۔۔ 27 نومبر 2011 کو دیئے گئے انٹرویو کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"The United States is baiting China and Russia, and the final nail in the

coffin will be Iran, which is, of course, the main target of Israel. We have allowed China to increase their military strength and Russia to recover from Sovietization, to give them a false sense of bravado, this will create an all together faster demise for them. We're like the sharp shooter during the noob to pick up the gun, and when they try, it's bang bang. The coming war will be so severe that only one superpower can win, and that's us folks. Control oil and you control nations; control food and you control the people.

We told the military that we would have to take over seven Middle Eastern countries for their resources and they have nearly completed their job. The great Russian bear and Chinese sickle will be roused from their slumber and this is when Israel will have to fight with all its might and weapons to kill as many Arabs as it can. Hopefully if all goes well, half the Middle East will be Israeli "

ترجمہ: ”ریاستہائے متحدہ امریکہ چین اور روس کو اپنی جال میں پھانس رہا ہے لیکن آخری کیل ایران کے تابوت میں گاڑی جائے گی جو اسرائیل کا بنیادی ہدف ہے۔ ہم نے دانستہ چین کو اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنے دیا ہے اور روس کو اس سر فہموں کے موقع فراہم کیا ہے تاکہ ان کے اندر اپنے طاقتور ہونے کا جھوٹا گھمنڈ پیدا ہو جائے اور اس طرح ہم اچانک ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیں۔ ہم ایک برق رفتار نشانہ باز کی طرح دشمن کے بندوق اٹھانے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ آئندہ جنگ اتنی سخت ہوگی کہ صرف ایک سپر پاور ہی جیت سکے گی اور وہ سپر پاور ہم ہیں۔ اگر آپ تیل پر قبضہ کر لیں تو تمام قومیں آپ کے قبضہ میں آجائیں گی اور اگر آپ کا خوراک پر قبضہ کر لیں تو پوری دنیا کے عوام آپ کے قبضہ میں آجائیں گے۔“

”ہم نے اپنی فوج کو بتا دیا ہے کہ ہم نے مشرق وسطیٰ کے سات ممالک اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنا ہے اور ہماری فوج نے اس کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ جب تک روسی ریچھ اور چینی درانتی اپنی سستی سے باہر نکلیں گے تو اس وقت تک ہم لاتعداد عربوں کا قتل عام کر چکے ہوں گے۔ اگر حالات نے وفا کی تو ہم آدھے مشرق وسطیٰ پر آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔“

10 مئی 2018 کو لئے گئے انٹرویو کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

" The supreme land of Eretz Ha'Avot, our motherland, our home will fight with all its might now to cleanse the Middle East of threats to Israel. When General Wesley Clarke said that seven Middle Eastern countries were to be taken over, he was not joking or fooling around. You cannot make an omelette without breaking a few eggs, thus meaning - for true change to come, we must first have some constructive destruction. The purge may start with a virus, a few waves will be the starter.

The Russians however have gone from communism to authoritarianism and vast amounts of mafia corruption, I might add. The Russians are still in a post-Soviet stupor, they have still not found themselves. As for Europe, they are in a sclerotic state as the drums of war are beating ever faster and louder every day."

Most of it, I cannot talk about, and I may not live to even see it, however as one of its architects. I can reveal a few slivers of information. Essentially the NWO means singular. There can only be one winner over all of earth's last remaining resources, and no other factions can exist. It also means a controlled population below 500 million where no other conflict will ever occur again.

As I mentioned before, it could be a virus that suddenly erupts most probably from somewhere in Asia that will eventually lead to war through desperation. Invariably, the new technological society is in place now, because we have the technology and technique as we speak now, but the inherent problem is different factions, old ways of thinking and overpopulation."

”ارضی موعود، ہماری جنم بھومی، ہم پوری طاقت کے ساتھ مشرق وسطیٰ سے اسرائیل کے خلاف تمام خطرات کا صفایا کر دیں گے۔ جب جنرل ویزی کلارک نے کہا تھا کہ ہم مشرق وسطیٰ کے سات ممالک پر قبضہ کر لیں گے تو وہ مذاق یا لطیفہ بازی نہیں کر رہا تھا۔ تم انڈوں کو توڑے بغیر آملیٹ نہیں بنا سکتے۔ یعنی ایک حقیقی تبدیلی کیلئے ہمیں مثبت تخریب کاری کرنا پڑے گی۔ دشمن کے صفایا کا کام ایک وائرس کے پھیلاؤ سے شروع ہوگا اور اس کی یکے بعد دیگرے کئی لہروں سے اس جنگ کا نقطہ آغاز ہوگا۔“

”روی کیونز م سے جابرانہ حکومت کی جانب سفر کر رہے ہیں جس میں مافیا کی کرپشن بھی شامل ہے۔ روی ابھی تک سوویٹ یونین کے نوٹوں کے صدمہ سے دوچار ہیں۔ جہاں تک یورپ کا تعلق ہے وہ خوف کا شکار ہیں اس لئے کہ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ جنگ کے طبل اور زیادہ تیز اور اونچی آواز میں سنائی دینا شروع ہو گئے ہیں۔“

”میں اس موضوع پر بہت زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ تاہم چونکہ میں اس پراجیکٹ کے معماروں میں سے ہوں اسلئے چند اہم معلومات کا انکشاف کئے دیتا ہوں۔ نیو ورلڈ آرڈر پر یقینی طور پر ایک ہی طاقت قابض ہوگی۔ دنیا کے تمام وسائل کی ملکیت صرف اس ایک فاتح طاقت کے پاس ہوگی۔ کسی دوسرے گروہ کیلئے اس میں کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ اس پراجیکٹ کے مطابق دنیا کی آبادی صرف پانچ سو ملین رکھی جائے گی جہاں آئندہ کسی قسم کا کوئی جھگڑا سر نہیں اٹھا سکے گا۔“

”جیسا کہ میں نے پہلے کہہ دیا ہے کہ یہ ایک وائرس ہوگا جو اچانک نمودار ہوگا جو ایشیا کے کسی مقام سے ظاہر ہوگا جس کے نتیجے میں مایوسی پھیلے گی اور جنگ شروع ہو جائیگی۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا معاشرہ وجود میں آئے گا کیونکہ ہمارے پاس اس کیلئے مطلوبہ ٹیکنالوجی اور طریق کار موجود ہے۔ ہمارے سامنے اصل مسئلہ ہمارے مخالف غیر ریاستی گروہوں کا وجود، دوقانونی سوچ اور آبادی کی کثرت ہے۔“

گویا صیہونی رہنماؤں اکثر ہنری کسنجر کو سپا سے ہی علم تھا (اسلئے کہ یہ ان کی اپنی منصوبہ بندی تھی) کہ جلد دنیا میں ایک عالمی وبا پھیلے گی جس کے نتیجے میں مایوسی جنم لے گی اور جنگ شروع ہو جائے گی۔ اس نے عالمی صیہونیت کے متوقع دشمنوں کی بھی نشاندہی کر دی اور کہا کہ درج ذیل تین قوتیں عالمی صیہونیت کے سامنے مزاحمت کریں گی:

(1) ”غیر ریاستی کھلاڑی“ (2) ”روایت پرست معاشرے“ اور (3) زیادہ آبادی رکھنے والی قومیں اور خطے یہی وجہ ہے کہ عالمی صیہونیت کا سارا زور غیر ریاستی کھلاڑیوں، روایت پرست معاشروں اور دنیا کی آبادی کو ختم کرنے پر مرکوز ہے۔

صیہونیت کی سیاسی تاریخ

اپنے تاریخی پس منظر کے اعتبار سے یہودی ہمیشہ ہی سے سرمایہ کار و بار کرتے ہیں اور ایک سود خور قوم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہودیوں کی تاریخ سازشوں کا مجموعہ ہے۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے یہ ہر ملک سے نکالے گئے۔ شروع میں یہ بڑے مظلوم اور بے ضرر بن کر کسی معاشرہ میں داخل ہوتے ہیں مگر آہستہ آہستہ اسے اپنے خوئیوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ ان کا بنیادی کاروبار سود اور جسم فروشی کا ہے۔ یہ جہاں بھی گئے انہوں نے سود اور جسم فروشی کے دھندے کو رواج دیا۔ شروع میں ان لوگوں نے اپنی سازشی طبع کے مطابق مارٹن لوتھر کی حوصلہ افزائی کی اور مارٹن لوتھر نے ان کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا مگر جب انہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کے غلیظ خیالات سنے اور ان لوگوں کے کردار کا بغور جائزہ لیا تو وہ ان کی جان کا دشمن بن گیا۔ مارٹن لوتھر انہیں ”کنوؤں“ میں زہر ڈالنے والے، ”عیسائی بچوں کے قاتل“، ”کالے جادو سے کام نکالنے والے“ اور ”طاعون پھیلاتے والے“ بدکردار لوگ قرار دیتا ہے۔ اسے یہودیوں کے خلاف جو پمفلٹ لکھا اس میں اس نے کھل کر ان کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ وہ لکھتا ہے:

”یہودی بینکار عیسائی عوام کا خون چوستے ہیں یہودی ڈاکٹر جان بوجھ کر عیسائی مریضوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہودیوں کے کنیسادوں کو تباہ کرنا عیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے کیونکہ ابتدائی دور میں مسیحیوں کو انہی کنیسادوں کے اندر لے جا کر ذلیل کیا گیا تھا۔ لہذا وہ جہاں کہیں بھی پایا جائے اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ یہود کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور انہیں کھلے آسمان تلے خانہ بدوشوں کی طرح رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔“

کچھ جگہوں پر عیسائی پادری یہودیوں سے حلفیہ اقرار کرواتے جس کی عبارت کچھ اس قسم کی ہوتی:

”میں نجس یہودی ہوں جس کے آباؤ اجداد نے سچے مسیحا کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ میں آوارہ گرد ہوں۔ میرا کوئی گھر نہیں، کوئی وطن نہیں سوائے اس کے جو چرچ کی مہربانی سے مجھے نصیب ہوا ہے۔ میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا صرف باعث ہی نہیں بلکہ اس کی تباہی کا سامان بھی ہوں۔ میں کنوؤں کے پانی میں زہر ملاتا ہوں۔ طاعون پھیلاتا ہوں عیسائی بچوں کا خون بہانے کیلئے ان کے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہوں۔ ہماری عورتیں طوائف ہیں اور میرا انجام دائمی جہنم ہے کیونکہ میں چرچ اور تمام نیک عیسائیوں کا بدترین دشمن ہوں۔“

اپنے علاوہ باقی ساری نسل انسانی کے خلاف سازشیں صیہونی ثقافتی ڈی این اے کا لازمی جزو ہیں۔

دیگر اقوام کے خلاف نفرت انکے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ اسلام دنیا میں ایک نیا مذہب تھا اس نے تمام مذاہب کو اپنی طرف مدعو کیا اور انہیں خیر سگالی کا پیغام دیا مگر یہودی ہر مرتبہ عہد و پیمان کرنے کے بعد اسلام کے دشمنوں کے ساتھ سازشوں میں ملوث پائے گئے۔ بارہا ان سے درگزر کیا گیا اور انہیں محض تنبیہ کر کے چھوڑ دیا گیا مگر یہ باز نہیں آئے۔ تنگ آ کر ان کو ملک عرب سے نکالا گیا۔ بلکہ نبی رحمت العالمین (جنہوں نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا تھا) نے ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کی۔ ان لوگوں نے پیغمبر اسلام کو دعوت کے بہانے گھربلا کر زہر دینے کی کوشش کی جس سے پیغمبر اسلام کے ایک ساتھی شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے کچھ قبائل مدینہ کی حدود سے جلا وطن کئے گئے۔ ایک عیسائی قبیلہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ ”اجتماعی دفاع“ کا معاہدہ کیا ہوا تھا مگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کفار مکہ کے پاس جا کر انہیں اپنے تعاون کا یقین دلاتے رہے اور انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے اکساتے رہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد یہود کا ایک سردار کعب بن اشرف اپنے چند ساتھیوں کو ساتھ لیکر مکہ جا پہنچا اور کفار مکہ کو ابھارتا رہا۔ اس نے شاعری کے ذریعہ ان میں انتقام کی آگ بڑھانے کی کوشش کی۔ یہ اشتعال انگیز شاعری کی ایک مثال کچھ یوں ہے:

”بدر کی چٹکی نے تمہارے جوانوں کا خون پیس ڈالا

بدر کے واقعات پر خوب روؤ، چیخو اور خون بہاؤ

تمہارے جوانوں کی گردنیں کٹ کٹ کر گر گئی ہیں

اے کاش جب وہ قتل ہوئے زمین پھٹ جاتی اور اپنے بچوں کو نگل جاتی۔“

مسلمانوں کی کفار مکہ کے خلاف ہر جنگ میں انکا یہی شیوہ رہا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کرتے رہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر کفار مکہ کو اشتعال دلا کر مدینہ پر حملہ کیلئے کھینچ لائے۔ مسلمانوں نے مدینہ کے گرد اگر د خندق کھود کر اپنا دفاع کیا اور دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ مگر جنگ کے دوران بنو قریظہ کے یہودی قبیلے نے مدینہ کے اندر مسلمان عورتوں اور بچوں کو تہا پا کر ان پر حملہ کر دیا مگر مسلمان عورتوں نے لڑائی کے دوران ان ”جوانمرد یہودیوں“ سے کئی ایک کو قتل کر کے دوسروں کو مار بھگایا۔ ان تمام حکایت کی وجہ سے انہیں ملک عرب سے نکالا گیا اور ان کے عرب میں واپس آنے پر مستقل پابندی لگائی گئی۔

ان لوگوں نے دنیا میں ہر جگہ خرابی پیدا کی اور ہر جگہ سے بے عزت کر کے نکالے گئے۔ پہلے یہ بد معاشی کرتے ہیں اور پھر مظلوم بن جاتے ہیں۔ شمالی آئرلینڈ اور رائن لینڈ میں عیسائی لوگوں نے ان کا قتل

عام کیا۔ کئی کھیساکے سربراہ مقدس پطرس نے شہنشاہ فرانس لوئی ہفتم کو اپنے ایک خط میں لکھا:

”میں نہیں چاہتا کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں خدا انہیں ملیا میٹ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن برادر کش قاتل کی طرح انہیں اذیتیں دے دے کر ان کا جینا اور مرنا یکساں کر دیا جانا چاہئے۔ انہیں مزید ذلیل کرنے کیلئے زندہ رکھنا چاہئے تاکہ ان کی زندگی ان کی موت سے بھی بدتر ہو۔“

برطانیہ کے یہودیوں کو زمین حاصل کرنے اور کاشت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ 1144 میں انہیں برطانیہ کے اندر قتل کیا گیا اور ان کے گھریلو اثاثے لئے گئے۔ 1211 میں پھر ان کے خلاف کارروائی کی گئی اور یہ بھاگ کر فلسطین آ گئے۔ 1257 اور 1267 میں برطانیہ کے سات شہروں بشمول لندن، کنٹربری، اور کیسبرج ان کا اجتماعی قتل عام کیا گیا۔ انہیں فرانس اور پرتگال سے کئی مرتبہ نکالا گیا لیکن ہر مرتبہ انہوں نے اپنی پرانی حرکتوں کو دہرایا۔ سپین کے ایک شہر کے اندر کوڑھ کے ایک مریض کو ایک بندوق دریا برد کرتے پکڑا گیا۔ بندوق کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے ایک خط برآمد ہوا جو عبرانی زبان میں تھا۔ جس میں ایک سازش کا انکشاف ہوا کہ عیسائی دنیا کے تمام کنوؤں میں زہر ملا کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس مقصد کیلئے کوڑھ کے مریضوں کا استعمال کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی سے تنگ اور ہر قسم کا خطرہ مول لینے کیلئے آسانی سے تیار ہو جائیں گے۔ اس خط کے منظر عام پر آنے سے ہر طرف ایک آگ لگ گئی اور یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ 1648 میں پولینڈ کے عوام نے ان ساہوکار یہودیوں پر حملہ کر کے ان کے گھریلو اثاثے اور ان کی املاک پر قبضہ کر لیا۔ یہ پولینڈ سے بھاگ کر اسلامی مملکت ترکی میں آباد ہو گئے۔

صلیبی جنگوں کے اہم محرکات میں سے ایک یہی یہودی تھے جنہوں نے دونوں طرف زہریلا پروپیگنڈا کر کے عیسائی اور اسلامی دنیا کے درمیان صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کروایا اور اس طرح دونوں مذاہب کے لوگوں سے انتقام لیا۔ یورپ میں یہودیوں کے ساتھ سب سے بہتر اور فیاضانہ رویہ جرمنی کے اندر کیا جاتا تھا مگر جلد ہی انہوں نے وہاں کی معیشت کو اپنے سودی پنجوں میں جکڑ لیا۔ قجہ گری کا دھند عام کر دیا اور جرمن عورتوں کو جسم فروشی کی جانب مائل کرنا شروع کر دیا۔ اس کا ذکر ہٹلر کی کتاب ”میں کیہیپف“ میں بھی ملتا ہے کہ یہودیوں نے کس طرح عیسائی اخلاقیات کا جنازہ نکالا۔ پھر جرمنی کے اندر سازشیں شروع کر دیں۔ جرمن معاشرے کو متحارب دھڑوں میں تقسیم کرنے کی منظم سازشیں کیں۔

1848 میں جس وقت کارل مارکس ”کیونسٹ مینی فیسٹو“ تحریر کر رہا تھا اسی وقت جرمنی میں

فریڈرک نیتشے یونیورسٹی کا پروفیسر کارل رٹر (Karl Ritter) نیتشے (Nietzsche) پر کام کر کے اسے جرمنی میں پھیلا رہا تھا۔ تاکہ مستقبل میں مارکسزم کی اجتماعیت کا فلسفہ اور نیتشے کا ”انفرادیت پسندی“ اور ”سپر مین“ کا

فلسفہ جرمن دانشور طبقہ کے اندر سیاسی تصادم کا باعث بنے۔ کارل مارکس اور کارل رڈونو ہی اشک نازی یہودی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور روتھسائٹڈ کے عقیدتمندوں میں سے تھے (یاد رہے کارل مارکس کا اپنا کوئی بھی ذریعہ معاش نہ تھا)۔ کیا اسے محض ایک اتفاق سمجھا جائے یا جرمن اور یورپی معاشرہ کے اندر نظریاتی فساد پیدا کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش؟ انقلاب روس کا ایک اہم کردار ٹراٹسکی بھی یہودی تھا۔ لینن نے ساری زندگی اپنا مذہبی پس منظر چھپائے رکھا۔ وہ اپنے آپکو ”روسی“ کہتا تھا مگر سٹالن اس راز تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا مگر اس نے بھی اس راز کو افشا نہ ہونے دیا۔ اب کے جی بی کی کلاسیفائیڈڈ فائلز سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ لینن بھی ایک یہودی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ لیکن سٹالن کا مذہبی پس منظر ”آرتھوڈکس عیسائی“ کا تھا یہی وجہ ہے کہ سٹالن کے دور میں انقلاب روس کا ”بنیادی کردار“ تبدیل ہو گیا اور سٹالن نے لینن کے برعکس یہودیوں پر سختی کی۔ اسی لئے یہودی میڈیا سٹالن کی کردار کشی میں حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ عالمی استعمار نے آج کی قومی ریاستوں کو ختم کر کے ایک عالمی ریاست کی تشکیل کا اہل فیصلہ کر لیا ہے مگر ایک اوسط درجہ کے دانشور پر یہ بات واضح نہیں ہے کہ اس کھیل کے اصل کھلاڑی کون ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ اس بات کو الفاظ اور دلائل کی کارگیری کے ساتھ پوشیدہ رکھا جا رہا ہے کہ اس عالمی ریاست کے اصل محرکات کیا ہیں اور عالمی ریاست کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس کی ملکیت کس کے پاس ہوگی؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن سے پہلو تہی کی جاتی ہے اور ان کا براہ راست جواب دینے سے احتراز کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے دنیا پر قابض اصل حکمرانوں کے چہرے سے نقاب الٹ جاتی ہے اور ان کے کالے کرتوت دنیا کے سامنے آشکارا ہو جاتے ہیں۔ معاملہ کی جڑ تک پہنچنے اور عالمی سرمایہ پر قابض قوتوں کی نشاندہی کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان قوتوں کو آشکارا کیا جائے جو بین الاقوامی سرمایہ کی منڈی کے واحد اجارہ دار ہیں۔ یہی وہ بنیادی سوال ہے جسکو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور کوئی اس پر بحث کرنا بھی چاہے تو عالمی استعمار کا ملکیٹی میڈیا اسے ”سازشی تھیوری“ کا نام دیکر معاملہ کو ”رفع دفع“ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس بنیادی ترین سوال کا جواب حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سوال کا جواب حاصل کئے بغیر ہم نہ تو اس کے اصل منصوبہ سازوں تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے حقیقی مقاصد کا مکمل ادراک کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے ”عالمی صیہونیت کی عالمی بادشاہت“ کے ”روڈ میپ“ کا ایک جائزہ لینا ہوگا۔ یہاں سے ہمیں ایسی معلومات اور حکمت عملی کا پتہ چل جائیگا کہ قومی حکومتوں کے خاتمہ اور عالمی حکومت کے قیام کے پیچھے کونسے گروہ اور کونسے مقاصد کارفرما ہیں۔

یہ ”روڈ میپ“ ایک خفیہ دستاویز ہے جو ”یہودی پروٹوکولز“ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ خفیہ دستاویز 1905 میں کہیں سے چوری ہو کر ایک روسی پروفیسر ”سرگئی اے۔ نائکس“ کے ہاتھ لگی اور شائع ہو کر دنیا تک پہنچی۔ اس خفیہ دستاویز میں کل چوبیس پروٹوکولز دئے گئے ہیں جس میں کہ دنیا پر قبضہ کرنے کے مقاصد اور عالمی صیہونیت کی بادشاہت کی تفصیل دی گئی ہے۔ ہر ایک پروٹوکول اپنی جگہ ایک مکمل دستاویز ہے۔ یہودی پروٹوکولز میں پوری دنیا پر یہودی بادشاہت قائم کرنے کا جواز اور حکمت عملی (Strategic Methodology) کی تفصیل درج ہے۔۔۔ ان چوبیس پروٹوکولز کو اچھی طرح پڑھتے بغیر کوئی بھی دانشور اور جدید میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں اور ”عالمی ریاست“ کے موجودہ فلسفہ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی جان سکتا ہے کہ موجودہ ”عالمی ریاست“ کے قیام کے پیچھے چھپے اصل محرکات کیا ہیں اور اس ”عالمی ریاست“ کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے مالکان کون ہونگے؟ یعنی عالمی ریاست کی حکمرانی کس کے پاس ہوگی؟

ان پروٹوکولز کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ قومی حکومتوں کو ختم کرنے اور عالمی حکومت کے قیام کے پیچھے کون سے مکرو و عزم کارفرما ہیں۔ تو آئیے ان پروٹوکولز کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں:

یہودی پروٹوکولز

PROTOCOL NO. 1

"It is enough to hand over a people to self-government for a certain length of time for that people to be turned into a disorganized mob. From that moment on we get internecine, strife which soon develops into battles between classes, in the midst of which states burn down and their importance is reduced to that of a heap of ashes. Whether a state exhausts itself in its own convulsions, whether internal discord brings it under power of external foes—in any case it can be accounted irretrievably lost. It is in our power. The despotism of capital, which is entirely in our hands, reaches out to it a straw that the state, willy-nilly, must take hold of. If not—it goes to the bottom. Without absolute despotism there can be no existence of civilization which is carried on not by masses but by their guide, whosoever that person may be

The mob is a savage and displays its savagery at every opportunity. The moment the mob seizes freedom in its hands it quickly turns to anarchy, which, in itself, is the highest degree of savagery. In politics one must know how to seize the property of others without hesitation if by it we secure submission and sovereignty".

ترجمہ: "اگر کچھ عرصہ کیلئے حکومت عوام کے ہاتھ میں دیدی جائے تو وہ جلد ہی ایک غیر منظم گروہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب ایک دفعہ ایسا ہو جائے تو عوام کے اندر پیدا ہونے والا اندرونی خلفشار جلد ہی طبقاتی جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ریاست محل کرراکھ ہو جاتی ہے اور ریاست طے کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کوئی ریاست چاہے اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ختم ہو جائے یا اپنے اس داخلی انتشار کی وجہ سے دشمن قوتوں کے قبضہ میں چلی جائے ہر دو شکلوں میں ختم ہو کر ہمارے قبضہ میں آ جائیگی۔ سرمایہ پر چونکہ ہماری ہی حاکمیت ہے لہذا اپنے بچاؤ کیلئے وہ ہم سے رجوع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر بھی تباہ ہو جائیں گے۔ ایک مکمل نظم کے بغیر کوئی بھی تہذیب قائم نہیں رہ سکتی اور یہ کام عوام الناس نہیں بلکہ کوئی بزار ہنما انجام دیتا ہے۔ عوام کا ایک بے ترتیب جتھہ وحشیوں کی مانند ہوتا ہے اور ہر موقع بموقع اپنی درندگی کا اظہار کرتا ہے۔ جو نبی ایک بے ترتیب جتھہ قانونی عملداری اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو وہ صورت حال ایک طوائف الملوکی میں تبدیل ہو جاتی ہے جو بذات خود بدترین قسم کا وحشیانہ پن ہے۔ سیاست کے ایک ماہر کھلاڑی کو دوسروں کے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کیلئے ہرگز نہیں ہچکچانا چاہئے اور اس طاقت کے ذریعہ حکومت حاصل کر کے انہیں اطاعت پر مجبور کرنا چاہئے۔"

PROTOCOL NO. 2

"In the hands of the states of to-day there is a great force that creates the movement of thoughts in the people, and that is the Press. The part played by the press is to keep pointing out requirements supposed to be indispensable, to give voice to the complaints of the people to express and to create discontent. It is in the Press that the triumph of freedom of speech finds its incarnation, but the goyim states have not known how to make use of this force; and it has fallen into our hands. Through the Press we have gained

the power to influence while remaining ourselves in the shade; thanks to the press we have got the gold in our hands, notwithstanding that we have had together it out of oceans of blood and tears. But it has paid us, though we have sacrificed many of our people. Each victim on our side is worth in the sight of God a thousand goyim".

ترجمہ: "آج لوگوں کے ذہنوں میں اپنی مرضی کے خیالات پیدا کرنے کیلئے ریاست کے پاس پریس کی شکل میں ایک بہت بڑی طاقت موجود ہے۔ پریس لوگوں کے اندر فرضی ضروریات پیدا کر کے ان کی تشہد کرتا اور عوام کے اندر غم و غصہ اور بے چینی کی فضا پیدا کرتا ہے۔ پریس کے ذریعہ ہی عوام آزادی کی اظہار کرتے ہیں مگر غیر یہودی ریاستیں پریس کی اس طاقت کو استعمال کرنے کے فن سے نا آشنا ہیں۔ یہ پریس ہی ہے کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے آپکو پردہ کے پیچھے رکھ کر عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ پریس کی وجہ سے ہی ہے کہ پوری دنیا کا سوتا ہمارے قبضہ قدرت میں ہے وگرنہ ہمیں اس کیلئے انسانی خون اور آنسوؤں کی ندیاں بہانا پڑتیں۔ اگرچہ ہمیں اس کیلئے اپنے کچھ لوگوں کی قربانیاں دینا پڑی ہیں مگر ہم نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ خدا کی نظر میں ہمارا ہر مقتول غیر یہودیوں کے ایک ہزار مقتولوں کے برابر ہے۔"

PROTOCOL NO. 3

"Today, I may tell you that our goal is now only a few steps off. There remains a small pace to cross and the whole long path we have trodden is ready now to close its cycle of the Symbolic Snake, by which we symbolize our people. When this ring closes, all the States of Europe will be locked in its coil as in a powerful vice. We have made a gulf between the far-seeing sovereign power and the blind force of the people so that both have lost all meaning, for like the blind man and his stick, both are powerless apart. Of states we have made gladiatorial arenas where a host of confused issues contend.... A little more, and disorders and bankruptcy will be universal.....Abuses of power will put the final touch in preparing all institutions for their overthrow and everything will fly skywards under the

blows of the maddened mob. Hunger creates the right of capital to rule the worker more surely than it was given to the aristocracy by the legal authority of kings. By want and the envy and hatred which it engenders we shall move the mobs and with their hands we shall wipe out all those who hinder us on our way. This hatred will be still further magnified by the effects of an economic crises, which will stop dealings on the exchanges and bring industry to a standstill. We shall create by all the secret subterranean methods open to us and with the aid of gold, which is all in our hands, a universal economic crises whereby we shall throw upon the streets whole mobs of workers simultaneously in all countries of Europe. These mobs will rush delightedly to shed the blood of those whom, in the simplicity of their ignorance, They have envied from their cradles, and whose property they will then be able to loot. Ours they will not touch, because the moment of attack will be known to us and we shall take measures to protect our own. These beasts, it is true, fall asleep again every time when they have drunk their fill of blood, and at such times can easily be riveted into their chains. But if they not be given blood they will not sleep and continue to struggle. Remember the French Revolution, to which it was we who gave the name of "Great" the secreta of its preparations are well known to us for it was wholly the work of our hands. Ever since that time we have been leading the peoples from one disenchantment to another, so that in the end they should turn also from us in favour of that "King Despot of the blood of Zion" whom we are preparing for the world".

ترجمہ: ”آج میں آپکو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی منزل کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ ہم طویل فاصلہ طے کر چکے ہیں اور ہماری منزل چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔ ہمارا علامتی سانپ اپنا دائرہ مکمل کرنے

کے قریب ہے۔ یہ سانپ ہمارے یہودی عوام کی علامت ہے۔ جونہی یہ سانپ اپنا دائرہ مکمل کر لے گا۔ یورپ کی تمام ریاستیں اس سانپ کے مضبوط ترین شکنجے کی لپیٹ میں آ جائیں گی۔ ہم نے غیر یہودی دانشمند قیادت اور اوران کے عوام کی اندھی طاقت کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہے۔ اس سے ایک اندھیرا سا چھا گیا ہے اور ہر چیز کنفیوژن کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اسکی مثال اس اندھے کی سی ہے کہ جولاٹھی کے بغیر ناکارہ ہے اور لاٹھی اندھے کے بغیر ناکارہ ہے۔ ہم لاٹھی اور اندھے کو ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ کر دیتے ہیں۔ ہم نے غیر یہودی ریاستوں کے اندر فکری مناظروں کیلئے اکھاڑے پیدا کر دیئے ہیں جس میں متحارب گروہ مختلف النوع بے معنی خیالات کی جھگڑنے میں مصروف ہیں۔ اس سے کچھ ہی دور آگے طوائف الملو کی اور مالیاتی دیوالیہ پن منہ کھولے کھڑے ہیں۔ اختیارات کا غلط استعمال تمام اداروں کی جڑیں اکھاڑ دے گا۔ جذبات میں پاگل بے قابو ہجوم ہر چیز کو زیر و زبر کر کے رکھ دے گا۔ بھوک کی وجہ سے سرمایہ کی حکمرانی کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ سرمایہ کے زور پر عوام پر ہماری وہی حکمرانی پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی بادشاہوں کے زیر انتظام ریاستی اشرافیہ کو حاصل تھی۔ بھوک، حسد اور نفرت کے ماحول میں ہم عوامی گروہوں کو متحرک کر دیں گے۔ یہ مشتعل ہجوم ہمارے ازلی دشمنوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے۔ ہم ایک معاشی بحران کے ذریعہ اس نفرت میں حد و بجا اضافہ کر دیں گے۔ اس معاشی بحران کے نتیجہ میں تبادلہ زر کو روک دیا جائیگا اور غیر یہودی اقوام کی ساری صنعت بند ہو جائیگی۔ ہم اپنے تمام خفیہ ذرائع اور سونے پر اپنی اجارہ داری (نظام زر پر اجارہ داری) کے ذریعہ ایک بڑا بین الاقوامی معاشی بحران پیدا کر دیں گے جس کے ذریعہ ہم یورپ کے محنت کشوں کے ہجوم سڑکوں پر لے آئیں گے۔ یہ مشتعل ہجوم خوشی خوشی اور بڑی سادگی کے ساتھ ہمارے تمام دشمنوں کا خون بہائیں گے۔ یہ لوگ بچپن سے ہی ان لوگوں کے خلاف حسد میں جھلا ہیں لہذا وہ بڑی مسرت کے ساتھ ان کی جائیدادیں لوٹیں گے۔ لیکن ہماری جائیدادوں کو وہ ہاتھ نہیں لگا سکیں گے اسلئے کہ ہم اس حملہ سے قبل از وقت آگاہ ہو گئے اور اپنی جائیدادوں کی حفاظت کیلئے ہم نے بیٹھکی انتظامات کر لئے ہوئے تھے۔ یہ خونیں درندے (عوام) جب ایک مرتبہ جی بھر کر انسانی خون پی لیں تو پھر کچھ عرصہ کیلئے سو جاتے ہیں۔ اسی عرصہ (یعنی ان کے سونے کے دورانیہ میں) ہم انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قابو کر لیں گے لیکن انسانی خون پئے بغیر یہ درندے ہرگز نہیں سوتیں گے۔ ہم نے ہی انقلاب فرانس کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اسے ”عظیم انقلاب“ کا نام دیا تھا۔ یہ ہمارے ہاتھوں کی اختراع تھی اسلئے ہم اس کے سارے اسرار و رموز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس وقت سے لیکر آج تک ہم عوام کو ایک فریب کاری سے دوسری فریب کاری کی جانب لے کر جا رہے ہیں تاکہ وہ آخر میں ہم سے بھی مایوس ہو کر صیہونیوں کے خون سے تعلق رکھنے والے ”مطلق العنان بادشاہ“ کی

طرف راغب ہو جائیں۔“

PROTOCOL NO. 5

"All the wheels of the machinery of all states go by the force of the engine, which is in our hands, and that engine of the machinery of States is —gold, the science of political economy invented by our learnt elders has for long passed been giving royal prestige to capital. Capital, to operate freely must be free to establish a monopoly of industry and trade. This is already been being put in execution by an unseen hand in all quarters of the world. This freedom will give political force to those engaged in industry, and that will help to oppress the people. In the place of rulers of to-day we shall set up bogey which will called the Super-Government Administration. Its hands will reach out in all directions like nippers and its organization will be of such colossal dimensions that it cannot fail to subdue all the nations of the world".

ترجمہ: ”تمام ریاستوں کی مشینری اسکے انجن سے چلتی ہے اور وہ انجن ہمارے قبضہ میں ہے۔ یہ انجن سونا ہے۔ سیاسی معاشیات کا علم ہمارے بڑوں کی ایجاد ہے۔ اس علم کی وجہ سے ہم نے سرمایہ کی حکمرانی قائم کی ہے۔ سرمایہ کی آزادانہ حرکت صنعت و حرفت کے اندر اپنی اجارہ داری پیدا کرتی ہے۔ ایک خفیہ ہاتھ کے ذریعہ سرمایہ کو پوری دنیا کے اندر حرکت میں لایا جا چکا ہے۔ سرمایہ کی یہ طاقت صنعت سے وابستہ لوگوں کو سیاسی طاقت عطا کرے گی اور وہ اس طاقت کے ذریعہ محنت کش لوگوں کا استحصال کریں گے۔ موجودہ حکمرانوں کی جگہ ہم ایک طاقتور انتظامی مشینری لاگو کریں گے جو ”عالمی حکومت“ کہلائے گی۔ ایک موپنے کی طرح اس عالمی حکومت کی رسائی ہر جگہ تک ہوگی اور اس کے تحت کام کرنے والی ادارے بے پناہ طاقت کے مالک ہوں گے اور وہ دنیا کے کسی بھی کونے کی اقوام کو اپنی اطاعت گزاری پر مجبور کر دیں گے۔“

PROTOCOL NO. 6

"We shall soon begin to establish huge monopolies reservoirs of colossal riches, upon which even large fortunes of the goyim will depend to Such an extent that they will go to the bottom together with the credit of

States on the day after the political smash.... Every possible way we must develop the significance of our Super-Government by representing it as the Protector and Benefactor of all those who voluntarily submit to us.....In order that the true meaning of things may not strike the goyim before the proper time we shall mask it under an alleged ardent desire to serve the working classes and the great principles of political economy about which our economic theories are carrying on an energetic propaganda".

ترجمہ: ”ہم بہت جلد اپنے پاس دولت کے انبار جمع کر کے بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کر لینگے۔ غیر یہودی اقوام کا ان اجارہ داریوں پر انحصار اس حد تک زیادہ ہو گا کہ ہم سے سیاسی تصادم کی صورت میں سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اگلے ہی روز زمیں بوس ہو جائیں گی۔ ہمیں ہر ممکنہ طریقہ سے اپنی عالمی حکومت و عوام کی محافظ اور خیر خواہ ثابت کر کے اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہئے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ غیر یہودی اقوام ایک خاص لمحہ آنے سے قبل ہماری پس پردہ منصوبہ بندی کو نہ سمجھ جائیں ہم اپنے آپکو دھتکڑی کی بے لوث خدمتگاری کے پردہ کے پیچھے چھپائے رکھیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم سیاسی معاشیات کے ان زیر تہہ اصولوں کو بھی غیر یہودی اقوام سے پوشیدہ رکھیں گے جو ان معاشی نظریات کی تہہ میں کارفرما ہیں جن کے بارے میں ہم شد و مد سے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔“

PROTOCOL NO. 7

"Throughout all Europe, and by means of realations with Europe, in other countries also, we must create ferments, discords and hostility. Thesin we gain a double advantage. In the first place we keep in check all contries, for they well know that we have the power whenever we like to create disorders or to restore order. All these contries are accustomed to see in us an indispensable force of coercion. In the second place, by our intrigues we shall tangle up all the threads which we have strenched into the cabinet of all States by means of the political, by economic treaties, or loan obligations. In order to succeed in this we must use great cunning and penetration during

negotiations and agreements, but, as regards what is called the "official language", we shall keep to opposite and assume the mask of honesty and compliancy. In a word, to sum up our system of keeping the government of the goyim in Europe in check, we shall show our strength one of them by terrorist attempts and to all, if we allow the possibility of a general rising against us, we shall respond with the guns of America or China or Japan".

ترجمہ: "ہم پورے یورپ میں اپنے تعلقات کے ذریعہ پوری دنیا کے اندر فساد، انتشار اور دشمنیوں کے بیج بویں گے۔ اس سے ہمیں دوسرا فائدہ حاصل ہوگا۔ ایک جانب تمام ممالک پر ہماری گرفت مضبوط ہو جائے گی اسلئے کہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ ہم جب اور جہاں چاہیں خلفشار پیدا کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ تمام ممالک اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ ہمارے پاس اپنے دشمن کے خلاف جبر اور دہشتگردی کی ایک ناقابلِ تسخیر طاقت موجود ہے۔ اس سے ہمیں دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اپنی ان سازشوں کا تانا بانا مزید مضبوط کر سکیں گے جو ہم نے غیر یہودی حکومتوں کی کابینہ میں سیاسی سازشوں، معاشی معاہدوں اور قرضہ جات کی پابندیوں کے ذریعہ ترتیب دیا ہوا ہے۔ مختصر اُیوں سمجھئے کہ یورپی حکومتوں کو قابو میں رکھنے کیلئے ہم اپنی دہشت گردانہ طاقت کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر ہمیں کبھی یہ محسوس ہوا کہ سب یورپی قومیں مل کر ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں تو پھر ہم امریکہ، چین اور جاپان کا تو پختانہ استعمال کریں گے۔"

PROTOCOL NO. 9

"We have fooled, bemused and corrupted the youth of goyium by rearing them in principles and theories which are known to us to be false although it is by us that they have been inculcated".

ترجمہ: "ہم نے غیر یہودی نوجوان نسل کو ایسے اصول و نظریات پڑھائے ہیں جو کہ جعلی اور جھوٹے ہیں۔ ان جعلی نظریات کے ذریعہ ہم نے غیر یہودی دانشوروں کو ایک خاص قسم کے احمق، مسخرے اور بدچلن بنا دیا ہے۔"

PROTOCOL NO. 10

"When we introduced into the state organism the poison of liberalism, its whole political complexion under change, states have been seized with a

mortal illness---blood poisoning. All that remains is to wait the end of death agony".

ترجمہ: ”جب ہم نے ریاستی اداروں کے اندر لبرل ازم کا زہر داخل کر دیا تو اس کے سارے سیاسی ماحول کا رنگ زرد پڑ گیا اور ریاست خوئیں زہر خوردنی کی مہلک بیماری کا شکار ہو گئی۔ اب ریاست محض مرض الموت کے کرب میں مبتلا ہو کر اپنی موت کا انتظار کر رہی ہے۔“

PROTOCOL NO. 11

"God has granted to us, His Chosen people, the gift of the dispersion, and in this which appears in all eyes to be our weakness, has come forth all our strength, which has now brought us to the threshold of sovereignty over all the world. Then in fear and trembling they will close their eyes to everything, and be content to wait what will be the end of it all. The goyim are a flock of sheep, and we are their wolves. And you know what happens when the wolves get hold of the flock? There is another reason also why they will close their eyes: for we shall keep promising them to give back all the liberties we have taken away as soon as we have quelled the enemies of peace and tamed all parties"

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہم یہودیوں کو دنیا کی منتخب اور برتر مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہیں۔ اس نے ہمیں روئے زمین پر جانے کا بکھرے کا تحفہ عطا کیا ہے۔ بظاہر یہ ہماری کمزوری دکھائی دیتی ہے مگر حقیقت میں یہ ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے جسکی وجہ سے ہم آج پوری دنیا پر حکمرانی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ غیر یہودی ہمارے خوف اور وہشت کی وجہ سے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے انجام کا انتظار کریں گے۔ غیر یہودی بھیڑوں کا ایک ریوڑ ہیں اور ہم بھیڑیے ہیں۔ اور آپ کو علم ہونا چاہئے کہ جب بھیڑیے بھیڑوں کے گلے پر قابض ہو جائیں تو پھر کیا ہوتا ہے؟ ان کے آنکھیں بند کرنے کی ایک وجہ ہماری وہ یقین دہانیاں بھی ہونگی جو ہم ان سے کرتے رہیں گے کہ امن دشمنوں کو کچلنے اور تمام جماعتوں پر قابو پالینے کے بعد ہم انہیں انکی چھٹی گئی آزادیاں واپس لوٹا دیں گے۔“

PROTOCOL NO. 12

"I beg you to note that among those making attacks upon us will also be

organs established by us. but they will attack exclusively points that we have predetermined to alter. Not a single announcement will reach the public without our control. Literature and journalism are two of the educative forces, and therefore our government will become proprietor of the majority of the generals. This will neutralize the injurious influence of the privately owned press and will put us in possession of a tremendous influence upon the public mind... In the third rank we shall set up our own opposition, which, to all appearance, in at least one of its organ, will present what looks like the very antipodes to us. Our real opponents at heart will accept this simulated opposition as their own all will show us their cards".

ترجمہ: ”یہ بات ذہن نشین رہے کہ بہت سے ایسے عناصر ہونگے جو بظاہر ہم پر حملہ کرتے نظر آئیں گے لیکن ہمارے اپنے ہی پیدا کردہ ہونگے اسلئے کہ جن چیزوں کے خلاف وہ بول رہے ہونگے ان کو ختم کرنے کا ہم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہونگے۔ ہماری اجازت کے بغیر عوام تک کوئی انفارمیشن نہیں پہنچ پائے گی۔ ادب اور صحافت تعلیم کے دو بنیادی اجزاء ہیں اور ہماری حکومت رسائل کی اکثریت کو خرید کر ان کی مالک بن جائے گی۔ یہ ہمارا ملکییتی پر پریس مخالف پریس کے پروپیگنڈا کو زائل کر دیں گے اور ہمیں عوام کے ذہنوں پر بے پناہ اثر و رسوخ حاصل ہو جائیگا۔ تیسرے لیول پر پہنچ کر ہم خود اپنی اپوزیشن قائم کریں گے جو ظاہری طور پر ہماری مخالفت کرتے نظر آئیں گے۔ ہمارے حقیقی مخالفین ہماری خود ساختہ اپوزیشن کو اسلی خیال کرتے ہوئے ان کے ذریعہ ہمیں قبل از وقت اپنے کارڈ ظاہر کر دیں گے۔“

PROTOCOL NO. 15

We shall root out liberalism from all the important strategic posts of our government on which depends the training of subordinates of our state structure. Such posts will fall exclusively for those who have been trained by us for administrative rule.

ترجمہ: ”ہم اپنی عالمی ریاست میں ہر قسم کے لیبرل ازم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور مختلف عہدوں پر بیٹھے لیبرل عناصر کو نکال باہر کریں گے۔ ان سے خالی ہونے والی اسامیاں ہم ان لوگوں کے ذریعہ پر کریں

مے جنہیں ہم نے بطور خاص اس مقصد کیلئے تربیت دی ہوگی۔“

PROTOCOL NO. 17

"The King of the Jews will be the real Pope of the universe, patriarch of an international crush"

ترجمہ: ”یہودی بادشاہ دنیا کا حقیقی پوپ ہوگا۔ وہ ایک ایسا سردار ہوگا جو ہر بین الاقوامی مخالفت کو پھیل کر رکھ دیگا۔“

PROTOCOL NO. 20

"Economic crises have been produced by us for the goyim by no other means than the withdrawal of money from circulation. Huge capitals have stagnated withdrawing money from States, which were constantly obliged to apply to those same stagnant capitals for loans. These loans burdened the finances of the state with the payment of interest and made them the bond slaves of these capitals....The concentration of industry in the hands of capitalists out of the hands of small masters has drained away all the juices of the people and with them also of the states.....Every kind of loans proves infirmity in the state and a want of understanding of the rights of the state. Loans hang like a sword of Democles over the heads of rulers, who, instead of taking from their subjects by a temporary tax, come begging with outstretched palm to our bankers. Foreign loans are leaches which there is no possibility of removing from the body of the state until the fall of by themselves or the state flings them off. But the goy States do not tear them off; they go on in persisting in putting more on to themselves so that they must inevitably perish —drained by voluntary bloodletting".

ترجمہ: ”ہم غیر یہودی ریاستوں سے اپنا سرمایہ باہر نکال کر ایک عالمی معاشی بحران پیدا کر دیں گے۔ قرضوں اور ہمارے سرمایہ پر چلنے والی ریاستوں سے سرمایہ نکال لینے کے بعد ان ریاستوں کا معاشی نظام

جامد ہو کر رو جائے گا۔ ہمارے قرضوں نے ان ریاستوں کو سود کی ادائیگیوں میں جکڑ رکھا ہے۔ انہیں سرمایہ کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ صنعت کا چھوٹے سرمایہ داروں کی تحویل سے نکل کر بڑے سرمایہ داروں کے پاس ارتکاز نے عوام اور ریاستوں کا سارا خون نچوڑ لیا ہے۔ قرضہ چاہے کسی بھی قسم کا ہو ریاست کے اندر عدم استحکام پیدا کرتا ہے اور اس کی عملداری میں کمی واقعہ کرتا ہے۔ قرضہ ان ریاستوں کے حکمرانوں کے سروں پر ایک لنگتی ہوئی تلوار کی طرح ہے۔ یہ حکمران اپنے عوام سے عارضی بندوبست کے طور پر ٹیکس وصول کرنے کی بجائے ہمارے عالمی ساہوکاروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ غیر ملکی قرضے ریاستوں کے جسم سے چمٹی ہوئی ایسی جوئیں ہیں جنہیں انکے وجود سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ سوائے اس کے کہ قرض خود ساہوکار انہیں اتار لیں یا ریاست انہیں اپنی طاقت سے اتار پھینکے۔ لیکن غیر یہودی ریاستیں ان جوئوں کو اپنے وجود سے الگ کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں بلکہ وہ مزید قرضے مانگتے ہیں یہاں تک کہ یہ جوئیں ان کا سارا خون نچوڑ لیں اور بے سدھ ہو کر گر پڑیں۔

عالمی صیہونیت کی خفیہ تنظیمیں

The Elders of Zion (1)

یہ عالمی صیہونیت کی ایک خفیہ تنظیم ہے جس نے یہودی پروٹوکولز تیار کئے جو یہودی دانش کا شاہکار ہیں۔ یہ پروٹوکولز کئی صدیوں کی منصوبہ بندی پر مشتمل ہیں۔ ان پروٹوکولز کے اندر پوری دنیا پر یہودی باشاہت قائم کرنے کا فلسفہ اور حکمت عملی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

SULLS and Bones SOCIETY (2)

1832 میں یہودی بڑوں نے یہ سوسائٹی تشکیل دی۔ اس کے ممبران میں جان کیری، جارج بش، وئیم ٹیفٹ جیسے لوگ اور ہزاروں لوگ شامل ہیں۔ امریکہ میں واقع یتیل یونیورسٹی (Yale University) اس کا گڑھ ہے۔ یہ تنظیم اپنے آپکو سیکولر ظاہر کر کے ہر سال اس یونیورسٹی سے ایک خاص تعداد میں ذہین ترین غیر یہودی طلباء کا انتخاب کر کے انہیں اپنا ممبر بناتی ہے اور انہیں ان کے متعلقہ ممالک میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے میں ان کی مدد کرتی ہے۔ ان لوگوں کا ایک خاص قسم کا ذہن تیار کیا جاتا ہے جو اپنی ثقافت اور مذہب سے بیگانہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ سیاست اور افسر شاہی کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ مختلف حکومتوں کے اندر رہ کر یہ لوگ سامراجی دلالوں کا کردار ادا کرتے ہیں اور ممالک کی پالیسیاں عالمی سامراج کی مرضی کے مطابق بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(3) الیومنیٹی (ILLUMINATI SOCIETY)

یہ 1776 میں جرمنی کے اندر قائم کی گئی۔ اس کا کام فن موسیقی، فنونِ اعلیٰ اور لٹریچر کے ذریعہ دنیا کی نئی تہذیبوں اور ثقافتوں کے اندر انتشار اور طوائفِ افسانہ کی پیدا کرنا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یورپ کے اندر سیکولر ریاستوں کا قیام ہے تاکہ وہاں یہودی بلا تفریق مذہب ریاستی امور کا حصہ بن سکیں اور اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد کے حصول کیلئے کھل کھیل سکیں۔ یہ تنظیم میڈیا کے ساتھ مل کر اور لٹریچر کے ذریعہ یہ عوام کی ذہنی برین واشنگ کر کے انہیں سیکولر بنانے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

(4) بوہیمیاں گروپ (Bohemian Grove)

یہ گروپ 1872 میں امریکی ریاست کیلیفورنیا میں تشکیل دیا گیا۔ اس کے اہم ممبران رچرڈ نکسن، رونالڈ ریگن اور بل کلنٹن جیسے لوگوں کے بھی نام لئے جاتے ہیں۔ اس گروپ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ امریکی ایٹم بم بنانے کے عمل میں بھی اس کا خاصا اہم کردار تھا۔

(5) فری میسن (Free Masons)

فری میسن 1717 میں یہودی بڑوں نے لندن میں قائم کی۔ وہی پیڈیا کے مطابق امریکہ کے مختلف صدور فری میسن تحریک سے واسطہ رکھتے ہیں۔ ان میں جارج واشنگٹن، جیمز مونرو، تھامس جیفرسن، جیمز پولک، جیمز بشمان، اینڈریو جانسن، جیمز اے۔ گارفیلڈ، ولیم مکینلی، تھیوڈور روز ویلٹ، ولیم ایچ ٹیٹ، واران جی ہارڈنگ، فرینکلن ڈی روز ویلٹ، ہیری ایس ٹرومین، جیرالڈ فورڈ، لندن بی جانسن اور بل کلنٹن۔ علاوہ ازیں جارج واشنگٹن، بنجامن فرینکلن اور ونسٹن چرچل بھی اس کے ممبران میں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کے ممبران کی تعداد ساٹھ لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اس کے لاجز تقریباً دنیا کے ہر ملک کے اندر موجود ہیں۔ پاکستان میں 1972 میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے اس پر پابندی عائد کر کے اسے بند کیا تھا مگر اس کا ذیلی ادارہ پاکستان روٹری کلب اور اس کے تحت چلنے والا عورتوں کا کلب جو کہ انرویل (Inner Wheel) کے نام سے جانا جاتا ہے، اب بھی متحرک ہے۔ اس گروہ کا بنیادی مقصد دنیا کے اندر مذہبی رجحانات کے خلاف سیکولر لبرل خیالات کی ترویج ہے۔

پورے یورپ میں جرمنی کے اندر یہودیوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر جب عام جرمنوں پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شرکت یہودیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوئی تو جرمن عوام کے اندر اس خلاف رد عمل پیدا ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران یہودی خاندان روتھسائلڈ نے برطانوی حکومت کے ساتھ سودا بازی کی کہ وہ امریکہ کے اندر اپنا

بے پناہ اثر و رسوخ استعمال کر کے امریکہ کو جرمنی کے خلاف جنگ میں شامل ہونے پر آمادہ کر سکتے ہیں مگر اس کے بدلہ میں برطانوی حکومت انہیں فلسطین کے اندر ایک آزاد یہودی ریاست یعنی اسرائیل کے قیام کی اجازت دے گی اور اس میں ان کی مدد کریں گی۔ جرمن معاہدہ ورسلیز (جس میں جرمنی پر بھاری تاوان جنگ عائد کیا گیا اور اس پر ذلت آمیز شرائط لاگو کی گئیں) کی ذلت آمیز شرائط کا ذمہ دار بھی یہودیوں ہی کو گردانتے ہیں۔ معاہدہ ورسلیز کے موقع پر 117 اشک نازی یہودیوں کے ایک وفد (جسکی سربراہی برنارڈ برزوش (Bernard Baruch) کر رہے تھے) نے وہاں جا کر احتجاج کیا اور شور مچایا کہ اس کے برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کی روشنی میں امریکہ کو جنگ میں جرمنی کے خلاف شامل کرنے کے عوض فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کو معاہدہ ورسلیز کی شکوک کا حصہ بنایا جائے۔ صیہونی۔ برطانیہ معاہدہ شائد ہمیشہ رازی رہتا مگر یہودیوں کے اس احتجاج نے اس راز کو افشا کر دیا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ امریکہ کی جنگ میں جرمنی کے خلاف شرکت عالمی صیہونی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس سے جرمنوں نے محسوس کیا کہ عالمی صیہونیت نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور ان کے اندر یہودیوں کے خلاف نفرت اور غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہٹلر اپنی کتاب ”مین کیف“ میں بار بار اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ جرمن پہلی جنگ عظیم جیت رہے تھے مگر عین وقت پر یہودیوں نے جرمنوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔

اس کے علاوہ پہلی جنگ عظیم کے بعد فوری بعد 1919 میں یہودیوں نے جرمنی پر ایک اشتراکی انقلاب کے ذریعہ قبضہ کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہا۔ اس ناکام ”اشتراکی بغاوت“ کی قیادت Rosa Luxemburg اور Karl Liebknecht کر رہے تھے جو یہودی النسل تھے۔ اس بغاوت کے دیگر اہم کردار بھی یہودی النسل تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر جرمنی کے قوم پرست طبقوں میں یہودیوں کے خلاف نفرت کا ایک لاوا پھوٹ نکلا۔

یہودیوں کا نازی ہٹلر سے براہ راست تصادم

1933 کے اوائل میں ہٹلر نے جرمنی کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد جرمنی میں یہودیوں کو اعلیٰ عہدوں سے برخاست کر دیا۔

اس کے رد عمل کے طور پر یہودیوں نے جولائی 1933 میں ایسٹرڈم کے اندر ایک عالمی یہودی کانفرنس منعقد کی اور ہٹلر سے مطالبہ کیا کہ برخاست شدہ یہودیوں کو فوری طور پر ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کیا جائے ورنہ۔۔۔

ہٹلر نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر صیہونی نمائندے (جو اس سے قبل امریکی حکومت کو

بلک میل کرنے کے عادی ہو چکے تھے) امریکہ واپس آئے اور جرمنی کے خلاف یکطرفہ معاشی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ امریکہ کے اندر بیٹھ کر ان یہودی نمائندوں نے امریکی حکومت کی شبہ پر جرمنی کے خلاف معاشی پابندیاں نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ یہودیوں کے نمائندے سیموئل انترمیر (Samuel Untermyer) نے ریڈیو پر تقریر کی جو بعد ازیں نیویارک ٹائمز کے شمارہ 7 اگست 1933 میں ”مقدس جنگ“ کے عنوان سے چھپی۔ سیموئل انترمیر نے ہٹلر کو لکھا اور معاشی بائیکاٹ کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

"The Jews are the aristocrats of the world... Our campaign is... the economic boycott against all German goods, shipping and services... What we are proposing... is to prosecute a purely defensive economic boycott that will undermine the Hitler regime and bring the German people to their senses by destroying their export trade on which their very existence depends... Each of you, Jew and Gentile alike... must refuse to deal with any merchant or shopkeeper who sells any German-made goods or who patronizes German ships or shipping."

ترجمہ: ”ہم یہودی دنیا کے اشرافیہ ہیں۔ ہماری مہم جرمنی کی تمام اشیاء، بحری جہازوں اور سروسز کا مکمل بائیکاٹ ہے۔ ہماری یہ معاشی بائیکاٹ کی تجویز دفاعی نوعیت کی ہے تاکہ جرمن برآمدات جن پر جرمنی کی زندگی کا انحصار ہے کو تباہ کر کے جرمن عوام کے ہوش ٹھکانے لائے جائیں۔ تم سب، یہودی اور غیر یہودی لوگ ان تم سوداگروں اور دکانداروں کا بائیکاٹ کرو گے جو اپنی دکانوں پر جرمن اشیاء فروخت کریں گے یا جرمن بحری جہازوں کی سرپرستی کریں گے۔“ گویا امریکی ریاست کے اندر بیٹھ کر یہودی جرمنی کے خلاف عالمی معاشی پابندیوں کا اعلان کر رہے تھے۔ امریکی حکومت تماشہ دیکھ رہی تھی یا در پردہ یہودیوں کی جرمنی پر فتح کا انتظار کر رہی تھی۔

پوری دنیا کے یہودی اکٹھے ہو گئے اور نازی جرمنی اور ہٹلر کے خلاف معاشی جنگ کا اعلان کر دیا۔ یہودی بڑے خوش تھے کہ بہت جلد یا تو ہٹلر جھک کر پاؤں میں آگرے گا یا پھر جرمن عوام اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے اسلئے کہ جرمنی کی خوراک کی دو تہائی ضروریات باہر سے برآمد شدہ خوراک سے پوری کی جاتی تھیں۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ جب جرمن عوام سڑکوں پر بھوکے مریں گے تو نازی خود بخود عالمی صیہونیت کے آگے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں انہیں یہودی ماں کے وطن سے جنم لینے والے (مطلب یہودی)

امریکی صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ کی پوری آشیر باد حاصل تھی۔ مگر نتیجہ صیہونی قیادت اور امریکی صدر کے اندازوں کے بالکل برعکس نکلا۔ ہٹلر نے یہودیوں کو جرمنی سے نکل جانے کی پٹیکش کی جو ٹھکرا دی گئی۔ اس پر جرمن نازی قیادت نے یہودیوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی اور یہودی جرمنی سے بھاگنا شروع ہو گئے۔ یہودیوں کو جلد اندازہ ہو گیا کہ اس دفعہ ان کا واسطہ کسی اور طرح کی قیادت سے پڑا تھا۔ بہر صورت اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ ہے۔۔۔

1871 میں امریکی جرنیل البرٹ پانک (جو فری مین تحریک کا چیف کمانڈر تھا اور اس عہدہ پر 1859 سے لیکر 1891 یعنی بیس سال تک فائز رہا) نے تین عالمگیر جنگوں کی منصوبہ بندی کچھ اس طرح سے کی۔ پہلی جنگ عظیم کا مقصد زار روس کا تختہ الٹ کر اس کی جگہ کیونززم اور مذہب دشمن حکومت کا قیام۔ اس جنگ میں جرمنی اور برطانیہ کے درمیان سیاسی کشمکش کو استعمال کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کا بندوبست جرمن فاشیزم اور برطانوی جمہوریت کے ٹکراؤ سے کیا گیا۔ اس کا مقصد عالمی سرمایہ دارانہ اداروں کا قیام تھا۔ البرٹ پانک کی منصوبہ بندی کے مطابق تیسری عالمی جنگ عالم اسلام اور صیہونی طاقتوں کے درمیان لڑی جائے گی جس میں امریکہ اور یورپ کی مدد سے عالم اسلام کو تباہ کر کے ایک عالمی صیہونی ریاست قائم کی جائیگی۔ البرٹ پانک نے 15 اگست 1871 کو اٹلی میں اپنے ایک دوست جرنلسٹ اور سیاسی ورکر گوز پی میزانی (Giuseppe Mazzini) کو ایک خط لکھا جو اس وقت برٹش میوزم لندن کی لائبریری کے اندر موجود ہے (یہ گوز پی میزانی صیہونی خفیہ تنظیم "Illuminati" کا کٹر رکن اور انتہا پسند صیہونی تھا)۔ خط کے مندرجات ملاحظہ فرمائیے:

"We shall unleash the nihilists and the atheists and we shall provoke a great social cataclysm which in all its horror will show clearly to all nations the effect of absolute atheism; the origins of savagery and of most bloody turmoil. Then everywhere, the people will be forced to defend themselves against the world minority of the world revolutionaries and will exterminate those destroyers of civilization and the multitudes disillusioned with Christianity whose spirits will be from that moment without direction and leadership and anxious for an ideal, but without knowledge where to send its adoration, will receive the true light through the universal manifestation of the pure doctrine

of Lucifer brought finally out into public view. A manifestation which will result from a general reactionary movement which will follow the destruction of Christianity and Atheism; both conquered and exterminated at the same time "

ترجمہ: ”ہم پوری دنیا کے اندر یاسیت پسند اور خدا سے انکار کرنے والوں کو کھلا چھوڑ دیں گے اور ہم ایسے بہت بڑا سماجی ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ دنیا کے سامنے خدا کے منکروں کی دہشت اور خباثت کھل کر سامنے آجائے گی۔ اس کے نتیجہ میں بدترین قسم کی بربریت اور خونی دھینگا مشقی پیدا ہوگی۔ انقلابیوں کی ایک چھوٹی اقلیت کے سامنے پوری دنیا کے عوام اپنی آپکوبے بس محسوس کریں گے۔ یہ انقلابی جتنے عیسائیت پسندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے جن کے پاس محض آئیڈیلزم ہوگا مگر قیادت نہ ہوگی۔ اس وقت ”لوسی فر“ (ابلیس) کی قیادت نمودار ہوگی۔ یہ قیادت ان حالات کے خلاف رد عمل کے طور پر پیدا ہوگی اور بیک وقت عیسائیت اور الحاد پرستوں کا خاتمہ کر دے گی۔“

تھیوڈور ہرزل (جو بعد میں عالمی صیہونی تنظیم کا صدر بن گیا) کی ڈائری میں سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"It is essential that the sufferings of Jews become worse, this will assist in realization of our plans. I have an excellent idea I shall induce anti-Semites to liquidate Jewish wealth. The anti-Semites will assist us thereby in that they will strengthen the persecution and oppression of Jews. The anti-Semites shall be our best friends."

ترجمہ: ”یہ ضروری ہے کہ یہودیوں کی مشکلات میں اضافہ ہو۔ اس سے ہمارے مقاصد کے حصول میں آسانی ہوگی۔ میرے ذہن میں ایک بہترین منصوبہ ہے۔ میں یہود دشمنوں کو برا بیچنے کروں گا کہ وہ یہودیوں کی دولت پر قبضہ کر لیں۔ جب یہودیوں پر ظلم اور ان کی اموات واقع ہوگی تو ہمیں فائدہ ہوگا۔ اور ہم یہود دشمنوں کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھیں گے (کیونکہ اس سے یہودی جنگ آکر اسرائیل کی طرف نقل مکانی کریں گے)۔“

انتہا پسند یہودی قیادت نے دنیا کے یہودیوں اسرائیل اور چند چیدہ چیدہ ممالک میں اکٹھا کرنے کیلئے مختلف ممالک میں ایک سازش کے تحت عام یہودیوں کے خلاف ناپادہی کا رروائی شروع کروائی تاکہ وہ

وہاں سے نقل مکانی کر کے عالمی صیہونیت کے منتخب کردہ مقامات پر جا کر آباد ہوں۔ اس مقصد کیلئے روس، پولینڈ، بلغاریہ اور رومانیہ جیسے غیر اہم ممالک سے ان کو اسرائیل اور امریکہ کی طرف نقل مکانی کروائی گئی۔ یہ یہودیوں کے خلاف ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق تادیبی کارروائیاں کروائی گئیں جس کے نتیجہ میں صرف متذکرہ بالا ممالک سے تقریباً دو ملین یہودی نقل مکانی کر کے امریکہ کی مختلف ریاستوں میں جا کر آباد ہوئے۔

صیہونیت عام معنوں میں محض ایک مذہب یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ اس کے بے حد توسیعی عزائم ہیں۔ ان لوگوں نے جان بوجھ کر فلسطین کا مسئلہ برقرار رکھا ہوا ہے۔ اسی جھگڑے کو بنیاد بنا کر ان لوگوں نے مصر، شام اور اردن کی زمینوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ہر روز شام کے اندر فضائی دراندازی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسرائیل اور عالمی صیہونیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یہ "جائٹ ایکشن کمیٹی" ہے۔ ان کے تو سمیع پسندانہ عزائم ان کی ہر پالیسی سے ظاہر ہیں۔ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان کوئی مشترک سرحد یا سرحدی تنازعہ نہیں ہے مگر اسرائیل، پاکستان کے وجود کو محض اسلئے تسلیم نہیں کر رہا کہ پاکستان ایک نظریاتی مذہبی اسلامی ریاست ہے۔ یہودی تاریخ کو نہیں بھولے۔ اسلام کے ساتھ ان کی دشمنی پندرہ سو سال پرانی ہے جبکہ عیسائیت کے ساتھ اس کی دشمنی دو ہزار سال سے پرانی ہے۔ وہ اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں جس کیلئے یہ ساری پیش بندیاں کی جا رہی ہیں۔ اس وقت اسرائیل کے اندر مسلمانوں کے خلاف یہ نعرہ گونج رہا ہے:

"Khyber was your last chance"

ترجمہ: "خیبر تمہاری (مسلمانوں کی) کی آخری فتح تھی۔"

اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریون (David Ben Gurion) نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس کی سار برون یونیورسٹی میں یہودیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "عرب ہمارے دشمن ہیں لیکن ہمارا سب سے بڑا دشمن پاکستان ہے۔ بین الاقوامی صیہونی تحریک کو پاکستان کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے۔ پاکستان ہمارا حقیقی نظریاتی دشمن ہے۔ پاکستان؛ ذہنی و فکری سرمایہ اور جنگی عسکریت و قوت ہمارے لئے کسی بھی وقت مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ بھارت سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید بھی ہے۔ ہمیں اس تاریخی عناد سے لازمی فائدہ اٹھانا چاہئے جو ہندو پاکستان اور اس میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی دشمنی ہمارے لئے زبردست سرمایہ ہے۔" (ریڈنٹل پوسٹ 9 اگست 1967ء)

اسرائیل مانفی میں عراق اور ایران کے کئی ایٹمی سائنسدانوں کا چھپا کر کے ان کو مار چکا ہے۔ 7 جون

1984 کو اسرائیل نے عراق پر حملہ کر کے اس کا ایٹمی ریکٹر تباہ کر دیا اور اس کے سائنسدان ملے بے کمر مر گئے۔ اسرائیل کے خلاف نہ تو اقوام متحدہ کی جانب سے کوئی کارروائی کی گئی اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی معاشی پابندیاں لگیں اسلئے کہ مغربی ممالک کی جان عالمی صیہونیت کے ہاتھ میں ہے۔

پاکستان نے 28 مئی 1998 کو ایٹمی دھماکہ کر کے اپنے ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسرائیل کو اس دھماکہ کی پیشگی خبر ہوئی تو اس نے پاکستان کے ایٹمی دھماکہ سے ایک روز قبل ہندوستان کے ذریعہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کا منصوبہ بنالیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی نیبی مدد ہے کہ جب اسرائیلی طیاروں کے چھ سکوادرن اسرائیل سے اڑ کر بھارت کی جانب پرواز کر رہے تھے تو اس وقت انہیں سعودی عرب کے اواکس طیاروں نے دیکھ لیا۔ انہیں شک گزرا اور انہوں نے فوری طور پر اپنی یہ معلومات پاکستان کو منتقل کر دیں۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے بروقت کارروائی کرتے ہوئے ہندوستان میں پاکستانی سرحد کے قریب اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا۔ رات بارہ بجے کے قریب بھارتی سفیر کو پاکستان کے دفتر خارجہ میں طلب کیا گیا کہ ہندوستان کو مطلع کر دیا جائے کہ ان طیاروں کے پاکستان کی جانب بڑھنے سے قبل ہندوستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائیگی۔ اس انتخاب کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اسرائیلی طیارے ناکام واپس لوٹ گئے۔

22 فروری 2020 کو اسرائیل نے ایک مرتبہ پھر بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کے خلاف فضائی جارحیت کی اور پاکستان کے علاقوں میں گھس کر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ پاکستانی ائرفورس نے انہیں بالاکوٹ کے علاقہ سے مار بھگا دیا۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنے جدید ترین میزائل بھی پاکستانی علاقہ میں پھینک گئے جو پاکستان کے ہاتھ لگے۔ جوابی حملہ کے طور پر پاکستانی فضائیہ نے 27 فروری 2020 کو ہندوستان کے قبضہ شدہ علاقہ مقبوضہ کشمیر پر حملہ کیا تو مقابلہ میں جو طیارے آئے ان میں اسرائیلی طیارے بھی شامل تھے۔ پاکستان نے ان کے دو طیارے مار گرائے۔ ان دونوں کے اندر اسرائیلی پائلٹ موجود پائے گئے۔ ان میں سے ایک پائلٹ ہندوستان کی حدود میں جا کر گرا اور ہلاک ہوا اور دوسرا پائلٹ پاکستان کے اندر قیدی بنایا گیا۔ اسرائیل کے خلاف کوئی بین الاقوامی پابندیاں عائد نہیں کی گئیں اسلئے کہ وہ صیہونیت کا چہیتا بچہ ہے اور اسے مغرب نے کھلی غنڈہ گردی کا لائسنس دے رکھا ہے۔

اسرائیل کی موساد پوری دنیا کے اندر کھلم کھلا کارروائیاں کر رہی ہے۔ غیر ملکی اعلیٰ عہدیداروں سے لیکر ایٹمی سائنسدانوں کے قتل تک اس کی کارروائیوں میں شامل ہیں۔ حتیٰ کہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے قتل میں بھی موساد کا نام آتا ہے۔ موساد کو ہر مقام پر امریکی سی آئی اے اور برطانوی ایم۔ آئی۔ سیکس (MI6) کی حمایت حاصل رہتی ہے۔

صیہونیت پوری دنیا کے مذاہب اور ریاستوں کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ ایک عالمی ”صیہونی بادشاہت“ قائم کرنا چاہتی ہے۔ یہ پوری شد و مد کے ساتھ پوری دنیا کی ریاستوں، مذاہب اور معاشروں کے خلاف بدترین سازشوں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے پوری دنیا کی معیشتوں کو سود و رسود کے ایجنی چکروں میں جکڑ لیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کی حکومتوں کو انہوں نے مکمل طور پر یرغمال بنایا ہوا ہے۔ ان ترقی یافتہ ممالک کی سیاسی قیادت کو ان لوگوں نے بھاری رشوت اور مفادات کا لالچ دیکر کرایہ پر لے رکھا ہے۔ نیٹو اور عالمی پرائیویٹ فوجیں ان کے پے رول پر ہے۔ اسلحہ ساز فیکٹریاں ان کی اپنی ملکیت ہیں۔ یہ امریکہ، یورپ، نیٹو اور پرائیویٹ فوج کے ذریعہ پوری دنیا کے خلاف لشکر کشی کر رہے ہیں۔ عیسائی یورپ کے ذہنوں پر جنسی شہوت سوار کر کے ان کی نسلوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے دین عیسیٰ اور عیسائی اخلاقیات کا جی بھر کر مذاق اڑایا ہے۔ حتیٰ کہ ہم جنسوں میں مردوں کی مردوں کے ساتھ اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ شادیوں اور اختلاط کو رواج دیکر عیسائی دنیا کا سماجی اور خاندانی نظام تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا یہودی ریاست اسرائیل میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے یا پھر ہم جنس پرستی کا یہ ”نسخہ“ صرف عیسائی دنیا کیلئے ہی بطور خاص تیار کیا گیا ہے؟ ان لوگوں نے مسیحی دنیا سے جی بھر کر انتقام لیا ہے۔ انہوں نے عیسائی نسلوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

صیہونی سرمایہ داروں نے دنیا کی تمام مملکتوں کو اپنی مارکیٹ اور سرمایہ کی زنجیروں میں اس حد تک جکڑ لیا ہے کہ اب اس سے باہر نکلنے کا سوائے ایک عالمی جنگ یا عالمی خانہ جنگی کے اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ بصورت دیگر تمام ریاستوں، معاشروں اور مذاہب کو عالمی صیہونیت کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہونگے۔ لہذا عالمی سیاست کا جائزہ لیتے وقت ہم اسرائیل اور عالمی صیہونیت اور اسرائیلی ریاست کی مشترکہ حکمت عملی کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کے پیچھے یہی صیہونی قوتوں کا ذہن اور ذرائع کار فرما تھے۔ ان دونوں عالمگیر جنگوں کا نقشہ اور ان کی ترتیب انہی صیہونی طاقتوں کی ذہنی اختراع تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے نتیجہ میں زار روس کے تختہ الٹ کر وہاں ”لینن ازم“ قائم کر دیا گیا اور جرمنی کو تباہ جنگ کے ناقابل برداشت بوجھ تلے دبا کر اسے عالمی ساہوکاروں کا مقروض کر دیا گیا۔ اسی طرح امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں (فرانس، برطانیہ وغیرہ) بھی اپنے جنگی اخراجات پورے کرنے کیلئے ان عالمی ساہوکاروں کی معاشی غلام بن گئیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ برطانیہ کنگال ہو کر اپنی نوآبادیات سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسی طرح فرانس اور دوسری مغربی طاقتیں بھی اپنی نوآبادیات گنوا کر اپنی علاقائی حدود تک محدود ہو کر رہ گئیں۔

مریکہ جنگی اخراجات کے بوجھ تلے دب گیا۔ مطلب یہ کہ تمام بڑی طاقتیں عالمی ساہوکاروں سے قرضہ لینے اور ان کے معاشی غلام بننے کیلئے تیار ہو گئیں۔

عالمی معیشت پر اس وقت ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور ماورائے ریاست اداروں کا قبضہ مضبوط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پوری دنیا اس کا شکار ہے۔ پوری دنیا کے اندر اس عالمی اجارہ داری اور استحصال کے خلاف احتجاج کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں مگر نادانی کی انتہا دیکھئے کہ اصل سوال کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دے رہا۔ اصل سوال یہ ہے کہ ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز کا مالک کون ہے؟ عالمی بینک، کاری اور سرمایہ کے نظام پر قابض لوگوں کی شناخت کیا ہے؟ کیا ان کے مالکان مریخ یا کسی دوسرے سیارہ پر رہائش پذیر ہیں یا پھر اسی زمین کے باسی ہیں؟ ماورائے ریاست اداروں یعنی آئی۔ ایم۔ ایف، عالمی بینک، ڈبلیو۔ ٹی۔ او اور اقوام متحدہ کو سرمایہ کون فراہم کر رہا ہے اور کن شرائط پر فراہم کر رہا ہے؟ کیا یہ سرمایہ امریکہ یا کوئی دوسری قوی ریاستیں فراہم کر رہی ہیں۔ امریکہ تو خود بائیس ٹریلین ڈالر کا مقروض ہے؟ اگر یہ سرمایہ قومی ریاستیں فراہم نہیں کر رہی ہیں تو وہ کونسے پرائیویٹ ادارے ہیں جو ان اداروں کے ذریعہ پوری دنیا کو سود پر قرضہ فراہم کر رہے ہیں؟ قومی حکومتیں ہر سال اپنے سالانہ بجٹ میں کئوتیاں کر کے سود کی مد میں جو بلین ڈالر کا سود ادا کر رہی ہیں وہ سود کن سود خوروں کو ادا کیا جا رہا ہے؟ ماورائے ریاست اداروں کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے اور کون کن کی ڈوریاں ہلا رہا ہے؟

یہودی ایک سازش کے تحت اپنے ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے لڑا کر اپنے آپکو محفوظ کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ صلیبی جنگیں شروع کروانے سے لیکر آج تک وہ اسی حکمت عملی پر کاربند چلا آ رہا ہے۔ اگر یہود نے مسلمانوں اور عیسائی چرچ کے درمیان صلیبی جنگیں شروع نہ کروائی ہوتیں تو یورپ سے یہودیت کا بہت پہلے صفایا ہو چکا ہوتا۔ صلیبی جنگیں عالمی صیہونیت کی بہت بڑی فتح تھی جس کے ذریعہ یہودی نے اپنے دونوں دشمنوں (یعنی مسلمان اور عیسائی) کو مغلوب کر کے رکھ دیا اور اپنی طرف سے توجہ منعطف کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ موجودہ حالات میں اس نے ایک مرتبہ پھر سے سٹیج کو اس طرح سیٹ کیا ہے کہ مسلمان اور عیسائی طاقتیں آپس میں لڑ کر گھائل ہو جائیں اور اپنی توانائی ضائع کر لیں اور اس تباہی کی راہ سے صیہونیت کی ایک عالمی حکومت پیدا کی جائے۔ اگر اس جنگ کا رخ تبدیل نہ کیا گیا تو عیسائی اور اسلامی قوتیں یقینی طور پر خسارہ میں رہیں گی اور ان دونوں کا مشترکہ دشمن یعنی یہودی فتیاب ہوگا۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ مسکنی دنیا اور دیگر مذاہب اور ثقافتیں اپنی اپنی جگہ پر عالمی صیہونیت کے خلاف ایک انفرادی اور مشترکہ محاذ قائم کریں۔

اس وقت عالمی صیہونیت نے عیسائی ریاستوں کو ریغمال بنا رکھا ہے اور ان کی تہذیب و تمدن کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہودی نے نہایت عیاری کے ساتھ اپنے اصل اغراض و مقاصد کو عیسائی دنیا سے چھپا رکھا ہے۔ یورپ کو سیکولر ازم کا درس دینے کے پیچھے بھی دراصل یہی محرکات کارفرما ہیں کہ اس نے عیسائی دنیا کے اندر سیکولر ازم کی مائع کاری کے ذریعہ اپنے آپکو چھپا رکھا ہے۔ یہودیت روز اول سے ہی دین عیسیٰ کی دشمن رہی ہے۔ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت بی بی مریم کی ذات بابرکت کے خلاف وہ غلیظ زبان استعمال کی ہے کہ انسانی اخلاقیات اور ہماری مذہبی اقدار اس کو دہرانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وہ گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ کو پھانسی کے پھندے تک لیکر گیا مگر آج نہایت سادگی کے ساتھ معصوم بنا بیٹھا ہے اور عیسائی دنیا کو مسلمانوں سے لڑانے کیلئے اپنا ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ ایک عام مسیحی ان تاریخی حقائق سے بے خبر ہے۔ گر جا کے پادری اور مسیحی دنیا کے بڑے سیاستدان خوف اور ذاتی لالچ کی وجہ سے بنیادی تاریخی حقائق کو فراموش کر کے عالمی صیہونیت کا حصہ بنے بیٹھے ہیں۔ نازی ہٹلر (ہٹلر عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا تھا) نے ان کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد انہیں ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا تھا۔

اسرائیل ایک صیہونی ریاست ہے۔ یہ پوری دنیا سے مخاصمت رکھنے والا ایک نسلی قبیلہ ہے۔ عالمی صیہونیت، عالمی سرمایہ داری اور اسرائیل ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔ اسرائیل عالمی صیہونیت کا ریاستی مورچہ ہے۔ اس کے پیچھے عالمی صیہونیت کی بے پناہ طاقت اور ذرائع ہیں۔ اگر اسرائیل دنیا کے نقشہ سے غائب بھی ہو جائے تو عالمی صیہونیت پھر بھی زندہ رہے گی اسلئے کہ اس کا وجود عالمی سرمایہ داری کے نطن میں پیوستہ ہے۔ عالمی صیہونیت دنیا کے تمام مذاہب اور ثقافتی یکشریت کی دشمن ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کئے بغیر عالمی صیہونیت کے زہریلے سانپوں سے نجات ممکن نہیں ہے۔

صیہونیوں نے نہایت چابکدستی کے ساتھ مغرب کی عیسائی حکومتوں کے ارباب اختیار کو خرید کر اور اپنے ملکیتی اور زر خرید میڈیا کی خدمات کو بروئے کار لاتے ہوئے عیسائی دنیا کی نفرت کا منہ مسلمانوں کی طرف موز دیا ہے اور اپنی عیسائی دشمنی کو پردہ کے پیچھے چھپا رکھا ہے۔ ان لوگوں نے میڈیا پر وہ پیگنڈہ کے ذریعہ پوری دنیا کے اندر ”اسلام فوبیا“ پھیلا رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والی صلیبی جنگوں کی نفرت کے ورثہ کو ابھارا جا رہا ہے حالانکہ صلیبی جنگوں کا تانا بانا بھی ان ہی یہودیوں کا بنایا ہوا تھا۔ یہ صلیبی جنگیں یہودی سازشوں اور دونوں جانب لگائی بجھائی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی تھیں جس میں لاکھوں مسلمانوں اور عیسائیوں کا خون بہا اور یہ یہودی اپنے مشترکہ دشمن یعنی مسلمانوں

اور عیسائیوں کا خون بہتا دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور مستفید ہوتے رہے۔

اسلامی دنیا کے خلاف عیسائی مغرب کی جنگ زیادہ تر یہودی میڈیا کی پیدا کردہ جنگ ہے۔ یہودی میڈیا عیسائی دانشوروں کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دے رہا کہ وہ پلٹ کر اصل تاریخی حقائق اور مذہبی سچائیوں کا ادراک کر سکیں۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ پیغمبر مانتے ہیں اور حضرت بی بی مریم کے تقدس اور پاکدامنی کی شہادت خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ مسلمان وضو کے بغیر حضرت عیسیٰ اور پاکدامن بی بی مریم کا ذکر نہیں کرتے مگر یہودی حضرت عیسیٰ اور ان کی پاکدامن والدہ محترمہ کو بر ملا غلط گالیاں دیتے ہیں۔ اس کے باوجود عیسائی دنیا کے دوست بنے بیٹھے ہیں اور اسلام کے خلاف عیسائی دنیا کی جنگ شروع کروا رکھی ہے۔

3 انسانی نسل کشی کی منصوبہ بندی سامراج نسل انسانی کی اجتماعی نسل کشی چاہتا ہے!

نسل انسانی کا خاتمہ یا افزائش نسل پر پابندی کی بہت سی مثالیں ہمیں انسانی تاریخ سے ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیم کے وقت کا بادشاہ نمرود اپنے مخالفین کی بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا مگر ان کے بچوں کو قتل کر دیتا تھا۔ اسی طرح فرعون مصر کا بھی یہی دستور تھا۔ وہ بنی اسرائیل کی بچیوں کو تو زندہ رہنے دیتے تھے مگر ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ ان کا اپنے مخالفین کی نسل کو ختم کرنے کا ایک طریقہ تھا جو بالآخر ناکام رہا۔ یہ خدا کے خلاف براہ راست جنگ کا اعلان تھا مگر اس میں انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ آج کا صیہونی قبیلہ بھی اسی راستہ پر چل نکلا ہے۔ انہوں نے بھی پہلے تو مختلف خفیہ طریقوں اور خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ نسل آدم کی نسل کشی کی کوشش کی مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ملنے پر اب براہ راست حیاتیاتی، کیمیائی اور برقی شعاعوں کے ذریعہ وسیع پیمانے پر نسل انسانی کے خاتمہ کی تراسی استعمال کرنا شروع کر دی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ عالمی صیہونی سرمایہ داری نے ایک مرتبہ پھر خدا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔

دوسروں کی تباہی اور بربادی سرمایہ دارانہ نظام کی سرشت میں داخل ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ منڈی میں پیداوار زیادہ ہو جائے تو منڈی میں مصنوعی قلت پیدا کرنے اور شرح منافع کو بہتر رکھنے کیلئے زائد پیداوار کو تباہ کر دیا جاتا ہے تاکہ منافع کی شرح گرنے نہ پائے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مطابق انسان بھی منڈی ہی کی ایک جنس ہے۔ اب چونکہ ٹیکنالوجی میں انقلاب کی وجہ سے منڈی میں افرادی قوت کی ضرورت کم رہ گئی ہے اور منڈی کی ضروریات کے مقابلہ میں انسانی آبادی زیادہ ہے اسلئے عالمی سرمایہ داروں نے زائد آبادی کو اجتماعی سطح پر برقی، حیاتیاتی اور کیمیائی طریقوں سے مارنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ عالمی سرمایہ داروں کی بحرمانہ ذہنیت کا عکس ہے کہ عالمی دولت کی منہ فائدہ اور از سر نو تقسیم

کی بجائے انسانوں کو مارنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

عالمی سرمایہ دار گروہ ایک عرصہ سے نہایت خاموشی کے ساتھ نسل انسانی کے قتل عام کا عمل جاری رکھے ہوئے ہیں مگر دانشوروں نے اس پر تنقید کی سے توجہ نہیں دی اور 'قتل عام' کا یہ مسئلہ نظروں سے اوجھل رہا۔ بل گینس جیسے ہزاروں قاتلوں نے مختلف این جی اوز کے روپ میں تیسری دنیا (خاص کر اسلامی ممالک کے اندر) زچہ بچہ کی صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کے پردے تلے لکھو کھ بانسانوں کی خفیہ طور پر نسل کشی کی ہے۔ عالمی بینک اور آئی ایم ایف نے ترقی پذیر ملکوں پر قرضہ کے حصول کیلئے "خاندانی منصوبہ بندی" کی شرط عائد کی۔ مختلف ممالک کے اندر سرکاری سطح پر خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ شروع کر دیا گیا اور اس کی افادیت ظاہر کرنے کیلئے بڑے بڑے سمینار کروائے گئے۔ کوئٹہ اندیشہ مذہبی شخصیات کو استعمال کیا گیا اور ان سے خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں فتوے لئے گئے۔ کراچی پر لئے گئے دانشوروں کے ذریعہ میڈیا پر پروگرام کروائے گئے۔ میڈیا پر "خاندانی منصوبہ بندی" اور "زچہ بچہ" کی صحت کے نام پر بنائے گئے پروگراموں کو وسیع پیمانی دی گئی اور انہیں عوام الناس کیلئے منفعت بخش قرار دے کر سادہ لوح لوگوں کو "انسانی نسل کشی" پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی گئیں جو کسی نہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔

آبادی میں کمی کرنے کیلئے خانہ جنگیاں شروع کروائی گئیں۔ مختلف علاقوں میں ایک طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت وہاں خوراک کی فراہمی بند کر کے یا وہاں اناج کی فصلیں تباہ کر کے مصنوعی قحط پیدا کئے گئے اور ہزار ہا انسانوں کو مار دیا گیا۔ بعد ازیں "انسانی ہمدردی" کے پرچم تلے مختلف ادویات کے اندر جنسی بانجھ پن کا مواد شامل کر کے وہاں کی نسل کشی کی گئی اور وہاں افزائش نسل کو یا تو روک دیا گیا یا بہت ہی کم کر دیا گیا۔ جب اس سے بھی بات نہ بنی تو "کرونا" کے نام سے "عالمی وبا" لے آئے۔ اب مغرب کے مختلف طبقوں کی جانب سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ "کرونا" کے علاج کے بہانے ایک ایسی ویکسین تیار کی جاری ہے جس سے نسل کشی کے عمل کو تیز تر کیا جاسکے۔ ایسی ویکسین کی تیاری کے بارے میں بل گینس عالمی میڈیا کے سامنے اس کا اعتراف بھی کر چکے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ کرونا جیسی اور بھی بہت سی بلائیں صیہونی سرمایہ داروں کی لیبارٹریز کے اندر تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ گویا عالمی صیہونیت نے انسانیت کے خلاف حیاتیاتی جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔

عالمی سرمایہ دار مافیا تیسری دنیا کے عوام کو گھانس پھونس اور غیر ضروری مخلوق تصور کرتا ہے۔ وہ تیسری دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کو عالمی استعمار کیلئے خطرہ خیال کرتا ہے۔ وہ تیسری دنیا کے اندر عالمی استعماریت کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت اور عسکریت پسندی سے خوفزدہ ہے اس لئے وہ بر ملا جنگ کا اعلان کئے بغیر

حیاتیاتی جنگ کے ذریعہ تیسری دنیا کے کروڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے مگر ابھی تک چیزیں اس کے قابو میں نہیں آرہیں۔ وہ مخصوص علاقوں کے اندر مخصوص گروہوں کو نشانہ بنانا چاہتا ہے مگر اس کی حیاتیاتی تحقیق ابھی تک اس سطح پر نہیں پہنچ پائی اور اسے اپنے مذموم مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی کے امکانات نظر نہیں آرہے۔ اس کا کرونا کا تجربہ بھی بری طرح ناکام ہوا ہے اسلئے کہ اس نے ان علاقوں کو بھی گھیرے میں لے لیا ہے جسے غالباً وہ بچانا چاہتا تھا۔ یا شاید کسی نامعلوم جانب سے اس پر کوئی مخالف حملہ ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ شہنا گیا ہے۔

یہ تاریخ کے ریکارڈ کی بات ہے کہ شرکی قومیں آسانی سے اپنا راستہ تبدیل نہیں کیا کرتیں۔ یہ اس وقت تک اپنا راستہ تبدیل نہیں کرتیں جب تک کہ ان کے خلاف برملا جنگ کا اعلان کر کے انہیں شکست فاش سے دوچار نہیں کر دیا جاتا۔ عیسائی تہذیب کو عالمی مسیحیت اپنے پھیلائے ہوئے فکری انتشار کے نتیجہ میں مسمار کر چکی ہے۔ اب صرف چینی اور اسلامی تہذیبیں ہی باقی رہ جاتی ہیں جو اس کا مقابلہ کریں گی۔ چین کی طاقت اس کے ریاستی اداروں کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس کے پاس چینی ریاست کے متبادل کے طور پر سامراج دشمن ”غیر ریاستی“ کھلاڑی نہیں ہیں اسلئے سامراج کو چین سے وہ خطرہ نہیں ہے جو اسے عالم اسلام کے ”غیر ریاستی کھلاڑیوں“ سے ہے۔ عالمی استعمار چین کو دیگر ریاستی ذرائع سے زیر کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے روس کو کر لیا تھا۔ اسلامی دنیا کی طاقت چونکہ اسلامی ریاستوں کی بجائے یہاں کے عوام اور ”غیر ریاستی کھلاڑیوں“ میں ہے اسلئے عالمی استعمار کو اصل خطرہ اسلامی تہذیب سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سو پچھترے منصوبہ کے تحت عالمی سامراج عالم اسلام پر یک وقت بھر پور ثقافتی، معاشی، عسکری اور حیاتیاتی حملہ کر کے اسے ختم کرنے کی منصوبہ بندی رکھتا ہے۔ لیکن اپنے اصل مقاصد کو چھپانے اور تہذیبوں کی جنگ سے بچنے کیلئے وہ پردہ کے پیچھے رہ کر حملہ کر رہا ہے تاکہ دنیا کو اس جنگ کے اصل مقاصد اور حجم کے بارے میں مکمل آگاہی نہ ہو سکے۔

دنیا کی آبادی کے خاتمہ کی ننگو عالمی سامراج کے کبھی دانشوروں اور منصوبہ سازوں کی زبان پر ہے۔ سی این این (CNN) میڈیا ہاؤس کا بانی اور اقوام متحدہ کا ایک بڑا مالی مددگار ٹیڈ ٹرنر (Ted Turner) کہتا ہے کہ دنیا کی آبادی میں بچپانوں سے فیصد تک کمی ہونی چاہئے اور اس کم کر کے پچیس سے تیس کروڑ تک لانا چاہئے۔ وہ کہتا ہے:

"A total population of 250-300 million people, a 95% decline would be

ideal."

(Ted Turner, founder of CNN and major United Nations contributor)

ترجمہ: ”دنیا کی مثالی آبادی پچیس یا تیس کروڑ ہونی چاہئے۔“

ہنری کسنجر صیہونیت کا عالمی لٹھ بردار ہے۔ وہ امریکی صدر فورڈ اور نکسن کے دور حکومت میں ایک طویل عرصہ کیلئے امریکہ کا سیکرٹری آف سٹیٹ (امریکی وزیر خارجہ) رہا ہے۔ وہ عالمی صیہونی اداروں نرائی لیٹرل کمیشن اور بلڈر برگ کا سرگرم رکن ہے۔ وہ آج بھی امریکہ میں صیہونیت اور اسرائیل کی سیاست کا اہم ستون شمار کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"Depopulation should be the highest priority of foreign policy towards the third world, because the US economy will require large and increasing amounts of minerals from abroad, especially from less developed countries. The world's population needs to be reduced by 50%, and the elderly are useless eaters". (Dr. Henry Kissinger)

ترجمہ: ”تیسری دنیا میں آبادی کو ختم کرنا امریکی خارجہ پالیسی کی اولین ترجیح ہونی چاہئے کیونکہ امریکی معیشت کو بیرون ملک، خاص طور پر تیسری دنیا میں معدنیات کے حصول از حد ضرورت ہے۔ دنیا کی نصف آبادی کو کم کرنا ضروری ہے۔ یہ یوزر بیکار لوگ ہیں اور محض اناج کو بے جا کھا جائیں (اس لئے انہیں ختم کر دینا چاہئے)۔“

وہ برملا یہ تجویز دیتا ہے کہ امریکی امداد کو جبری نسل بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کے ساتھ مشروط کیا جائے اور جو لوگ اس پر عمل نہ کریں انکو کروڑوں کی تعداد میں ختم کیا جائے اور ان کی خوراک کی امداد روک دی جائے۔ وہ تیسری دنیا کے انسانوں کو ”غیر ضروری“ آبادی قرار دیتا ہے۔ یہ برملا انسانی نسل کشی کا اعلان ہے۔

گلوبل ریسرچ کے 6 اپریل 2020 کے شمارہ میں شائع میں اسی ہنری کسنجر کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ اس میں اس نے کہا ہے:

”عالمی وبا کو ناواؤس کے نتیجہ میں عالمی نظام ہمیشہ کیلئے تبدیل ہو جائیگا۔“

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عالمی وبا کی یکے بعد دیگرے بہت سی لہریں آئیں گی اور اپنے ساتھ عالمی نظام کو بھا کر لے جائیں گی۔

ڈیوڈ راک فیلر عالمی آبادی کو کم کرنے کے اس پراجیکٹ ”DE-POPULATION PROJECT“

کابانی اور مالیاتی سرپرست ہے۔

اس نے 1968 میں اٹلی کے اندر واقع اپنے ذاتی محل کے اندر اس کی بنیاد رکھی۔ اس ادارہ کا نام ”کلب آف روم“ رکھا گیا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ اجارہ داری رکھنے والے مجرموں کا انسانی نسل کشی کا پراجیکٹ ہے۔ سرمایہ دار دنیا کے منصوبہ ساز تیسری دنیا (خاص طور پر اسلامی دنیا) کی بڑھتی ہوئی نوجوان آبادی کو اپنے عالمی نظام کیلئے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بھوکے ننگے غصہ میں بھرے مفلوک الحال لوگوں کے منظم گروہ عالمی استعمار پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ چین، شمالی کوریا اور ویتنام کے اندر سامراجی قوتوں کو نکال باہر کیا گیا۔ اسی طرح نوجوان افغانوں نے امریکہ اور نیٹو کی سینتیس ممالک کی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ یہ تمام چیزیں ان کیلئے کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں ہیں۔ زمینی جنگ ہارنے کے بعد بعد اس جرائم پیشہ گروہ نے نسل انسانی پر ایک بڑا حیاتیاتی حملہ کرنے کی تیاری کر رکھی ہے۔ کرونا وائرس بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کے بعد کئی اور قسم کے وائرس پھیلائے جانے کی سرگوشیاں بھی منظر عام پر آنا شروع ہو گئی ہیں۔

میں نے اسی کتاب میں ایک اور جگہ یہ تحریر کیا ہے کہ میں ہڑپہ میوزیم دیکھنے گیا تو وہاں معلوم ہوا کہ ہڑپہ میوزیم کے سرکاری ہوسٹل میں رہائش پذیر ایک سفید فام ڈاکٹر مقامی لوگوں کے خون کے نمونے لیکر اس مفروضہ پر تحقیقات کرتا رہا ہے کہ وادی سندھ کی اصل آبادی (Original Inhabitants of Indus Valley Civilization) پر چٹھر کے کانٹے سے ملیر یا بخار کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ آج سے کافی سال پہلے کی بات ہے۔ اسی وقت میرا تھا ٹھنکا کہ وال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اور آج وہ کالا سامنے آ گیا ہے کہ وہ تحقیق اس بات پر ہو رہی تھی کہ دنیا کی ایک ”مخصوص نسل“ کو اس کے ”خون گروپ“ یا ”نسلی خصائص“ کے حوالہ سے کسی خاص قسم کے وائرس کے ذریعہ ختم کر دیا جائے۔ ٹرمپ نے اپنے ایک تازہ بیان میں کونا وائرس کو کسی ”نادیدہ دشمن“ کی کارروائی قرار دیا ہے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ مائیک پمپو نے بھی اسے ایک ”ایوبولٹری ایکسپرسانز“ قرار دیا ہے۔ اتنے باخبر ذرائع کی اس تصدیق کے بعد کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ نسل انسانی کو حیاتیاتی جنگ کے ذریعہ قتل کرنے کی ایک گھناؤنی سازش عمل میں لائی جا رہی ہے۔

مصنوعی ذہانت، روبوٹس، بیروزگاری، سیاسی عدم استحکام

سرمایہ دارانہ نظام کا یہ المیہ ہے کہ اس کا واحد مقصد منافع کمانا اور بنی نوع انسان کا استحصال کرنا ہے۔ جدید ریسرچ کے نتیجہ میں نیکینالوجی کے شعبہ میں ہونے والی پیش رفت کا نسل انسانی کو فائدہ ہونے کی بجائے عالمی سرمایہ داری اسے انسان کے خلاف اپنے ذاتی مفادات کیلئے استعمال کرنے کی کوشش میں

ہے۔ اس وقت سرمایہ دارانہ دنیا کے اندر بڑے بڑے ڈیٹا سنٹر (Data Centres) تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) میں زیادہ سے زیادہ پیش رفت کیلئے ملٹی میٹنل کمپنیاں بڑے بھاری بجٹ مختص کر رہی ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت اور الیکٹرانک نیکنالوجی نے دنیا تبدیل کر کے رکھ دی ہے۔ فیس بک، ٹویٹر، انسٹاگرام، گوگل میپ محض اسکی ایک معمولی جھلک ہیں۔ انسانوں کی جگہ سستے اور خود کار مصنوعی ذہانت سے چلنے والے روبوٹ انجام دے رہے ہیں۔

یہ بات عیاں ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت انسانی محنت کی جگہ لے رہی ہے۔ انسانی معاشروں میں بیروزگاری کی شرح روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ٹیکنالوجی کونسل انسانی کے مد مقابل اکھڑا کیا گیا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ اب بہت سے کام انسانوں کی جگہ سستے اور خود کار مصنوعی ذہانت سے چلنے والے روبوٹ کر رہے ہیں۔ کسٹمر سروس، ہیلتھ کیئر سروسز، خود کار کاریں، کمپیوٹر مکنیک، مارکیٹنگ، فنانس، تجزیہ، ڈائیکٹا سنک لیبارٹریز، جنگی اسلحہ، جنگی اور کمرشل ڈرون، ڈردن ڈیلیوری سسٹمز، آن لائن ٹھکانے، آن لائن ہوٹل بکنگ، کنسٹرکشن ورک، یکن شیف، سیکورٹی سسٹمز، ہنگنگ کا ریاضیات نظام، ہسپتالوں میں مریضوں کا ذاتی ریکارڈ، جرائم پیشہ افراد کا ریکارڈ الغرض اور بہت سے دیگر شعبہ جات میں مصنوعی ذہانت پر مبنی ٹیکنالوجی بڑی تیزی کے ساتھ انسانوں کی جگہ لے رہی ہے۔ وال مارٹ (Wall Mart) اور امازون (Amaazon) جیسے گروسری سنور اب فوری ڈیلیوری سسٹم کیلئے ڈرون ٹیکنالوجی کا استعمال شروع کرنے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی کمپنیاں اپنی صنعت کے اندر روبوٹ اور ڈرون ٹیکنالوجی کا زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال شروع کرنے کی تیاری مکمل کر چکی ہیں۔ اب اس سستی اور زیادہ قابل انحصار ٹیکنالوجی کے متعارف ہو جانے کے بعد بڑی صنعتیں اور کاروبار انسانی لیبر کو اپنے لئے مہنگا اور غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپریشن تھیٹرز سے لیکر گھروں میں صفائی کرنے والوں تک، بینکوں میں جمع تفریق کا کام کرنے والوں سے لیکر گھریلو کچن تک ہر جگہ مصنوعی ذہانت پر مبنی چھوٹے چھوٹے سستے اور معیاری روبوٹ انسانوں کی جگہ لینے کیلئے تیار کھڑے ہیں۔ چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار پہلے ہی دیوالیہ پن کا شکار ہو کر ختم ہو رہے ہیں۔ الغرض زندگی کے تمام شعبہ جات کے اندر انسانی لیبر کی افادیت اور ضرورت ختم ہوتی چلی جا رہی ہے اور انسانی زندگی کو قائم رکھنے کیلئے روزگار کے کوئی بھی متبادل ذرائع موجود نہ ہیں۔ ان حالات میں انسانی رد عمل اور سیاسی انقلابات سے بچنے کیلئے انسانوں کی اجتماعی نسل کشی کا منصوبہ بنایا گیا ہے جو عالمی وبا کی شکل میں بڑی سرعت پذیری کے ساتھ شروع کر دیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کو ایک پیداواری یونٹ کے طور پر تو لا جاتا ہے۔ اب چونکہ مصنوعی

ذہانت کی شکل میں سستا پیداواری یونٹ مارکیٹ میں دستیاب ہو گیا ہے لہذا اب انسانوں کی ضرورت بہت کم رہ گئی ہے۔ اب سات ارب کی جگہ پچاس کروڑ یا ایک ارب غلام انسانوں کی ضرورت ہے جو سرمایہ دار آقاؤں کی بلا چوں و چرا خدمت بجالا سکیں۔ اب سرمایہ دارانہ دانش کے سامنے فوری سوال یہ ہے کہ ان اچانک بیروزگار ہو جانے والے اربوں انسانوں کا کیا کیا جائے؟

معمول کی خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ آبادی پر قابو پانے کا عمل ایک بہت ہی دیر پا اور ناقابل اعتبار عمل ہے۔ اب سرمایہ دار گروہ ان اربوں "غیر ضروری انسانوں" سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس زائد آبادی (Surplus Population) کے بیروزگار ہو جانے سے سرمایہ دارانہ نظام کو عالمی سطح کی بغاوت اور عسکریت پسندی کا خطرہ ہے اسلئے اس "زائد آبادی" کو فوری طور پر غیر محسوس طریقہ سے ختم کرنے کی منصوبہ بندی کو متحرک کیا گیا ہے۔

اجتماعی قتل عام کی منصوبہ بندی

فلکس انٹرنیشنل جرنل آف سوشلسٹ ریویول میں سائمن ہنٹر کے ایک "نیکل کے حوالہ سے امریکہ میں آزادی نسواں کی ایک بڑی ترجمان مارگریٹ سینگر (Margaret Sanger) نے کہا:

"If the millions of dollars which are now expended in the care and maintenance of those who in all kindness should never have been brought into this world were converted to a system of bonuses to unfit parents, paying them to refrain from further parenthood, and continuing to pay them while they controlled their procreative faculties, this would not only be a profitable investment, but the salvation of American civilization."

ترجمہ: "یہ بہت بہتر ہوتا اگر وہ لوگ دنیا میں پیدا نہ ہوتے جن کی ہیلٹھ کنٹر اور نان ونفٹہ پر اس وقت کروڑوں ڈالر پر خرچ کئے جا رہے ہیں۔

اگر یہی رقم ان لوگوں پر خرچ کی جائے جو مزید بچے پیدا نہ کریں تو یہ نہ صرف ایک بہتر سرمایہ کاری ہوگی بلکہ اس سے امریکی تہذیب بھی بچ جائے گی۔"

ان نے مزید کہا:

"I believe that now, immediately there should be national sterilisation for certain dysgenic types of our population who are being encouraged to breed

and would die out were the government not feeding them."

ترجمہ: "یہ بہت ضروری ہے کہ ان لوگوں کی قومی سطح پر فوری نس بندی کی جائے جو صرف حکومت کے غلہ زراپانی گزر بسر کر رہے ہیں۔"

یہ تنظیمیں خاندانی منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ استقلاط حمل کے قانونی حق کا بھی مطالبہ کر رہی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ لوگ نوع انسان کی آبادی کو قبل از پیدائش اور بعد از پیدائش دونوں شکلوں میں مارنے کا قانونی استحقاق چاہتے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی راک فیلر اور اس کے ہمنوا سرمایہ دار گروہ کا ذہنی بچہ ہے۔ اس مقصد کیلئے بے بہا لٹریچر تیار کیا گیا۔ آبادی میں اضافہ کو "آبادی بم" کا نام دیا گیا اور اسے بڑا خوفناک بنا کر پیش کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کو استعمال کیا گیا۔ صدر نکسن کے دورِ صدارت میں امریکی امداد کو خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ ترقی پذیر ممالک پر شرط عائد کر دی گئی کہ ان کو اپنی ممالک میں مکمل طور پر خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کروانا ہوگا ورنہ ان کیلئے امریکی امداد بند کر دی جائیگی۔ اس مقصد کیلئے بہت سے ادارے اور پرائیویٹ این جی اوز قائم کی گئیں اور انہیں عالمی سرمایہ دار گروہوں کی جانب سے بے پناہ سرمایہ فراہم کیا گیا۔ ان سرمایہ فراہم کرنے والوں میں راک فیلر اور فورڈ فاؤنڈیشن کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تمام ترقی پذیر ممالک کے اندر "خاندانی منصوبہ بندی" کے محکمے قائم کر دائے گئے اور اس مقصد کیلئے پرائیویٹ سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کئے گئے۔ امریکی امداد حاصل کرنے والے ممالک کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے قومی بجٹ کا قابل ذکر حصہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کیلئے مختص کریں۔ خاندانی منصوبہ بندی کو دلکش نعروں کے ساتھ عقل انسانی کی معراج بنا کر پیش کیا گیا۔ ایک ایسی دنیا جس میں ہر قسم کی دولت کی فراوانی ہے وہاں انسانوں کے پیدا ہونے پر پابندیاں عائد کرنے کا عالمی پروگرام پیش کیا گیا۔ دولت اور ذرائع پیداوار کی مقامی اور عالمی سطح پر از سر نو تقسیم کی بجائے نسل انسانی کی پیدائش پر پابندی لگانے کا "مغربی نسخہ" تجویز کیا گیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 1970 میں اندرا گاندھی نے ہندوستان کے اندر خاندانی منصوبہ بندی کیلئے ایمر جنسی نافذ کر دی۔ وہاں خاندانی منصوبہ بندی کا کام جنگلی بنیادوں پر شروع کیا گیا۔ اس کام کیلئے ہندوستان کے اندر بنیادی حقوق تک معطل کر دئے گئے۔ جہاں تک کہ زمین کی الاٹمنٹ، بجلی اور پانی کے کنکشن، راشن کارڈ، ریکشالانسنس، میڈیکل کیئر اور ملازمت کی ترقی تک کو خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ کچھ علاقوں میں فوج نے کرفیو کے ذریعہ دیہاتوں کا محاصرہ کر کے لوگوں

کی جبری نس بندی کی گئی۔ میڈیا پروپیگنڈا اور بیرونی خارجی دباؤ کے ذریعہ ایک پاگلانہ ماحول پیدا کر دیا گیا۔

پوری دنیا کے اندر ایسا معاشی اور ذہنی ماحول پیدا کیا گیا کہ بالغ مردوں اور عورتوں کو مناسب وقت پر روزگار نہ ملے اور وہ ادھیڑ عمر میں شادیاں کرنے پر مجبور ہو جائیں تاکہ وہ کم بچے پیدا کریں۔ اسقاطِ حمل کے حق میں ایک منظم تحریک چلائی گئی مگر یہ سب کچھ دھڑے کا دھڑا رہ گیا۔ انسانی آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جن ممالک نے اس پروگرام پر شد و مد سے عمل کیا آج وہ کفِ افسوس مل رہے ہیں مگر وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ عالمی سرمایہ داروں کے شروع کئے گئے اس خاندانی منصوبہ بندی کے نتیجے میں ان کی آبادیاں سکڑ گئی ہیں اور اب وہ ”بوڑھے معاشرے“ تصور کئے جاتے ہیں۔ ان کے پاس اگلے عشروں میں کام کرنے کیلئے افرادی قوت دستیاب نہیں ہے اور وہ دیگر ممالک سے لوگ ”درآمد“ کر کے انہیں شہری حقوق دینے کے پروگرام شروع کرتے پھر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں جرمنی اور جاپان کی بڑی واضح مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

ان عالمی غارتگروں کا شروع کردہ ”نس بندی“ پروگرام کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ خاص طور پر اسلامی اور دیگر قدیم افریقی معاشروں کے اندر اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ناکامی کے بعد یہ جرائم پیشہ گروہ ایک خاص قسم کے انتہائی مہلک وائرس تلاش کرنے کے چکر میں ہیں جو نہایت خاموشی کے ساتھ کروڑوں کی آبادیوں کو صفایا کر دیں اور مستقبل میں انسانی افزودگی کا عمل رک جائے۔ وہ ایسے جرائم پیدا کرنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ جوان کی مرضی کے مطابق انہی لوگوں کا صفایا کریں جو ان کے راستے میں مزاحم ہیں۔ مثال کے طور پر سفید فام نسل کو تو کچھ نہ کہیں مگر ایشیائی لوگوں (جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے) کی زندگیوں کا خاتمہ کر ڈالیں اور جہاں ضروری ہو وہاں کچھ خاص علاقوں میں سفید فاموں کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ سب ایک بڑے ”صیہونی پراجیکٹ“ کا حصہ ہے اور اسے ساتویں اور آٹھویں نسل کی جنگی حربوں کے ذریعہ بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

عالمی سرمایہ دار گروہ کی سپانسر شدہ این جی اوز انسانی معاشروں کے اندر پسوؤں کی مانند گھس جاتی ہیں اور وہاں اپنا ”شکار“ تلاش کرتی ہیں۔ یہ این جی اوز ریفر مرز کے بھیس میں اپنے پے ماسٹرز کے عالمی ایجنڈا کی تکمیل کرتی ہیں۔ بعض اوقات یہ جاسوسی تک کا کام بھی کرتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ القاعدہ اور اسامہ بن لادن کی تلاش کیلئے بھی کچھ ایسی ہی این جی اوز کا سہارا لیا گیا تھا جن میں پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں تشکیل آفریدی کی این جی۔ اوز کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے۔ یہ این جی اوز ”مہاجرین“ کے گیمپوں کو بطور خاص

ہدف بناتی ہیں۔ سامراجی غنڈے ایک طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت پہلے تو ان کے گھروں پر بمباری کا بندوبست کر کے انہیں اپنے گھروں سے جتھوں کی شکل میں بھاگ جانے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر ”رقاۃ عامہ“ کے نام پر ان کے اندر داخل ہو کر انہیں اپنے پہلے سے طے شدہ سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کیلئے آلہ کار اور ”انسانی ہتھیار“ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ اس مقصد کیلئے پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے۔ غصے اور

نفرت میں بھرے ہوئے یہ ”غیر متوازن“، ”مفلوک الحال“ اور اپنی ”جزوں سے کٹے“ ہوئے جاہ شدہ لوگوں کے جتھے ان عالمی غارتگروں کیلئے ان کی مستقبل کی منصوبہ بندی میں ایک ”انمول اثاثہ“ اور جگہ کو پھیلانے کیلئے ایندھن کا کام دیتے ہیں۔ یہ بھی ساتویں یا آٹھویں نسل کی جنگوں کا ایک حربہ ہے جسے زرخیز این جی اوز اور سوشل میڈیا پر اجارہ داری قائم کر کے انجام دیا جاتا ہے۔

ایک منظم میڈیا مہم کے ذریعہ بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کے کھانے پینے کے طور طریقے تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ یہ بات مشاہدہ میں آرہی ہے کہ پیپسی، کوکا کولا، میکڈونلڈ، کے ایف سی، پیزا ہٹ جیسی میٹیکروں دیگر فوڈ کمپنیاں یا فائبرسٹار ہوٹلز کے کھانے انسان کے اندر موجود تولیدی مادہ پر منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ مشاہدہ سے دیکھا جاسکتا ہے کہ ان فوڈ سٹورز کا مستقل کھانا کھانے اور ان کے مشروب استعمال کرنے والے خاندانوں کے اندر بچوں کی شرح پیدائش انتہائی کم ہے اور جو بچے پیدا بھی ہوتے ہیں وہ عام معاشرتی شرح سے جسمانی طور پر کم ہی نارمل ہوتے ہیں اور عمومی طور پر مستقل موٹاپے کا شکار ہوتے ہیں۔

ایسے مضبوط شبہات موجود ہیں کہ یہ عالمی غارتگرز چہ بچہ کی حفاظت کے روپ میں نو مولود بچوں کو ایسی ویکسین پلا سکتے ہیں جس سے زچہ بچہ کے جنسی ہارمونز کمزور ہو جائیں اور آئندہ نسلیں بچہ پیدا کرنے کا قابل ہی نہ رہیں یا پھر کم بچے پیدا کر سکیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جو جوڑے خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام نہیں بھی لیتے ان کے ہاں بھی ماضی کے مقابلہ میں بچوں کے تولیدگی کی شرح انتہائی کم ہے۔ یہ سب خود بخود نہیں ہو گیا بلکہ اس کے پیچھے ایسی ہی این جی اوز کا ہاتھ ہو سکتا ہے جو ہر دروازہ پر دستک دیکر زچہ بچہ کی صحت کے بہانے مفت ادویات فراہم کرتی اور مختلف قسم کے ٹیکہ جات لگاتی ہیں۔ تیسری دنیا کی نابالغ سیاسی قیادتیں بھی عالمی دباؤ کے تحت ایسی پالیسیوں کو پروان چڑھا رہی ہیں جو اپنے آخری نتائج میں ان قوموں کیلئے انتہائی جاہ کن نتائج کی حامل ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی پانچویں نسل کی جنگ کی ایک شکل ہے کہ کسی خاص علاقہ یا نسلی اور مذہبی گروہ کی آبادی کے ڈھانچہ میں ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ وہ ایک مختصر عرصہ گزرنے کے بعد خود ہی اپنی طبعی موت مر جائے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یورپ اور کچھ دیگر ممالک کے اندر بوزھے لوگوں کی تعداد

بہت زیادہ ہو گئی ہے اور وہاں آبادی کی قلت واقع ہو گئی ہے۔ یہ معاشرے اب ”بوڑھے معاشرے“ کہلاتے ہیں۔ عالمی سرمایہ دار غنڈوں کو اب بڑا خطرہ ایشیائی، خاص طور پر اسلامی ممالک کے نوجوان معاشروں سے ہے جہاں نوجوانوں کی آبادی کی تعداد ساٹھ فیصد تک ہے۔ اسی لئے بل گینس جیسے کمزور بیہودی مجرم اسلامی دنیا کے اندر انسانی صحت کے دفاع کے نام پر اپنی تنخواہ یافتہ این جی اوز کو استعمال کر کے انسانی صحت کو تباہ اور آئینوالی نسلوں کو بانجھ بنا رہے ہیں۔

دنیا کی جی ڈی پی کا 80 فیصد حصہ ان ترقی یافتہ ممالک سے پیدا ہو رہا ہے جو بوڑھے ہو کر مر رہے ہیں اور وہاں آبادی میں کمی کا بحران شدت اختیار کر رہا ہے۔ آبادی کی فطری افزائش میں انسان کی غیر ضروری مداخلت نے دنیا کی آبادیوں کے اندر ایک عدم توازن پیدا کر دیا ہے۔ اب 2017 کے ایک سروے کے مطابق ناخیر یا جیسے غریب ترین ملک کی 50 فیصد آبادی کی عمر چودہ سال سے کم ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں ہانگ کانگ جیسے ترقی یافتہ ملک کی چودہ فیصد سے کم آبادی کی شرح 11.9 فیصد ہے۔ یہ الگ الگ انتہائیں عالمی سیاست کی اندر ایک بڑے بحران کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

چین کی ایک بچے کی پالیسی نے وہاں ایک سماجی اور جذباتی بحران پیدا کر دیا ہے۔ وہ ایک بچہ معاشرہ میں جذباتی رشتوں سے محروم ”تہائی“ کی زندگی گزارتا ہے اور اگر وہ ایک بچہ فوت ہو جائے تو اس کے والدین جذباتی اور معاشی سہاروں سے محروم لاچارگی کی موت مرتے ہیں۔ ان مردم کش پالیسیوں نے انسانوں سے ان کا جینا چھین لیا ہے اور انسانی زندگی کو ایک بانجھ کھنڈر میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر زندگی میں جذبات ختم ہو جائیں اور جینے کی حس مر جائے تو پھر یہ ساری منصوبہ بندیاں کس کیلئے اور کس کام کی؟ چینی تہذیب اور ثقافت صدیوں کی پیداوار ہے مگر اب یہ پہلی مرتبہ ”ایک خاندان ایک بچہ“ کی پالیسی کے فریب میں آ کر اجتماعی خودکشی کی مرگھٹ پر مرنے جا رہی ہے۔ اب چینی حکومت اس پالیسی سے پیچھے ہٹ رہی ہے مگر اب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ چینی تہذیب و ثقافت دونوں بڑھاپے کا شکار ہو کر نیچے کی جانب لڑھک رہے ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے خلاف جنگ کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں چودہ سال سے کم عمر افراد کی شرح

COUNTRY	PERCENTAGE
AFGANISTAN	43.2%
ALJAZAIR	29.3%
BANGLADESH	28.4%

EGYPT	33.5%
IRAN	23.7%
IRAQ	40.4%
JORDAN	35.5%
LIBYA	28.2%
NIGERIA	44%
PAKISTAN	34.8%
PALESTINE	39.6%
SAUDI ARABIA	25.2%
SOMALIA	46.4%
SODAN	40.8%
SYRIA	35.6%
TAJKISTAN	35.3%
UGANDA	47.7%
TURKI	25%
UZBAKISTAN	28%
YAMEN	39.9%
ZAMBIA	44.8%
ZIMBABWE	41.2%

ترقی یافتہ ممالک میں چودہ سال سے کم عمر افراد کی شرح

COUNTRY	PERCENTAGE
CANADA	16%
CHINA	17.7%
DENMARK	16.5%
FRANCE	18.1%

GERMANY	13.1%
ITALY	13.5%
JAPAN	12.9%
PORTUGAL	13.6%
RUSSIA	17.6%
SINGAPUR	15%
SPAIN	14.7%
SWEDAN	17.5%
USA	18.9%

ترقی پذیر ممالک میں پینسٹھ سال سے زائد عمر کے افراد کی شرح

COUNTRY	PERCENTAGE
AFGHANISTAN	2.6%
BANGLADESH	5.1%
BAHRAIN	2.4%
EGYPT	5.2%
KUWAIT	2.3%
MALAYSIA	6.3%
NIGERIA	2.8%
PAKISTAN	4.5%
PALESTINE	3%
QATAR	1.3%
SYRIA	4.3%
YAMEN	2.9%
SAUDI ARABIA	3.3%
IRAN	5.4%

IRAQ	3.2%
INDONESIA	5.3%
JORDAN	3.8%
LIBYA	4.4%
MONGOLIA	4%
OMAN	2.4%
SODAN	3.5%
UGANDA	2.2%
UAE	1.1%
UZBAKISTAN	4.5%

ترقی یافتہ ممالک میں پینسٹھ سال سے زائد عمر کے افراد کی شرح

COUNTRY	PERCENTAGE
AUSTRALIA	15.5%
CANADA	17%
CHINA	10.6%
DENMARK	19.7%
FRANCE	19.7%
GERMANY	21.5%
GREECE	20.4%
ITALY	23%
JERUSALEM	11.7%
JAPAN	27%
SOUTH KOREA	13.9%
NORWAY	16.8%
PORTUGAL	21.5%

RUSSIA	14.2%
SINGAPUR	12.9%
SPAIN	19.4%
SWEDEN	19.9%
SWITZERLAND	18.4%
USA	15.4%
BRITAIN	18.5%

وہ ہمیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟

5-G ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے باہم ملاپ سے ایک نئی دنیا پیدا کی جا رہی ہے۔ اس نئی ٹیکنالوجی کے بارے میں بہت زیادہ جھوٹ اور فریب کاری سے کام لیا جا رہا ہے۔ یہ تو بار بار بتایا جا رہا ہے کہ اس نئی ٹیکنالوجی کے نتیجے میں پینتیس لاکھ نئے روزگار پیدا ہونگے جو اس نئی ٹیکنالوجی کو سپروائز کریں گے مگر یہ نہیں بتایا جا رہا صرف کہ اس نئی ٹیکنالوجی کے نتیجے میں جو ساڑھے تین ارب سے زیادہ لوگ جو بیروزگار ہو جائیں گے ان کا کیا بنے گا؟

انسانوں کی جگہ کم قیمت اور مصنوعی ذہانت رکھنے والے روبوٹ متعارف کروائے جا رہے ہیں جو گھریلو کام کاج سے لیکر دفتری معاملات تک کو سنبھالنے کے ذمہ دار ہونگے۔ وہ بینکوں کے اندر بک انٹرنی سے لیکر فرائزک آڈٹ تک کی ساری ڈیوٹیاں انجام دے رہے ہونگے۔ وہ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کے اندر صفائی سے لیکر انتظامی اور سیکورٹی کے امور انجام دے رہے ہونگے۔ 5-G اور مصنوعی ذہانت رکھنے والے روبوٹ ہزار ہا کام سنبھال لیں گے۔ حتیٰ کہ پیادہ اور فضائی جنگوں تک میں اپنا کردار ادا کر رہے ہونگے۔ اس کی ایک سادہ سی مثال ڈرون حملے ہیں جو بغیر پائلٹ کے ہزاروں میل دور بیٹھے دشمن کو خبر ہونے دیئے بغیر اسے تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہسپتالوں کے اندر انسانی آپریشنز کا کام نہایت سائنسی انداز میں روبوٹ کر رہے ہونگے۔ جنگوں کے اندر انسانوں کی جگہ مختلف پوزیشنز میں بہترین جنگجوؤں کا کردار ادا کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں لاکھوں سپاہی اور چھوٹے درجہ کے افسران بیروزگار ہو جائیں گے۔

ایک اندازہ کے مطابق 2030 تک دنیا میں 38 فیصد روزگار ختم ہو جائیں گے۔ اس میں سب سے زیادہ نچلے درجہ کے ملازمین متاثر ہونگے جیسے ٹرک ڈرائیور، فیکٹری ورکر، کیشیئر، اکاؤنٹنٹ، روزمرہ کا کام کرنے والے مزدور وغیرہ۔ بنک آف انگلینڈ کی ایک رپورٹ کے مطابق مستقبل قریب میں جدید روبوٹ

جہانے کی وجہ سے پندرہ بلین سے زیادہ روزگار ختم ہو جائیگا۔

گوگل چائنا کا سابق سربراہ ڈاکٹر کائی فولی (Dr. Kai-Fu Lee) کا بیان حیرت انگیز ہے۔ ڈاکٹر کائی فولی کے پاس مصنوعی ذہانت کے پراجیکٹ کا عشروں کا تجربہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے تہہ میں دنیا میں کئی بلین روزگار ختم ہو جائیں گے۔ اس پیروزگاری کے اثرات سب سے پہلے ترقی یافتہ ممالک یعنی امریکہ اور برطانیہ پر پڑیں گے۔ ترقی پذیر ممالک اس سے کم متاثر ہوئے اسلئے کہ یہ ممالک اس نئی ٹیکنالوجی کو آہستہ آہستہ نافذ کریں گے۔ یہ پراجیکٹ سب سے پہلے اور زیادہ زور شور کے ساتھ ترقی یافتہ ممالک اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں نافذ ہو رہا ہے جو مسابقتی عمل میں اپنے اخراجات کم کرنے کیلئے مصنوعی ذہانت پر بنے روبوٹ اور سافٹ ویئر سسٹمز کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں گی۔ وہ ہوائی اڈوں کی سیکورٹی اور دیگر انتظامات روبوٹ سنبھال لیں گے۔ 5-G اور مصنوعی ذہانت کے زور پر ای۔ کامرس (E. Commerce) روایتی کاروبار ختم کر دیں گی۔ سری لنکا کا ایک گائیک لندن یا نیویارک کے کسی سنور کو 5-G ٹیکنالوجی موبائل فون پر دوسری جانب سپر سنور کے اندر بیٹھے شخص سے براہ راست ہمکلام ہو کر اپنے لئے ہائی کوالٹی کے بازار سے کم قیمت پر موبائل فون یا اپنے بچوں کے کھلونے خرید رہا ہوگا۔ وہی سنور مینجر سری لنکا میں واقع اپنے ویئر ہاؤس سے اگلے چند گھنٹوں کی تیز ترین کوریئرسروں کے ذریعہ ان چیزوں کو متعلقہ گاہک کے گھر پر پہنچانے کا بندوبست کروا دیگا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں مقامی شاپنگ سنٹر یا پرچون کی دکانیں اور فارمیسی سنور تو بند ہو جائیں گے۔ اب آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ جب لکھو کھ ہالاز متیں اور کروڑ ہا کاروبار بند ہو جائیں گے تو پھر بھوکے ننگے عوام کا رد عمل کیا ہوگا؟ صاف ظاہر ہے وہ سڑکوں پر نکل کر ہنگامے کریں گے اور پوری دنیا کے اندر خانہ جنگی برپا کر دیں گے۔ اسی خانہ جنگی کو روکنے کیلئے حیاتیاتی اور جراثیمی حملوں کے ذریعہ نسل انسانی کا خاتمہ کرنا مقصود ہے۔

وہ ہمیں کیسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟

انسانوں کے قتل عام کیلئے استعمال کئے جانے والے بہت سے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار 5-G ٹیکنالوجی کا ہے۔ یہ ایک خاموش قاتل ہتھیار ہے جو اپنے شکار کو خبر ہونے دیئے بغیر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ ہتھیار مختلف شکلوں میں ہماری زندگیوں کے اندر داخل کیا جا رہا ہے۔ حیاتیاتی اور کیمیائی حملوں کے علاوہ بذات خود 5-G ٹیکنالوجی ایک قسم کا لیزر ہتھیار ہے۔ اس میں سے نکلنے والی الیکٹرو میگنیٹک لہریں (Electromagnetic Waves) انسانی زندگی کیلئے از حد خطرناک ہیں۔ مارٹن پال، (جو کہ تعلیمی اعتبار سے پی۔ ڈی ہیں اور الیکٹرو میگنیٹک فریکوئنسی کے ماہر شمار کئے جاتے ہیں) اس بارے میں متنبہ کرتے

ہیں کہ ان خطرناک شعاعوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے انسانی بانجھ پن کی وجہ سے نسل انسانی کے معدوم ہونے کے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

"DNA damage known to be produced by these EMFs occur in human sperm and may also occur in human eggs, leading to large increases in mutation in any children born. It is thought that an increase in mutation frequency of 2.5 to 3-fold will lead to extinction because of accumulation of large numbers of damaging mutations. We may already be over this level, and if so, simply continuing our current exposures will lead to eventual extinction. Further increases in exposures will be more rapidly self-destructive."

ترجمہ: "فائیکو جی نیکنالوجی سے نکلنے والی ان برقی مقناطیسی شعاعوں کے نتیجے میں انسانی ڈی۔ این۔ اے کے اندر تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں مردانہ جراثیم اور عورت کے جسم کے اندر بچے پیدا کرنے والے اندروں کی شکست و ریخت کے نتیجے میں بچہ پید ا ہو سکتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے انسانی جراثیموں کے اندر اڑھائی سے تین گنا تک تبدیلی ہو سکتی ہے جو انسانی زندگی کے خاتمہ کا سبب بن سکتی ہے۔ ہم پہلے ہی اس بیماری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس میں مزید اضافہ نسل انسانی کیلئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ بیماری پیدا کرنے والے ان اسباب کے اندر جینی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو گا نسل انسانی کی تباہی اتنی ہی جلدی سے قریب تر آتی جائے گی۔"

ان برقی شعاعوں کے ممکنہ انتہائی تباہ کن ہیں۔ ان کے نتیجے میں انسانی دماغ کے اندر جینی اور اعصابی اختلال پیدا ہو کر مختلف اقسام کے خطرناک امراض جنم لیتے ہیں۔ انسانی کھال اور وجود کے ریشوں کے اندر توڑ پھوڑ واقع ہوتی ہے۔ انسانی وجود کوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر اپنی طبعی موت سے بہت پہلے مختلف امراض کا شکار ہو کر مر جاتا ہے۔ یہ خفیہ طریقہ سے انسانوں کا اجتماعی قتل ہے۔ کینسر جیسا موذی مرض جنم لیتا ہے۔ معذور بچوں کی پیدائش، مردانہ اور زنانہ بانجھ پن اور تنہو بچوں کی پیدائش ان شعاعوں کے منطقی نتائج ہیں۔ یاد رہے کہ 5-G ٹیکنالوجی کے استعمال سے موجود 4-G ٹیکنالوجی کے مقابلہ میں دس گن زیادہ شعاعیں پیدا ہوگی جو انسانی جسم کی قوت برداشت سے باہر ہو جائیں گی۔

فونی۔ سازو سامان اور سول الیوشن کے متعلق ڈیگل گائیڈ (Deagle Guide) کے ایک اندازہ کے

مطابق اگلے چھ سال یعنی 2019 سے 2025 تک کے عرصہ میں امریکہ کی تین سے دس کروڑ آبادی ختم ہو جائیگی۔ آج کی جنگیں جنگی میدانوں میں نہیں لڑی جاتیں۔ ہمارے ارد گرد ہزار ہا چھوٹے چھوٹے اینٹینا نصب ہیں۔ ان سے نکلنے والی لیزر جیسی الیکٹرو میگنیٹک شعاعوں کا ایک جھوم ہے جس کے بارے میں کوئی بھی محسوس نہیں کر رہا کہ اسے غیر محسوس طریقے سے زخمی کیا جا رہا ہے۔ فائبر جی ٹیکنالوجی کی شکل میں ہر گھر کے اندر ایک لیزر کھمبا نصب ہو رہا ہے۔ گویا آپ مائیکرو ویوز کے اندر رہ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ ایل ای ڈی سٹریٹ لائٹس بھی خاندانی منصوبہ بندی کا ایک ہتھیار ہے جو انسانی جسم میں داخل ہو کر اسکے تولیدی مادہ کو تباہ کرتا ہے۔ 5-G ٹیکنالوجی کی شعاعوں کو کسی بھی متحارب گروہ یا لوگوں کے کسی مجمع کو مارنے یا منتشر کرنے کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا جنگی ہتھیار ہے جسے مختلف طریقوں سے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جنوبی کوریا میں جب 5-G ٹیکنالوجی کا افتتاح کیا گیا تو وہاں کے پانچ شہروں کے اندر آگ بھڑک اٹھی۔ اسے بجھانے کیلئے دس ہزار آگ بجھانے والے عملہ اور تیس ہزار فوج کی نفری طلب کرنا پڑی۔ اس واقعہ کو میڈیا میں آنے سے روکا گیا لیکن چند اخبارات کے علاوہ 5 اپریل 2019 کے ”دی ٹیلیگراف“ نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس حادثہ میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ 5-G ٹیکنالوجی 4-G ٹیکنالوجی سے رفتار میں سو گنا زیادہ ہے مگر اس سے خارج ہونی والی برقی مقناطیسی شعاعیں 4-G ٹیکنالوجی سے ہزار گنا زیادہ ہیں۔ گویا آپ ایک مانگر داؤن کے اندر زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ آپ کی بے خبری میں آپ کے خلاف استعمال ہونے والا ایسا ہتھیار ہے جو آہستہ آہستہ چند سال کے اندر آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

یہ صرف ایک افسانوی خوف نہیں ہے۔ فرانسیسی پارلیمنٹ نے جنوری 2015 میں اپنے عوام کو ان برقی مقناطیسی شعاعوں کے بے جا استعمال سے بچانے کیلئے قانون سازی کی۔ نرسری جماعت کے بچوں کیلئے وائی فائی کا استعمال روک دیا گیا۔ پرائمری جماعت کے گیارہ سال کی عمر تک کے بچوں کیلئے چند مخصوص اسباق کی حد تک محدود وقت کیلئے وائی فائی کے استعمال کی اجازت دی گئی۔ ایک سروے کے مطابق دنیا کے چالیس سے زائد ممالک کے دوسو بیس سائنسدانوں نے اقوام متحدہ کو ایک دستخط شدہ عرضداشت پیش کی ہے کہ نسل انسانی کو 5-G برقی مقناطیسی شعاعوں کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ ڈیلی میل کی رپورٹ کے مطابق یونیورسٹی آف کولمبیا کے سائنسدانوں اور ڈاکٹروں نے عالمی ادارہ صحت سے اپیل کی ہے:

جنیوا اور برسلز کے اندر 5-G ٹیکنالوجی ٹاورز کی تنصیب کے خلاف وہاں کے عوام نے مزاحمت کر

کے اس کو روک دیا ہے۔ امریکہ کے اندر مختلف ریاستوں میں عوام نے ان ٹاورز کی تنصیب روک دی ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے اندر بھی عوام نے اس کے خلاف مزاحمتی گردہ تشکیل دیا ہے۔ 2017 میں دو سو پچیس ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے اس نیکنالوجی کی تنصیب کے خلاف یورپین کمیشن کو اپیل داخل کی ہے۔ پولینڈ کے وزیر اعظم نے اس نیکنالوجی کی تنصیب کے خلاف قرارداد پاس کی ہے اور اسے روکنے کی اپیل کی ہے۔ آجکل کرونا وائرس نے ہر جانب تباہی اور خوف براس پھیلا رکھا ہے اور طرح طرح کی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔ جن میں سے ایک مضبوط افواہ یہ بھی ہے کہ یہ کرونا انسانیت کے ان دشمنوں کی کارستانی ہے جو دنیا کی آبادی کم کرنے کے درپے ہیں۔ اس خوف و ہراس کے بعد دی جانے والی ویکسینیشن میں ایسا مواد شامل کیا جاسکتا جس سے کہ ایک طویل عرصہ تک انسانی افزائش نسل کا سلسلہ ہی رک جائے۔ ایسی افواہیں بھی ہیں کہ کچھ عناصر اس پر بھی کام کر رہے ہیں کہ ایسے جراثیمی حملہ کی بنیاد رکھی جائے جس میں کہ ایک خاص نسل کے لوگ ہی مارے جائیں جبکہ وہ وائرس دوسری جنیز (GENES) رکھنے والی اقوام پر اثر انداز نہ ہو جیسا کہ گندم کی فصل پر کیا جانے والا سپرے صرف کھیت میں اگی جڑی بوٹیوں کو تو مار دیتا ہے مگر گندم کی فصل کو کچھ نہیں کہتا۔ ایسے ہی ان گنت خطرات ہیں جو ساتویں اور آٹھویں نسل کی جگہ کی شکل میں نسل انسانی کو گھیرے ہوئے ہیں۔

2017 میں میونخ سیکورٹی کانفرنس کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بل ٹینس نے کہا:

"the next epidemic could originate on the computer screen of a terrorist intent on using genetic engineering to create a synthetic version of the smallpox virus ... or a super contagious and deadly strain of the flu... Whether it occurs by a quirk of nature or at the hand of a terrorist, epidemiologists say a fast-moving airborne pathogen could kill more than 30 million people in less than a year"

B. Gates, "Speech by Bill Gates at the 53rd Munich Security Conference", 53rd Munich Security Conference (Munich Security Conference Foundation, 2017).

ترجمہ: "اگلی وبائی مرض کسی دہشت گرد کوہ کی جانب سے جینیاتی انجینئرنگ کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے کمپیوٹر سکرین کے ذریعہ چمپ کا کوئی انتہائی مہلک جراثیم پھیلا سکتا ہے۔۔۔ یا پھر کوئی انتہائی

مہلک قسم کے نزلہ زکام کی اچھوتی بیماری پھیلا سکتا ہے۔ چاہے یہ قدرت کی ستم ظریفی سے ہو یا کوئی دہشت گرد کی جانب سے ہو وبائی امراض کے ماہرین کے مطابق تیزی کے ساتھ ہوا کے ذریعہ پھیلنے والا یہ جراثیم ایک سال سے کم عرصہ میں تین کروڑ انسانوں کو مار ڈالے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ بل گئیس کو کیسے معلوم ہوا کہ اگلے تین سال میں دنیا کے اندر عالمی سطح پر کوئی ایسی اچھوتی یا وبائی بیماری پھیلنے والی ہے جو تین کروڑ انسانوں کی جان لے جائیگی؟ کیا وہ کوئی علم الفلکیات کا ماہر جادوگر ہے کہ اسے پہلے ہی علم ہو گیا کہ تین سال بعد دنیا کے اندر عالمی سطح کی ایک مہلک بیماری پھیلنے والی ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ بل گئیس خود اس سازش کا حصہ ہے یا کم از کم اس کے کرداروں سے باخبر ضرور ہے۔

صیہونی ایجنڈا پر کاربند بل گئیس نے برملا اس بات کا اظہار کیا کہ ایسی ویکسینیشن تیاری کے مراحل میں ہے جس سے دنیا کی آبادی کو کم کیا جاسکے۔ رابرٹ ایف کینیڈی جو نئیر امریکی سینٹر نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے امریکی وائٹ ہاؤس سے مطالبہ کیا ہے کہ بل گئیس کے اس بجرمانہ بیان کا نوٹس لیا جائے اور ایک جامع تحقیق کروائی جائے کہ انسانوں کو قتل کرنے والی ایسی ویکسین کہاں اور کون تیار کر رہا ہے؟ یہ سب کچھ محض افسانوی نہیں ہے بلکہ ریکارڈ کا حصہ ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ”فلاحی کاموں“ کے پردہ میں بل گئیس کی نام نہاد فلاحی تنظیمیں لوگوں کو ایسی ویکسینیں اور دوائی پلا رہی ہیں جس کے ذریعہ ان کی نسلوں کے اندر نسلی افزائش کی صلاحیت ختم کر کے انہیں بانجھ کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ”زچہ بچہ کی صحت“ کے نام پر بل گئیس فاؤنڈیشن کے تمام پراجیکٹس میں ”خاندانی منصوبہ“ ایک اہم عنصر کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ ”خاموش قتل عام“ کا یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے اور لوگ اسے عوامی فلاح کے حوالہ سے سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ ”دیسی اقوام“ کی جبری نسل کشی کا بجرمانہ پراجیکٹ ہے۔ یہ خاموش قتل عام (Silent Genocide) ہے۔

اب عالمی سرمایہ داروں کا ملکیتی میڈیا بڑی چال بازی کے ساتھ اس کا ملکہ ادھر ادھر ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہے جبکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ بل گئیس عالمی صیہونی سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے اور یہ کہ عالمی نسل کشی روتھسائٹز اور راک فیلر گروہ کے اداروں کا کئی عشروں سے طے شدہ مسلمہ ایجنڈا ہے جس کا اظہار انہوں نے بار بار پوری دنیا کا سامنے کیا ہے۔ نسل آدم کو اس وقت اجتماعی قتل عام جیسے سنگین مسئلہ کا سامنا ہے لیکن سوال یہ ہے اجتماعی قتل عام کے اس منصوبہ کے سامنے سامنے کس طرح بند باندھا جائے؟

اہل دانش کی نظر میں اس کا واحد حل یہ ہے کہ پوری دنیا کے اندر ملٹی نیشنل ادویات اور ملٹی نیشنل

فوڈ سٹورز کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور اس کی جگہ سابقہ کمیونٹی میڈ بسن کو رواج دیا جائے اور گھریلو کھانوں کو ترجیح دی جائے۔ سابقہ طب کے علم کو از سر نو زندہ کر کے عالمی فارماسیوٹیکل انڈسٹری کا خاتمہ کیا جائے۔ عالمی سرمایہ داری کے خلاف بلا امتیاز نسل و مذہب ایک وسیع مزاحمتی محاذ تشکیل دیا جائے اور دنیا سے نظام سرمایہ داری اور اس کی سرپرست صیہ ہونی قوتوں کے خاتمہ کیلئے سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔ اور یہ کوئی بہت زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔



4

امریکی ریاست پر کارپوریشنز کا قبضہ (امریکہ کے اصل حکمران کون ہیں؟)

عالمی سطح پر جمہوریت کے لٹھ بردار امریکہ میں انتخاب لڑا نہیں جاتا بلکہ خریدا جاتا ہے۔ ہر چار سال بعد سرمایہ دار لابیوں کے درمیان انتخابات کی ایک مصنوعی جنگ ہوتی ہے جس میں صرف دو جماعتوں یعنی ”ریپبلکن“ اور ”ڈیموکریٹک“ کے امیدوار ہی حصہ لیتے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ دونوں جماعتوں کا انتخابی منشور عالمی سرمایہ داری اور اس کے مالکان کو مکمل تحفظ فراہم کرنا ہے۔ منشور ایک ہی ہے۔ صرف ہر چار سال بعد چہروں کی تبدیلی ہوتی ہے۔۔

سرمایہ دار گروہ ایک ہی وقت میں ان دونوں جماعتوں کی مالی معاونت کر رہے ہوتے ہیں تاکہ جو جماعت بھی برسرِ اقتدار آجائے اس سے انفرادی سطح پر مفادات حاصل کئے جاسکیں۔ آپ انٹرنیٹ پر موجود امریکہ کے سابقہ صدارتی انتخابات کے اخراجات کا گوشوارہ ملاحظہ کر سکتے ہیں جس سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دار گروہ دونوں جماعتوں کے امیدواروں پر بیک وقت سرمایہ کاری کر رہے ہوتے ہیں۔ مزید برآں دونوں جماعتوں کے امیدوار اپنی ذاتی جیب سے ایک ڈالر بھی خرچ نہیں کرتے بلکہ پورا انتخاب جماعتی فنڈز سے لڑا جاتا ہے۔ 2016 کے صدارتی انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی کی امیدوار ہیلری کلنٹن کیلئے 1,190.7 ملین ڈالر عطیات جمع ہوئے۔ اس میں 1,184.1 ملین ڈالر خرچ ہوئے اور 7.8 ملین ڈالر پارٹی فنڈز میں بقایا بچ گئے۔ اسی طرح ڈونلڈ ٹرمپ کی ریپبلکن پارٹی کے پاس 646.8 ملین ڈالر جمع ہوئے جس میں سے 616.5 ملین ڈالر خرچ ہوئے اور 31.5 ملین ڈالر پارٹی فنڈز میں بقایا بچ گئے۔

ان جماعتی فنڈز میں عوام الناس کا حصہ محض برائے نام ہوتا ہے۔ اصل ”عطیات“ بلا واسطہ یا بالواسطہ بڑے سرمایہ داروں کی جانب سے ہی آتے ہیں جن سے انتخاب لڑا جاتا ہے۔ امریکی انتخابات میں 80% فیصد کے قریب عطیات بڑے سرمایہ دار گروہوں کی جانب سے آتے ہیں اور یہ عطیات امریکی ووٹرز

کے ایک فیصد سے بھی کم آبادی کی طرف سے آتے ہیں۔ مزید برآں ان عطیات کا ایک بڑا حصہ صرف تین ریاستوں یعنی نیویارک، کیلیفورنیا اور ٹیکساس سے آتا ہے جہاں امریکہ کے بڑے بزنس مالکان رہائش پذیر ہیں۔ سرمایہ دار کارپوریشنز یہ فنڈز ”سپر پولیٹیکل ایکشن کمیٹیز“ (Super Political Action Committees) کے ذریعہ دیتے ہیں اسلئے کہ امریکی سپریم کورٹ کے 2010 کے ایک فیصلہ کے مطابق کوئی فرد یا ادارہ امیدواران کو براہ راست 2700 ڈالر سے زیادہ کی رقم انتخابات میں بطور عطیہ نہیں دے سکتا مگر ”سپر پولیٹیکل ایکشن کمیٹیز“ پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ان کمیٹیوں کے ذریعہ کوئی بھی فرد یا ادارہ لا محدود عطیات دے سکتا ہے اور یہ کمیٹیاں ڈونرز کا نام ظاہر کرنے کی بھی پابند نہیں ہیں۔ 2016 میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں ریپبلکن پارٹی کی امیدوار ہیلری کلنٹن کے لئے ملنے والے کل عطیات کا 82 فیصد بڑے سرمایہ کاروں کی جانب سے آیا جبکہ ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار ڈونلڈ ٹرمپ کو ملنے والے عطیات کا 73 فیصد بڑے سرمایہ دار گروہوں کی جانب سے عطیہ کیا گیا۔

پوری امریکی تاریخ میں صرف ڈونلڈ ٹرمپ واحد ایک امریکی صدر ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے آٹھ ملین ڈالر کے قریب رقم اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے خرچ کی ہے۔ مگر یہ بھی محض ایک فریب ہے۔ یہ رقم ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی جماعت یعنی ”ریپبلکن پارٹی“ کو بطور قرض دی تھی جو بعد میں عطیات جمع ہونے پر اس نے واپس لے لی۔ امریکی انتخابات بڑے سرمایہ داروں کی چھتری تلے لڑے جاتے ہیں اور یہی امریکی انتخابات اور امریکی جمہوریت کی اصل اندرونی کہانی ہے۔ بقول اقبال:

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟

چہرہ روشن اندروں چٹخیز سے تاریک تر

امریکہ کی کئی سو سالہ تاریخ میں نہ تو کوئی تیسری جماعت جنم لے سکی ہے اور نہ ہی اس کے مستقبل قریب میں کوئی امکانات دکھائی دیتے ہیں۔ کسی غریب خاندان کا کوئی فرد کبھی امریکی صدر منتخب نہیں ہو سکا ہے۔ اگر کوئی درمیانہ طبقہ کا فرد امریکی صدر کی فہرست میں نظر آ بھی جائے تو وہ بھی کوئی آزاد فرد نہیں ہوتا بلکہ کسی بڑی سرمایہ دار کارپوریشن یا لابی کا دلال ہوتا ہے۔ فرینکلن روز ویلٹ صدر امریکہ نے 1933 میں ہی یہ حقیقت آشکارا کر دی تھی:

"The real truth of the matter is, as you and I know, that a financial element in the larger centres has owned the government since the days of Andrew Jackson."

ترجمہ: ”اصل سچ یہی ہے کہ امریکہ میں طاقت کے تمام بڑے مراکز میں سرمایہ نے مرکزی حیثیت اختیار کر لی ہے اور سرمایہ دارانہ گروہوں نے انڈریوجیکسن کے زمانہ ہی سے حکومت امریکہ پر قبضہ کیا ہوا ہے۔“

امریکی صدارتی انتخاب بڑے سرمایہ داروں کا کھیل ہوتا ہے کوئی عام آدمی یا دانشوران انتخابات کا حصہ نہیں بن سکتا۔ پورا امریکی انتخاب دو بڑے سرمایہ داروں میں بٹا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کا دوستانہ میچ ہوتا ہے جس میں ایک جانب ریپبلکن اور دوسری جانب ڈیموکریٹک گروپ ہوتا ہے۔ یہ عمل ہر چار سال بعد دہرایا جاتا ہے تاکہ عوام اپنے دل کا غبار نکال سکیں اور یہ سمجھیں کہ امریکہ پر عالمی سرمایہ داروں کی نہیں بلکہ ان کے اپنے منتخب نمائندوں کی حکومت ہے۔ امریکی نظام سیاست کس حد تک عالمی سرمایہ دار قوتوں کا پرغالی ہے اس کا اندازہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے ذیل میں دیئے گئے الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ 1961 میں امریکی صدر جان ایف کینیڈی نے انتہائی بے بسی کے عالم میں امریکی عوام سے مدد کی اپیل کرتے ہوئے کہا:

"The word secrecy is repugnant in a free and open society, and we are as a people, inherently and historically opposed to secret societies, secret oaths and secret proceedings. For we are opposed around the world by a monolithic and ruthless conspiracy, that relies primarily on covert means for expanding its sphere of influence. It depends on infiltration instead of invasion, on subversion instead of elections, on intimidation instead of free choice. It is a system which has conscripted vast human and material resources into the building of a tightly knit, highly efficient machine that combines military, diplomatic, intelligence, economic, scientific, and political operations. Its preparations are concealed, not published, its mistakes are buried, not headlined, and its dissenters are silenced, not praised, no expenditure is questioned, no secret revealed... I am asking your help in the tremendous task of informing and alerting the American people."

ترجمہ: لفظ ”خفیہ“ ایک آزاد اور کھلے معاشرہ کی توہین ہے۔ ہم امریکی جمہلی اور تاریخی طور پر خفیہ

انجمنوں، خیمہ حلف ناموں اور خفیہ کارروائیوں کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ ہمیں دنیا میں ایسے یکطرفہ اور بے رحم سازشیوں کا سامنا ہے جو اپنی طاقت میں اضافہ کیلئے خفیہ کارروائیوں پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ لوگ براہ راست مداخلت کی بجائے خفیہ دراندازی، انتخابی عمل کی بجائے انتشار اور آزادانہ حق رائے دہی کی بجائے دھمکیوں پر انحصار کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے بے پناہ انسانی اور مادی وسائل مجتمع کر کے ایک انتہائی طاقتور اور فعال تنظیم پیدا کر لی ہے جو بیک وقت جنگی، ڈپلومیسی، انٹیلی جنس، معاشی، سائنسی اور سیاسی عوامل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کی تیاریاں خفیہ رکھی جاتی ہیں اور کسی کے علم میں نہیں آنے دی جاتیں۔ اسکی غلطیوں کو کبھی ظاہر نہیں کیا جاتا۔ اس کے باغیوں کو خاموشی (یعنی قتل) کروادیا جاتا ہے۔ ان کے اخراجات خفیہ رکھے جاتے ہیں اور اس کے راز کبھی ظاہر نہیں کئے جاتے۔ مجھے امریکی عوام کو اس سازش سے مطلع کرنے اور ہوشیار ہو جانے کیلئے آپکی مدد کی ضرورت ہے۔“

اب اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ امریکہ کا صدر ان خفیہ طاقتوں کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہا ہے اور عوامی امداد کا طالب ہے۔ بظاہر عالمی سطح پر اتنا طاقتور نظر آنے والے امریکی صدر کو دورون خانہ ان عالمی سرمایہ دار قوتوں کے ساتھ ان کی شرائط پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے اور عالمی سرمایہ داروں کی ایک ایک کھ پتلی کے طور پر کام کرنا پڑتا ہے۔ جو صدمہ بن جانے کے بعد بطور کھ پتلی کام کرنے سے انکار کرتا ہے تو اسے ابراہیم لنکن اور جان ایف کینیڈی کی طرح خاموشی کے ساتھ ٹھکانے لگادیا جاتا ہے اور اس کے قاتل سزا سے بچ جاتے ہیں۔ امریکی صدر حقیقت میں امریکہ پر قابض کارپوریٹ اور عسکری قوتوں کے ہاتھوں میں کھیلنے والا ایک مہرہ ہوتا ہے۔ بظاہر بہت طاقتور نظر آنیوالا امریکی صدر شطرنج کا ایک ایسا مہرہ ہوتا ہے جسے چلانے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ ہمہ وقت اس کے سر پر کانگریس، سینٹ، پنٹاگان، سی آئی اے اور دیگر نہ جانے اور کتنے ہی ریاستی اور غیر ریاستی ادارے سوار رہتے ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر اس کے پاس بہت ہی کم آپشن بچتے ہیں۔ صدر کینیڈی ایک باضمیر امریکی صدر تھا۔ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو عالمی ساہوکاروں کے چنگل سے آزادی دلا کر ایک عوامی ریاست کی تشکیل چاہتا تھا۔ امریکی اسٹیل شمشٹ کے اندر بیٹھے عالمی ساہوکاروں کے نمائندوں نے صدر کینیڈی کو اس حد تک زچ کیا کہ ایک موقع پر ان کے والد نے انہیں جینی دباؤ سے نجات پانے کیلئے صدارت چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ اسی جینی کشمکش اور اذیت کے ماحول میں اسے قتل کر دیا گیا۔

امریکہ کے اندر جمہوری اقدار انتہائی کمزور اور موقع پرستی پر مبنی ہیں۔ ملٹی نیشنل کاروباری ریپبلکن اور ڈیموکریٹ دونوں امیدواروں کو ہی ”انتخابی عطایات“ کی شکل میں بھاری بھر کم ”رشوت“ دیتی ہیں۔

وہوں جماعتیں ہی سرمایہ دار گروہوں کی خدمت بجالاتی ہیں۔ کسی تیسری جماعت کیلئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ان جماعتوں کے ممبران بھی اپنے مفادات کے مطابق جماعتیں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

ٹھل کے طور پر موجودہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ 1987 میں ریپبلکن جماعت میں شامل ہو گیا۔ پھر آزاد ہو کر دونوں جماعتوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس کے بعد ڈیموکریٹ پارٹی میں شامل ہو گیا اور پھر اسے چھوڑ کر دوبارہ ریپبلکن پارٹی میں شامل ہو گیا اور اس کی جانب سے صدارتی امیدوار کے طور پر سامنے آ گیا۔ اس وقت ریپبلکن جماعت کی جانب سے الیکشن لڑ کر دنیا کی سب سے بڑی ”نام نہاد جمہوری حکومت“ کا سربراہ بن گیا ہے۔ لیکن ہم اس میں ٹرمپ کو مطعون نہیں کر سکتے اسلئے کہ یہ کلچر ٹرمپ نے پیدا نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو خود اس موقع پرستی کی سیاست کا بچہ تھا۔

"Veterans Today" کے مصنف کیون بیرٹ (پی۔ ایچ۔ ڈی) راک فیلر کی موت پر جو تبصرہ کیا وہ امریکی سیاست کا ایک بڑا معروضی تجزیہ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"David Rockefeller was such an important figure that he had to "give the nod" to the JFK assassination On the night of November 21, 1963, Rockefeller's right hand man and emissary John J. McCloy, along with J. Edgar Hoover and his "wife" Clyde Tolson, ultra-corrupt Vice President Lyndon Johnson, mafia hit man Jack Ruby, future president Richard M. Nixon, George Brown (of Brown and Root), and other Deep State kingpins gathered at mafia lynchpin Clint Murchison's house in Dallas. Johnson emerged from the meeting to tell his mistress Madeleine Duncan Brown that "after tomorrow, those goddamn Kennedies will never embarrass me again."

(Kevin Barrett: Rockefeller Dies --- links to JFK Assassination Exposed!)

(<http://www.veteranstoday.com/2017/03/20/rockefeller/>)

ترجمہ: ”راک فیلر اتنا اہم شخص تھا کہ اس نے جان ایف کینیڈی کے قتل کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ 21 نومبر 1963 کی رات راک فیلر کا دلال خاص جان جے میک کلائے اپنے دیگر ہمراہیوں یعنی جے ایڈگر ہوور اور اس کی بیوی کلائیڈ ٹالسٹن، انتہائی کرپٹ نائب صدر لنڈن جانسن، مافیا کا اہم غنڈہ جیک روبی، مستقبل کا امریکی صدر رچرڈ نیکسن، جارج براؤن اور ”خفیہ ریاست“ کے بڑے ستون ڈلیس (Dallas) میں

مرحوم کے گھر پر جمع تھے۔ جانسن اپنی نشست سے اٹھ کر باہر گیا اور اپنی مسٹر لیس میڈیلین ڈٹکن براؤن کو بتایا کہ ”کل کے بعد یہ کینیڈی غنڈے مجھے دوبارہ کبھی بھی پریشان نہیں کر سکیں گے۔“

اور بالکل اس سے اگلے روز 22 نومبر 1963 کو جان ایف کینیڈی کو قتل کر دیا گیا۔ اس قتل کے سازشیوں کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔ اس قتل کا ایک مشکوک ملزم لنڈن جانسن اگلے ہی روز امریکی صدر بن گیا۔ ایک دوسرا مشکوک ملزم یعنی امریکی سی آئی اے کا سابقہ ڈائریکٹر ایلن ڈیلس (جو کہ راک فیلر خاندان کا قریبی رشتہ دار بیان کیا جاتا ہے اور جسے جان ایف کینیڈی نے ملازمت سے فارغ کر دیا تھا) اس قتل کی تفتیش کا انچارج بنا دیا گیا۔ امریکہ کے اندر موجود مافیا گروہ کامیاب ہو گئے۔ آنیوالے امریکی صدور کیلئے ایک درس عبرت باقی رہ گیا کہ جو کوئی سی آئی اے، پٹاگان اور روٹھیلڈ کے سرمایہ دار گروہ سے ٹکرائے گا اس کا انجام بھی ایسا ہی عبرتناک ہوگا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد 5 جون 1968 کو لاس اینجلس کے ایم پیڈر ہوئل میں ہائی سیکورٹی کی موجودگی میں اس کے بھائی رابرٹ ایف کینیڈی (جو کہ امریکہ کا اتارنی جنرل اور سینئر بھی رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے قتل کی غیر جاندارانہ تحقیقات کا مطالبہ کر رہا تھا اور ”امریکی مافیا“ کے خلاف انتقامی جذبات رکھتا تھا) کو بھی پراسرار حالات میں قتل کر دیا گیا اور اس کے خاف سازش کرنیوالوں کا بھی آج تک سراغ نہیں مل سکا۔ ڈیوڈ ٹالیوٹ کی 2015 میں شائع ہونے والی ایک کتاب

”The Devil Chessboard: Allen Dulles, the CIA, and the Rise of America's

Secret Government“.

میں کینیڈی کے قتل اور طاقتور امریکی خفیہ ریاست کے امریکی سیاست میں کردار کے بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور خاطر خواہ مواد فراہم کیا گیا ہے۔

امریکی سیاستدانوں کی ایک بڑی اکثریت ہمیشہ ہی بڑے سرمایہ داروں کی ”مالی اعانت“ کی محتاج رہی ہے۔ یہ سیاستدان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے وفادار خدمتگاروں کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ داران سیاستدان کے مالیاتی مفادات کے حد درجہ رکھوالے ہیں۔ اس کا اندازہ ہیلری کلنٹن (جو کہ سابقہ سیکرٹری آف سٹیٹ، سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی بیوی اور ٹرمپ کے مقابلہ میں امریکی صدارتی امیدوار) کی کتاب ”Hard Choice“ میں کئے گئے اعترافات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں نیویارک سے چین میں کمپیوٹر کا مینیجر مل برآمد کرنے والی کمپنیوں کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ چین نے کمپیوٹر سے متعلقہ میسرمل برآمد کرنے والی نیویارک کی کچھ کمپنیوں پر پابندیاں اور بھاری ٹیکس عائد کر دیئے۔ اس سلسلہ میں اس نے ان کمپنیوں کی چینی حکومت کے سامنے آخری حد تک وکالت کی اور

اپنے تمام تر ذاتی تعلقات کو بھی استعمال کیا۔ وہ لکھتی ہیں:

"In April 2004, I invited the Chinese ambassador to my senate office and sent a pointed letter to the Chinese Minister of trade. I also made every attempt possible to enlist the Bush administration to back me up. After failing to get much attention from the White House, I raised the coming matter directly with President Bush at the dedication of my husband's Presidential library in Little Rock Arkansas. "This is a great American company being threatened," I told him. "Your administration needs to help me help them." President Bush agreed to look into the problem and he did. In December China dropped the discriminatory tariff. Allowed to compete on a level playing field, Corning's business thrived". ('Hard Choices' By Hillary Rodham Clinton, P. 511)

ترجمہ: "اپریل 2004 کو میں نے چینی سفیر کو اپنے سینٹ آفس میں طلب کر کے اسے چینی وزیر تجارت کے نام ایک مراسلہ دیا۔ میں نے اس معاملہ میں بش انتظامیہ کی جانب سے تعاون حاصل کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی۔ جب مجھے اس میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو میں راک ارکانساس میں واقع اپنے خاوند کی جانب سے عطیہ کی جانے والی لانچریری میں ہونے والی ایک کارنزمینٹنگ میں ذاتی طور پر صدر بش کی توجہ اس جانب دلائی اور اسے کہا کہ "یہ ایک بڑی امریکی کمپنی ہے اور اسے دھمکایا جا رہا ہے"۔ صدر بش نے اس مسئلہ پر غور کا وعدہ کیا اور اسے پورا بھی کیا۔ ماہ دسمبر میں چین نے اس کمپنی پر سے خاصمان ٹیرف (درآمدی ٹیکس) ختم کر دیا۔ کارنزمینٹنگ زندہ باد۔"

بل کلنٹن کے وقت کی خاتون اول اور بعد کی سیکرٹری آف سٹیٹ اور ٹرمپ کے مقابلہ میں صدارتی امیدوار کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی کیلئے کی جانے والی کاوشیں امریکی سیاستدانوں کے ذہن اور ان کے خفیہ مذاہات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ 515-516 میں وہ اپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں کیلئے کی گئی خدمات کی تفصیل کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"I made export promotion a personal mission. During my travels I often made a pitch for American business or products like GE in Algeria. For

example, in October 2009, I visited the Boeing Design Center in Moscow because Boeing has been trying to secure a contract for new planes with Russians. I made the case that Boeing's jets set the global gold standard, and after I left, our embassy kept at it. In 2010, the Russians agreed to buy fifty 737s, for almost \$4billion, which translated into thousands of American jobs. And our efforts weren't just on behalf of big companies like Boeing or GE ---we also advocated for small and medium sized businesses across our country trying to go global".

ترجمہ: "میں نے برآمدات کی ترقی کو اپنا ذاتی نصب العین بنالیا۔ بین الاقوامی دوروں کے دوران میں نے اکثر امریکی کاروبار، جیسے جنرل الیکٹرک کی پراڈکٹس کو الجزائر میں بیچنا، کیلئے راہ ہموار کی۔ مثال کے طور پر اکتوبر 2009 میں، میں نے ماسکو کے اندر واقع بوئینگ ڈیزائن سنٹر کا دورہ کیا کیونکہ بوئینگ کمپنی روس کے ساتھ اپنے طیاروں کو بیچنے کا معاہدہ کرنا چاہتی تھی۔ میں نے بوئینگ کمپنی کے کیس کی روسی حکام کے سامنے وکالت کی اور انہیں ترغیب دی کہ بوئینگ کے طیارے عالمی معیار کے بہترین طیارے ہیں۔ میرے دورے کے بعد امریکی سفارتخانہ مسلسل اس کیس کی پیروی کرتا رہا۔ نتیجہ کا طور پر 2010 میں روسی حکومت نے چار بلین ڈالر مالیت کے پچاس 737 طیارے خریدنے کا معاہدہ کر لیا جس سے امریکیوں کیلئے ہزاروں نئی نوکریاں پیدا ہوئیں۔ ہماری یہ کوششیں صرف بوئینگ اور جنرل الیکٹرک جیسی بڑی کمپنیوں کیلئے ہی نہیں تھیں بلکہ ہم نے چھوٹے اور درمیانہ سائز کے کاروبار کو بھی عالمی وسعت دینے کی کوشش کی۔"

اندازہ کیجئے کہ کس طرح سابقہ امریکی صدر کی بیوی اور مستقبل میں امریکہ کی صدارتی امیدوار ہلنی فیشنل کمپنیوں کی مارکیٹنگ کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ ان پچاس جیٹ طیاروں کے سودے سے امریکیوں کیلئے نوکریوں کی بات تو محض ایک لولائنگز اجواز پیدا کرنے کی کوشش ہے مگر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امریکی دفتر خارجہ اور امریکی سیاستدان کس حد تک نیچے گر کر امریکہ کی بڑی کمپنیوں کیلئے "مارکیٹنگ آفیسر" کا کام کر رہے ہیں۔ گریگ پالاسٹ (Greg Palast) اپنی کتاب (The Best Democracy Money Can Buy) میں لکھتا ہے:

"Pakistan looked like another Entergy jackpot when, in 1992, the government of Benazir Bhutto, in a manner most strange, agreed to increase

the amount Pakistan's power agency would have to pay for electricity from plants part owned by Entergy (10%) and Britain's national power (40%). Then, in 1998, Bhutto lost the election and the new Pakistan government discovered her secret ownership of posh properties in London. Putting her unexplained riches together with the crazy generous deal with the U.K- U.S power companies, the government in October 1988 charged her and the western consortium with bribery. Pakistan's new government then ended the high payments to the British-American consortium on the internationally accepted rule of law that contracts allegedly obtained by bribery and unenforceable. Officially, the IMF and World Bank condemn bribery. Nevertheless, within days of Pakistan's filing corruption charges and cutting payments to the accused British American Power combine, the IMF Bank, at Clinton's end and Blair's request, threatens to cut off Pakistan access to international finance.

Panicked by the threat of economic blockade, Pakistan prepared to collect the cash to pay off the UK-U.S consortium. On December 22, 1998, Pakistan's military sent 30,000 troops into the nations power station. Peter Windsor, national power's director of international operations told me "a lot changed since the army moved in. Now we have a situation where we can be paid, they've found a way to collect from the man in the street". Yes, at gun point, trade union lawyer Abdul Latif Nizamani told me after his arrest and release following mass demonstration. (Windsor vehemently denied the bribery charges).

With Pakistan's army in control of the nation's infrastructure, and acting as guarantor of payment to the multinationals, General Musharraf's final

takeover nine months later-A " Surprise Coup" to western press-was in fact a foregone conclusion to the power plant dispute.

In the months before he left office, President Clinton flew to the Pakistan. Shocked congressmen could not understand why Clinton would meet a military dictator not recognized by the US State Department. The answer was the real item on the agenda: higher electricity prices to pay the questionable contracts with the British-American power group".

(The Best Democracy Money Can Buy By Greg Palast; Page. 113).

اقتدار میں آنے سے پہلے اور بعد میں امریکی قیادت (سوائے معدودے چند کے) ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز سے مالی تحفظ حاصل کرتی رہی ہے۔ اکثر امریکی سیاستدان اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے سے پہلے ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے ملازمین یا مشیر رہے ہوتے ہیں۔ یا پھر اعلیٰ عہدوں سے علیحدگی کے بعد ان سے مراعات حاصل کرتے ہوئے ان کے تنخواہ دار ملازم بن جاتے ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور امریکی سیاستدانوں کے درمیان ایک قسم کی "مفادات کی شادی" ہوتی ہے۔ امریکی سرمایہ دار کمپنیاں بھی اس سلسلہ میں خاصی فیاض واقع ہوئی ہیں۔ وہ اپنے ان خدمتگار سیاستدانوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے نوازتی رہتی ہیں۔ اسی ہیلری کلنٹن کے خاوند (جو کہ امریکی صدر بھی رہے ہیں) بل کلنٹن کو 2001 سے 2012 تک کی مختلف مواقع پر کی گئی تقاریر پر ان کمپنیوں کی جانب سے جو رقم دی گئیں ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

YEAR	AMOUNT
2001	9.2 MILLION DOLLAR
2002	9.5 MILLION DOLLAR
2003	3.6 MILLION DOLLAR
2004	0.875 MILLION DOLLAR
2005	7.5 MILLION DOLLAR
2006	10.2 MILLION DOLLAR
2007	10.1 MILLION DOLLAR

2008	5.7 MILLION DOLLAR
2009	7.5 MILLION DOLLAR
2010	10.7 MILLION DOLLAR
2011	13.4 MILLION DOLLAR
2012	17 MILLION DOLLAR
TOTAL	105.275 MILLION DOLLAR

بل کلنٹن ایک تقریر کے -/250,000 سے لیکر -/750,000 ڈالر تک وصول کرتا رہا ہے۔ بل کلنٹن کو نہ ایسا ارسطو تھا جسے فی لیکچر اتنی بڑی ادائیگی کی گئی؟ وہ ایک اوسط درجہ کا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ بل کلنٹن سے ہزار درجہ بہتر تقریر کوئی عام یونیورسٹی کا لیکچرر کر سکتا ہے۔ یہ ساری نوازشات بلا واسطہ ان خدمات کا ”معاوضہ“ ہیں جو امریکی سیاستدان ان بڑی کمپنیوں کیلئے بجالاتے ہیں۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی جانب سے امریکی سیاستدانوں پر اس کے علاوہ اور کوئی نوازشات کی جاتی ہیں، یہ بات ہمیشہ سے صیغہ راز میں ہے اور صیغہ راز میں ہی رہے گی۔ گویا امریکی سیاستدان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے طفیلی تنخواہ دار ملازم ہیں جو ان کے اثر و ابھار پر نہ صرف ان کے پسند کی قانون سازی اور صدارتی ایگزیکٹیو آرڈر پاس کرتے ہیں بلکہ ریاستی سطح پر ان کی پراڈکشن کی فروخت کیلئے ”مارکیٹنگ افسر“ کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ جب کوئی باضمیر امریکی سیاستدان سرمایہ کے ان مگر مچھوں سے الجھتا ہے تو اسے کینیڈی کی طرح کے عبرتناک انجام کی دھمکیوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور اب تک نہ جانے کتنے ہی ایسے سیاسی قتل ہیں جو منظر عام پر ہی نہیں آ سکے۔ ان کو اتفاقیہ یا روزمرہ کے ”حادثہ“ کا رنگ دیکر داخل دفتر کر دیا گیا۔ گویا امریکی ریاست باضمیر سیاستدانوں کی ایک ایسی قتل گاہ ہے جس کے قاتلوں کا کبھی سراغ نہیں ملتا۔ اس میں اب کوئی شبہ نہیں ہے کہ امریکی ریاست عالمی سائبرکاروں کے ہاتھ میں یوغال بن چکی ہے۔ اسی خطرناک صورت حال کے بارے میں ابراہیم لنکن نے امریکی عوام کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا:

"I see in the near future a crisis approaching that unnerves me and causes me to tremble for the safety of my country... corporations have been enthroned and an era of corruption in high places will follow, and the money power of the country will endeavor to prolong its reign by working upon the prejudices of the people until all wealth is aggregated in a few hands and the Republic is destroyed."

ترجمہ: ”میں مستقبل قریب میں ایک ایسا بحران دیکھ رہا ہوں جو مجھے پریشان کر رہا ہے اور جس کے خوف سے میں کانپ جاتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کارپوریشنز اس ملک پر قابض ہو رہی ہے اور اعلیٰ قیادت کے اندر کرپشن جنم لے رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ سرمایہ دار کارپوریشنز اس ملک پر قابض ہو جائیں گی اور عوام کے اختلافات کو اس وقت تک ہوا دیتی رہیں گی جب تک کہ پورے ملک کا سرمایہ چند ہاتھوں میں منتقل نہیں ہو جاتا اور جمہوریہ تباہ نہیں ہو جاتی۔“

امریکی حکومت کو قابو میں رکھنے کیلئے عالمی ساہوکاروں نے پٹناگان اور سی آئی اے کے علاوہ بھی کچھ ادارے بنا رکھے ہیں جن کا کام امریکی صدر کے ارد گرد گھیراؤ ال کر اس سے اپنی مرضی کے فیصلے کروانا ہوتا ہے۔ ان اداروں میں ٹرائی لیٹرل کمیشن، سی ایف آر اور بلڈر برگ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان تینوں اداروں کے مختصر تعارف ذیل میں دیا جاتا ہے۔

ٹرائی لیٹرل کمیشن

یہ کمیشن روچسٹرانڈ خاندان کے امریکی دلال ڈیوڈ راک فیلر کی سرپرستی میں 1973 میں قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد حکومت امریکہ کو مکمل طور پر اپنے قابو میں لانا اور بعد ازیں اس کے ذریعہ پوری دنیا کو اپنے قابو میں لانا تھا۔ اس کا مقصد پوری دنیا پر معاشی، عسکری اور سیاسی غلبہ حاصل کرنا تھا۔ اس کے دور رس مقاصد میں دنیا کی تمام قومی ریاستوں (بشمول ریاستہائے متحدہ امریکہ) کا بتدریج خاتمہ اور ان کی جگہ عالمی سرمایہ داری کے زیر تسلط ایک عالمی حکومت قائم کرنا تھا۔ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اس گروہ نے پیسہ، دھونس، معاشی گھیراؤ، خانہ جنگی، سیاسی قتل غرض ہر حربہ کو بوقت ضرورت استعمال کیا۔ امریکی صدر جان ایف کینیڈی اور امریکی سینٹر رابرٹ ایف کینیڈی کے قتل کے اندر بھی اس گروہ کے وجود کے اشارے ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس وقت یہ دنیا کی نظروں سے بچ کر اور پردہ کے پیچھے بیٹھ کر نہ صرف پوری دنیا کی معیشت پر قبضہ کئے بیٹھا ہے بلکہ پوری دنیا میں مختلف ممالک میں خانہ جنگیاں، حکومتوں کی تبدیلی اور مختلف ممالک کے درمیان جنگیں کروانے جیسی قبیح حرکات میں ملوث ہے۔ اس کمیشن کے بانی اور روح رواں ڈیوڈ راک فیلر نے اپنی یادداشتوں کے صفحہ 405 پر اس کمیشن کے اغراض و مقاصد کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"Some even believe we are part of a secret cabal working against the best interests of the United States characterizing my family and me as 'internationalists' and conspiring with others around the world to build a more

integrated global political and economic structure - one world, if you will. If that's the charge, I stand guilty, and I am proud of it."

ترجمہ: ”بہت سے لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ میں اور میرا خاندان ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف ایک عالمی حکومت کے قیام اور اس سیاسی اور معاشی ڈھانچہ کی تشکیل کے قیام کیلئے سازشوں میں مصروف ہیں۔ اگر مجھ پر یہ الزام عائد کیا جاتا تو میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“

ٹرائی لیٹرل کمیشن کی ایک اہم شخصیت زبیکو برزنسکی تھا (جو جی کارٹر کے دورِ صدارت میں قومی سلامتی کا مشیر تھا) اس نے اس کمیشن کے بنیادی اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

"The nation-state as a fundamental unit of man's organized life has ceased to be the principal creative force: International banks and multi-national corporations are acting and planning in terms that are far in advance of the political concepts of the nation-state".

ترجمہ: ”قومی ریاستیں بطور انسان کی اجتماعی زندگی کے محور کے اب اپنی افادیت کھو چکی ہیں۔ بین الاقوامی بینک اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز قومی ریاست کے تصور سے بہت آگے کیلئے منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔“

اسی نے مزید کہا تھا کہ ”آئینہ کی دنیا ایک ایسی دنیا ہوگی جس میں ہر چیز مکمل طور پر ایک منصوبہ بندی کے تحت عالمی اشرافیہ کے زیرِ کنٹرول ہوگی جو کسی بھی قسم کی روایتی پابندیوں سے آزاد ہوگی۔ آج کی دنیا اور کل کی دنیا بالکل دوا لگ اور مختلف دنیا بنیں گی۔“

گویا وہ مستقبل قریب میں ایک ایسی ”غلام ریاست“ کا تصور پیش کر رہا ہے جس میں سوائے عالمی اشرافیہ کے باقی سب غلام ہوں گے۔ سینٹر جیری گولڈواٹر (Senator Barry Goldwater) اس ٹرائی لیٹرل کمیشن کے بارے میں کچھ یوں اظہارِ خیال کیا تھا:

"The Trilateralist Commission is international...(and)...is intended to be the vehicle for multinational consolidation of the commercial and banking interests by seizing control of the political government of the United States. The Trilateralist Commission represents a skillful, coordinated effort to seize control and consolidate the four centers of power - political, monetary, intellectual, and ecclesiastical."

ترجمہ: ”ٹرائی لیٹرل کمیشن ایک بین الاقوامی نوعیت کا ایک ادارہ ہے جو کہ ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی ایڈوانس ہوگی کے طور پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت پر قبضہ کر کے اسے کارپوریٹ کے تجارتی اور بینک کاری نظام کے تحت لانا چاہتا ہے۔ ٹرائی لیٹرل کمیشن زندگی کے چاروں مراکز یعنی سیاست، سرمایہ، علم اور روحانیت پر قابض ہو کر ایک (نیا) منضبط عالمی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے۔“

ایک اور امریکی صدارتی امیدوار لنڈن لاروچ (Lyndon LaRouche) نے 4 اگست 1981 میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

"The plan is to combine the collapse of the financial system of the United States and most of Western Europe with other countries to create a global crisis management' scenario on the largest and most catastrophic scales... the financial crisis is to be used to subject the United States, among other nations so treated to a dictatorship by decree of the IMF."

ترجمہ: ”منصوبہ یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ، مغربی یورپ اور کچھ دیگر ممالک کا فاشل سسٹم مکمل طور پر تباہ کر کے ایک بین الاقوامی بحران کی آڑ میں آئی۔ ایم۔ ایف کے زیر نگرانی ریاستہائے متحدہ امریکہ اور دیگر ممالک کو محکوم بنالیا جائے۔“

اس کمیشن کا امریکی حکومت کے اندر اثر و رسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کمیشن کے قیام پر ایک تہائی ممبران جی کارٹر کے دورِ صدارت میں انتہائی اعلیٰ عہدوں پر تعینات کئے گئے۔ جی کارٹر ان گروپ کا ممبر تھا اور وہ صدر امریکہ بن گیا اور والٹر مونڈیل نائب صدر بن گیا۔ ہیرولڈ براؤن سیکرٹری دفاع، سائرس ونیس سیکرٹری آف سٹیٹ، میخائل بلومنتھال سیکرٹری خزانہ، جیمز شلیسنگر انرجی ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ پال وولکر فیڈرل ریزرو کا چیرمین تعینات ہو گیا گویا ساری امریکی حکومت ہی ٹرائی لیٹرل کمیشن کے ممبران پر مشتمل تھی۔ برزنسکی اور بلومنتھال بلڈر برگ تنظیم کے بھی ممبران تھے۔ وہ دونوں اس وقت رہوڈز (Rhodes / Roundtable Group) گروپ کے بنائے گئے انتہائی طاقتور گروپ کونسل آف فارن پالیسی (CFR) کے بھی ڈائریکٹر تھے۔

تقریباً تمام امریکی صدارتی امیدواران، تمام ریپبلکن اور ڈیموکریٹک پارٹی کے نامی گرامی سینٹرز اور کانگریس کے ممبران اس ادارہ کے ممبر رہے ہیں۔ میڈیا ہاؤسز کے تمام بڑے نام، ایف آئی بی، سی آئی اے اور چینا گان کے چوٹی کے عہدیداران اس کے ممبر رہے ہیں۔ ٹرائی لیٹرل کمیشن امریکہ اور دنیا کی ”اقتدار کی

منڈی کے بڑے بڑے کھلاڑیوں (پاور بروکرز) کو ایک جگہ اکٹھے کر کے "خفیہ سازشوں" کیلئے موقع اور پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔

کونسل آف فارن ریلیشنز (کونسل برائے امور خارجہ)

کونسل آف فارن ریلیشنز (C.F.R.) کی بنیاد 29 جولائی 1921 نیویارک میں رکھی گئی۔ ویوڈ راک فیلڈ اور پال وار برگ اس کے بانی تھے۔ اس کا مقصد بطور ایک تھنک ٹینک کے امریکی حکومت کو اس کی خارجہ پالیسی کے تعین میں اس کی مدد کرنا تھی اور مختلف موضوعات اور ممالک کے بارے میں تحقیقی معلومات فراہم کرنا تھیں۔ لیکن چونکہ یہ پہلے ہی دن سے بڑے سرمایہ داروں کا "بغل بچہ" تھی اس لئے اس کی دلچسپی کا محور بھی امریکی سرمایہ داروں کے عالمی مفادات کا تحفظ کرنا ہی رہا۔ تمام تحقیقی پراجیکٹ اور ادارہ کی دیگر مالی ضروریات فورڈ فاؤنڈیشن اور راک فیلڈ فاؤنڈیشن کی مالی اعانت سے پوری کی جاتی ہیں۔ اس لئے اس ادارہ کی ساخت اور ممبران کی شمولیت میں ان سرمایہ داروں کا حقیقی عمل دخل ہے۔ چونکہ ادارہ امریکہ کے ریاستی مفادات کی بجائے بین الاقوامی سرمایہ داری اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی نمائندگی کر رہا تھا اس لئے اس کی امریکی محکمہ خارجہ کو دی گئی اسکی گائیڈ لائن ہمیشہ منفی نتائج کی حامل رہی۔ دسمبر 1950 کے شمارہ میں شکاگو ٹرائبیون نے اس ادارہ کی کارکردگی کو یوں ہدف تنقید بنایا تھا:

"The Council members used the prestige of their wealth, their social position and their education which has given them to lead their country toward bankruptcy and military debacle. They should look at their hands. There is blood on them - the dried blood of the last war and the fresh blood of the present one."

ترجمہ: "کونسل کے ممبران نے محض اپنی دولت، سماجی رتبے اور اعلیٰ تعلیم کا فائدہ اٹھایا جبکہ وہ ملک کو دیوالیہ پن اور فوجی تباہی کی جانب لے گئے۔ اگر وہ اپنے ہاتھوں پر غور کریں تو وہ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر سابقہ اور موجودہ جنگوں کا خون جما ہوا ہے۔"

1975 میں سی ایف آر کے ایک انتہائی بااثر ممبر سابقہ جج اور ایڈووکیٹ جنرل جیسٹر وارڈ

(Chester Ward) نے اس ادارہ کے مقاصد کے بارے میں لکھا:۔

"The CFR has as a goal of submergence of US sovereignty and national independence into an all-powerful one-world government... this lust to

surrender the sovereignty and independence of the United States is pervasive throughout most of the membership... In the entire CFR lexicon, there is no term of revulsion carrying a meaning so deep as 'America First.'

ترجمہ: ”سی۔ ایف۔ آر کا مقصد امریکی اقتدار اعلیٰ اور قومی آزادی کو ایک طاقتور عالمی حکومت کے اندر ضم کرنا ہے۔ امریکی اقتدار اعلیٰ اور امریکی آزادی کا خاتمہ اس ادارہ کا نصب العین رہا ہے۔ سی ایف آر کی لغت میں ”سب سے پہلے امریکہ“ نام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔“

1940 تک سوائے ایک کے سب سیکرٹری آف سٹیٹ اور سیکرٹری خزانہ کی اکثریت اس ادارہ کی ممبر رہی ہے۔ سی آئی اے کے بہت سے ڈائریکٹرز اس کے ممبر رہے ہیں۔ قومی سلامتی اور خارجہ امور کے مشیروں کی ایک بڑی اکثریت اس ادارہ کی ممبر رہی ہے۔ یہ ادارہ پرائیویٹ سیکٹر اور حکومت کے درمیان ایک مفاد پرست رابطہ کیلئے پل کا کام دیتا رہا ہے۔ اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ صدر جان ایف کینیڈی کو ان کی نیم کیلئے جن بیسی افراد کی فہرست دی گئی اس میں تریسٹھ لوگ اس کونسل کے ممبران تھے۔ اسی طرح جب صدر نکسن کے دور میں مینسفیلڈ ٹرمیم کے ذریعہ نیٹو میں امریکی افواج میں پچاس فیصد کمی کی تجویز سامنے آئی تو اس کی مخالفت میں صدر نکسن کا ساتھ دینے والے تینس میں سے اکیس ارکان اس کونسل کے ممبران تھے۔ امریکی صدر کی کابینہ کی ایک بڑی تعداد اسی ادارہ کے ممبران پر مشتمل ہوتی ہے اسلئے خارجہ پالیسی کے تعین میں اس ادارہ کی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس ادارہ نے نہایت غیر محسوس طریقہ سے امریکی محکمہ خارجہ کو بریغال بنا کر امریکہ کی خارجہ پالیسی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ کینٹ میں غالباً اکثریت کی وجہ سے یہ لوگ امریکی حکومت کے ہر فیصلہ پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس کونسل کی طاقت اور اثر و رسوخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فرانس اور لندن کے انتہائی طاقتور میسہونی مالیاتی گروہ رہوڈز نے امریکہ پر برطانوی تسلط ختم ہونے کے بعد امریکہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی غرض سے بنائی۔ نیٹل سیکورٹی ایکٹ 1947 کے تحت سیکرٹری آف ڈیفنس کی آسامی پیدا کی گئی۔ اس وقت سے لیکر آج تک چودہ سے زیادہ سیکرٹری دفاع کونسل آف فارن ریلیشنز کے ممبر تھے۔ 1940 سے لیکر اب تک سوائے جیمز ہارن کے سب سیکرٹری آف سٹیٹ کونسل آف فارن ریلیشنز اور ٹرائی لیٹرل کمیشن کے ممبر رہے ہیں۔

سابقہ اسی سالوں کے اندر امریکی کی قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کے ایڈوائزرز سی۔ ایف۔ آر کے ممبر رہے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے تقریباً سب بڑے جرنیل اس کے ممبر رہے ہیں۔ بہت سے

امریکی صدارتی امیدوار اسکے ممبر رہے ہیں جن میں ہربرٹ ہوور، آیزن ہاور، جان ایف کینیڈی، رچرڈ نکسن، جیمز ڈی فورڈ، جی کارٹر، جارج ایچ ڈبلیو بش، بیل کلنٹن، جان کیری اور جان مکین شامل ہیں۔ بہت سے سی فٹ اے کے ڈائریکٹرز اس کے ممبر رہے ہیں جن میں رچرڈ ہیلز، جیمز شیلنگر، ولیم کیسی، ولیم ویسٹر، رابرٹ گیس، میخائل ہائیڈن، جارج ٹینٹ، اور پورٹر گوس کے نام نمایاں ہیں۔ بہت سے سیکرٹری ٹریڈری اس ادارے کے ممبر رہے ہیں جن میں ڈوگلس ڈلن، جارج، شلز، ولیم سائمن، جیمز بیکر، نکولس بریڈی، روبرٹ روبن، ہنری پالسن اور ٹم گیتھر کے نام نمایاں ہیں۔

اس ادارہ کا مشن بھی بلڈر برگ اور ٹری لیٹرل کمیشن کا ہی ہے اس لئے کہ یہ تینوں ایک ہی فائنل ٹیم یعنی راک فیلر گروپ کی زیر نگرانی کام کر رہے ہیں اور راک فیلر انہما پسند صیہونی بیکار و تھسا کلڈ (Roshchilde) کلین الاقوامی دلال ہے لہذا ان تینوں اداروں کا ”وہی اور مالی سرپرست“ ایک ہی ہے اسی لئے ان تینوں کا مقصد بھی مشترک ہیں صرف ان کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔ ان تینوں کا مقصد ایک عالمی حکومت اور سرمایہ کی عالمی منڈی کا قیام ہے۔ اس کے ایک بانی ممبر پال وار برگ کے بیٹے جیمز پال وار برگ نے امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:

"We shall have world government whether or not you like it - by conquest or consent."

ترجمہ: ”ہم ایک عالمی حکومت بنا کر رہیں گے چاہے آپ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔ چاہے یہ کام رضا مندی سے تکمیل پذیر ہو جائے یا ہمیں اسے جنگی فتح کے ذریعہ کرنا پڑے۔“

سی ایف آر کا ایجنڈا ”ایک عالمی حکومت، ایک عالمی منڈی، ایک عالمی فوج، ایک عالمی بینک اور ایک عالمی کرنسی“ کا قیام ہے۔ اس عالمی حکومت میں صرف دو ہی طبقات ہونگے یعنی حاکم اور محکوم۔ جمہوریت اور درمیانہ طبقہ کا کوئی تصور نہیں ہوگا۔ یونین سازی یا کسی بھی قسم کے بنیادی حقوق کا بھی کوئی تصور نہیں ہوگا۔ یہ ایک ”غلام ریاست“ ہوگی جسکی حکمرانی صیہونی بادشاہت کے پاس ہوگی۔

بلڈر برگ گروپ (Bilderberg Group)

یہ ادارہ 29 مئی 1954 کو نیدرلینڈ کے ایک ہوٹل بلڈر برگ کے اندر منعقدہ ایک بڑی مینٹگ میں قائم کیا گیا۔ یہ گروپ عالمی سرمایہ داروں نے باہم مل کر تشکیل دیا۔ بظاہر اس گروپ کے بانی ہالینڈ کی رائل فیملی بیان کی جاتی ہے مگر حقیقت میں اس کے پیچھے راک فیلر اور دوسرے سات خاندان ہیں جنہوں نے نرالی لیٹرل کمیشن تشکیل دیا تھا۔ اس کا مقصد پوری دنیا کے سرمایہ داروں (خاص طور پر یورپ اور امریکہ کے

سرمایہ کاروں) اور سرمایہ داری نظام پر یقین رکھنے والے عالمی دانشوروں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ایک عالمی سرمایہ دارانہ حکومت کے قیام کی تشکیل کرنے کیلئے منصوبہ بندی کرنا ہے۔ یہ اپنی کارروائیوں کے حوالہ سے پوری دنیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس میں دنیا کے بڑے نامی گرامی سرمایہ داروں اور سیاست سے متعلقہ شخصیات شامل ہیں۔ اس کے اہم ممبران میں پرنس برن ہارڈ آف نیدرلینڈ، کنگ فلپ آف بیلجیم، پرنس فلپ ڈیوک آف ایڈنبرا، کنگ ہیرالڈ (نجم) آف ناروے، ملکہ صوفیہ آف سپین، وارنر فیمین چانسلر آسٹریلیا، انفرڈ گوزن بور چانسلر آسٹریلیا، چالس مشل وزیر اعظم بیلجیم، لسربی پیرن وزیر اعظم کینیڈا، جین کریمین وزیر اعظم کینیڈا، پال مارٹن وزیر اعظم کینیڈا، سٹیفن ہارپر وزیر اعظم کینیڈا، ایسٹون میکرون صدر فرانس، جارج میمپیڈو صدر فرانس، جارج سیپو صدر پرگال، ایڈورڈو بیتھ وزیر اعظم برطانیہ، گورڈن براؤن وزیر اعظم برطانیہ، ڈیوڈ کیمرن وزیر اعظم برطانیہ، بل کلنٹن صدر امریکہ، سٹیفن لوفن وزیر اعظم سویڈن، ڈیوڈ ایچ پیریاس ڈائریکٹری آئی اے، انجیلا مارکر چانسلر جرمنی، انریکو لینڈا وزیر اعظم اٹلی، ہیلماٹ کوہل وزیر اعظم برطانیہ، بل گینس، ہیلری کلنٹن کے نام شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اور بڑے بڑے مالیاتی اور بین الاقوامی اداروں کے سربراہان بھی اس ادارہ کے ممبران میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے مالیاتی اور بین الاقوامی اداروں کے سربراہان بھی اس ادارہ کے ممبران میں شامل ہیں۔ بلڈر برگ کے ممبران کی ایک مختصری جھلک آپکو پریشان کر کے رکھ دے گی کہ یہ کونسا خفیہ پرائیویٹ ادارہ ہے کہ جس کے ممبران کی اتنی بڑی اکثریت مختلف ممالک کے صدور، وزراء اعظم، شہزادے، ملکان یا دیگر بڑی بڑی نامی گرامی شخصیات پر مشتمل ہے۔ اسکی طاقت کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی جرائم پیشہ تنظیم کی طرح اسکا کوئی بھی ممبر اس کے اجلاس میں شامل ممبران اور ان بحث کے بارے میں پبلک کے اندر کوئی بات نہیں کر سکتا اور نہ اس کے خفیہ فیصلوں کے بارے میں لب کشائی کر سکتا ہے۔ اس کلب کی تمام کارروائیاں خفیہ ہوتی ہیں اور جو کوئی ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کرے اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اسے خوف و ہراس اور تشدد کے عمل سے گزرا جاتا ہے۔

بلڈر برگ گروپ کے مقاصد

ادارہ ایک عالمی حکومت کا ایجنڈا رکھتا ہے۔ اس کا مقصد عالمی سرمایہ داروں کے اجارہ تلے ایک عالمی حکومت کا قیام ہے۔ یہ ادارہ ایک عالمی حکومت کا ایجنڈا رکھتا ہے۔ اس کی اس کی آخری 67th مینٹگ مورخہ 2 مئی سے 2 جون 2019 کو سوئٹزرلینڈ کے شہر مونتریاکس میں ہوئی تھی۔ اس مینٹگ کا ایجنڈا (جو شرکت کنندگان کو جاری کیا گیا) حسب ذیل تھا:

The key topics for discussion this year are:

1. A Stable Strategic Order
2. What Next for Europe?
3. Climate Change and Sustainability
4. China
5. Russia
6. The Future of Capitalism
7. Brexit
8. The Ethics of Artificial Intelligence
9. The Weaponisation of Social Media
10. The Importance of Space 11. Cyber Threats

اس ایجنڈا کو ایک نظر پڑھنے کے بعد پوری طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے مقاصد کیا ہیں اور اس کی کارروائیوں کو خفیہ کیوں رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی مافیا ہے جو عالمی صیہونیت کے ”مدھائے ہوئے رتھوں“ کی طرح کام کرتا ہے اور عالمی سرمایہ داروں کی سرپرستی میں عالمی سطح پر سرگرم عمل ہے۔

بلڈر برگ ٹرائی لیٹرل اور کونسل برائے خارجہ امور کے ساتھ مل کر دنیا کے اندر اپنی ایک ”متوازی عالمی حکومت“ قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ قومی حکومتوں کے خاتمہ اور ایک نئی عالمی حکومت کے قیام کے ایجنڈا پر بڑی تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ کیا یہ بات بظاہر بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ عالمی سرمایہ داروں کی چھتری تلے ایک ایسا خفیہ پرائیویٹ ادارہ کام کر رہا ہے جو دنیا کے مقدر کا فیصلہ کرنے کا عزم رکھتا ہے اور اس کے ممبران میں دنیا کے طاقتور ترین ممالک کے وزرائے اعظم، صدور، عالمی بینکوں کے سربراہان سے لیکر بڑے بڑے جرنیلوں اور سیاستدانوں تک سبھی شامل ہیں۔

بلڈر برگ (ٹرائی لیٹرل اور ایف آر سی کے ساتھ) دنیا کا طاقتور ترین کلب ہے جو پوری دنیا کے سیاسی، معاشی اور عسکری معاملات کے خفیہ فیصلے کرتا اور آئندہ کالائڈ عمل طے کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص اس کی ممبر شپ خرید کر اس کا ممبر نہیں بن سکتا۔ اس کا ممبر بننے کا کوئی معروضی یا لکھا پڑھا معیار مقرر نہیں ہے۔ ممبر شپ کرنے یا ختم کرنے کا اختیار اس کے ”بڑوں“ کو ہے اور وہ ”بڑے“ دنیا کے سب سے بڑے آٹھ دس صیہونی پس منظر رکھنے والے خاندان (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) ہیں۔ کس شخص کو اجلاس میں بلانا ہے اور

کس کو نہیں بلانا ہے اسکا فیصلہ گروپ کی سٹیئرنگ کمیٹی کرتی ہے اور یہ کمیٹی ہمیشہ متذکرہ بالا ”بڑے خاندانوں“ یا ان کے تاثر دہان پر مشتمل ہوتی ہے۔

بلڈر برگ سٹیئرنگ کمیٹی رولز کے مطابق بلڈر برگ کے تمام ممبران کو سختی کا ساتھ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ بلڈر برگ کے اجلاسوں میں اکیلے آئیں اور اپنے ہمراہ اپنی بیوی، پرسنل اسسٹنٹ یا کسی بھی دیگر فرد کو مت لائیں۔ خفیہ۔ بکنیوں اور پریس کے نمائندگان کو بھی اجلاس کی اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ممبران کے ہمراہ آنوالے دیگر افراد کو کھانا بھی الگ ہال میں دیا جاتا ہے۔ تمام ممبران کو اس مسئلہ پر انٹرویو دینے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا ہے اور واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ اجلاسوں کی کارروائی کو اپنی ذات تک محدود رکھیں گے اور اپنے لب بند رکھیں گے۔ اجلاس کے ایک تہائی ممبران سیاسی شخصیات میں سے اور بقیہ دو تہائی صنعت، سرمایہ، تعلیم، لیبر اور میڈیا مالکان یا ایگزیکٹو ڈائریکٹرز میں سے ہوتے ہیں۔

ڈینیئل اسٹولن نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے بعد بلڈر برگ کے مقاصد اور تنظیمی ڈھانچہ کا کھوج لگانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی کتاب ”The True Story of the Bilderberg Group“ کہ 2005 میں شائع ہوئی میں اپنی تحقیقی کاوش کو یوں تحریر کیا ہے:

”In 1954, 'the most powerful men in the world met for the first time' in Osterbeek, Netherlands, 'debated the future of the world,' and decided to meet annually in secret. They called themselves the Bilderberg Group with a membership representing a who's who of world power elites, mostly from America, Canada, and Western Europe with familiar names like David Rockefeller, Henry Kissinger, Bill Clinton, Gordon Brown, Angela Merkel, Alan Greenspan, Ben Bernanke, Larry Summers, Tim Geithner, Lloyd Blankfein, George Soros, Donald Rumsfeld, Rupert Murdoch, other heads of state, influential senators, congressmen and parliamentarians, Pentagon and NATO brass, members of European royalty, selected media figures, and invited others - some quietly by some accounts like Barack Obama and many of his top officials”

ترجمہ: ”1954 (بلڈر برگ کا یوم تاسیس) کو اوستر بیک (نیدر لینڈ) میں ”دنیا کے مستقبل“ کا فیصلہ

کرنے اور ہر سال خفیہ اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کرنے کیلئے دنیا کے طاقتور ترین افراد کا پہلا اجتماع ہوا۔ انہیں نے اپنا نام بلڈر برگ رکھا اور دنیا بھر کی اشرافیہ (بالخصوص امریکہ، کینیڈا اور مغربی یورپ کی بڑی شخصیات کو اس کا ممبر بنانے کا فیصلہ کیا۔ ان بڑی شخصیات میں ہنری کسنجر، بل کلنٹن، گورڈن براؤن، اسٹیوا ہارکر، ایڈن گریسٹون، بن برٹانک، لیری سمرز، ٹم کیتھنر، لارڈ بلیکفلین، جارج سوروس، ڈونلڈ رمر فیلڈ، روپٹ مرڈوخ و دیگر) کے نمائندگان، مختلف ممالک کے صدور، بااثر سینٹرز، کانگریس اور پارلیمنٹ کے ارکان، سینٹا گان اور نیٹو افواج کے اعلیٰ ترین عہدیدار، یورپ کے شائسی خاندان، منتخب میڈیا مالکان اور دیگر چیدہ چیدہ شخصیات جیسے باراک اوباما اس خفیہ تنظیم کے ممبر بنے۔“

1992 کے بلڈر برگ اجلاس کے خطاب میں ہنری کسنجر نے اس گروپ کے اغراض و مقاصد پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

"Today, Americans would be outraged if UN troops entered Los Angeles to restore order, tomorrow, they will be grateful. This is especially true if they were told there was an outside threat from beyond, whether real or promulgated, that threatened our very existence. It is then that all people of the world will plead with world leaders to deliver them from this evil....individual rights will be willingly relinquished for the guarantee of their well-being granted to them by their world government."

ترجمہ: "آج اگر امن عامہ کی بحالی کیلئے اقوام متحدہ اس انجمن کے اندر اپنی فوجیں داخل کر دیتا ہے تو تمام امریکی غصہ سے بھرنک اٹھیں گے۔ لیکن آئندہ دنوں میں وہ اقوام متحدہ کے منگھور ہوئے خاص طور پر جب انھیں اس انجمن پر کسی دور دراز علاقہ سے کسی حقیقی یا فرضی بیرونی حملہ کے بارے میں بتایا جائیگا جس سے کہ ان کے وجود کو خطرہ لاحق ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعہ دنیا بھر کے عوام اپنی قیادت سے مطالبہ کریں گے کہ ان اس عنقریب سے نجات دلائی جائے۔ انفرادی حقوق اس وعدہ کے ساتھ ضبط کر لئے جائیں گے کہ عالمی حکومت ان کی ویلفیئر کی ضمانت دے گی۔"

نیشنل برائے خارجہ امور (CFR)، بلڈر برگ اور نرالی لیٹرل کمیشن تینوں آپس میں جڑواں بھائی ہیں اور ان سب کا سرپرست اعلیٰ عالمی سرمایہ دار گروہ (یعنی دنیا کے چند بڑے سرمایہ دار خاندان) ہے۔ ان مالی ساہوکاروں نے درپردہ رہ کر امریکی ریاست پر مکمل قبضہ کر رکھا ہے۔ امریکہ اب عیسائی یا سیکولر

ریاست نہیں رہی بلکہ ایک صیہونی مافیا کے زیر تسلط آکر ایک ریغمالی ریاست بن چکا ہے۔ اسی طرح دیگر مضبوط مالیاتی گروہوں کے ملازمین بھی ہمہ وقت کسی نہ کسی شکل میں اعلیٰ حکومتی عہدوں پر برقرار رہتے ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال ایک اور طاقتور صیہونی مالیاتی گروہ گولڈمین ساچس کے ملازمین کی ہے۔ اس کے سابق ملازمین میں سے رابرٹ روبن، ہنری پالسن اور سٹیون منوچن امریکہ کے سیکرٹری خزانہ رہے ہیں۔ اکی ادارہ کے ملازمین جان سی وائٹ ہیڈ انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ اور گرے کوہن چیف اکناک ایڈوائزر رہے ہیں۔ جان کورزی امریکی سینٹر اور ریاست نیوجرسی کے گورنر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی سطح پر اس کے سابق ملازمین میں اٹلی کے ایک سابق وزیر اعظم مار یو مونٹی، یورپین سنٹرل بینک کے پریذیڈنٹ مار بے درگی، بینک آف کینیڈا اور بینک آف انگلینڈ کے گورنر مارک کارنی اور آسٹریلیا کے سابق وزیر اعظم مالکم ٹرن بل اس مالیاتی ادارہ کے سابق ملازمین میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نیویارک شاک انکھیج، عالمی بینک اور سنی بینک جیسے بڑے مالیاتی اداروں کے کچھ سربراہان گولڈمین ساچس کے ملازمین کی فہرست میں شامل رہے ہیں۔ یہ حقائق آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خفیہ تنظیمیں اور ریاستی ادارے ہیں جو ان ”بین الاقوامی سود خوروں“ کے ایجنڈا کو پروان چڑھانے کیلئے ان کے پے رول پر موجود ہیں۔ ان میں امریکی CIA کے علاوہ بہت سے دیگر ممالک کے بہت سے حکمران، بڑے بڑے سیاستدان، صحافی، میڈیا جرنلز اور سیکورٹی کے اداروں کے سربراہان اور افسر شاہی کے کارندے شامل ہیں۔ ان تمام خفیہ اور اعلانیہ اقدامات کا مقصد ایک عالمی حکومت قائم کر کے ”صیہونی بادشاہت“ قائم کرنا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کے 25 اپریل 1992 کے شمارہ میں ڈیوڈ ملز (David Mills) نے ٹرائی لیٹرل کمیشن پر خوبصورت تبصرہ یوں کیا:

"Behind closed doors (of course), they are meeting this weekend in Lisbon. Some call them "the shadow government," "the Establishment," the "global elite" that runs the world. They call themselves simply ... the Trilateral Commission. (Chills run up spine.) Now the truth can be told about the 325 people on the Trilateral Commission, and the many previous members:

"They do run the world!"

ترجمہ: ”وہ پردہ کے پیچھے اس ہفتہ کے آخر پرلر بن میں ایک اجلاس کرنے جا رہے ہیں۔ لوگ ان کو ”متوازی حکومت“، ”اسٹبلشمنٹ“ اور ”عالمی اشرافیہ“ کہتے ہیں۔ یہی لوگ دنیا کے اصل حکمران ہیں۔ وہ

’بچے آجکے صرف ٹرائی لیٹرل کمیشن کہتے ہیں لیکن ان کا نام سن کر جسم پر کچلی طاری ہو جاتی ہے۔ اگر اس کمیشن کے موجودہ تین سو پچاس اور سابقہ ممبران کے بارے میں پوچھا جائے تو جواب یہی ہے کہ ”یہی دنیا کے اگلے حکمران ہیں۔“

اس مصنف نے اسی شمارہ میں ایک اور واقعہ تحریر کیا ہے کہ سال 1989 میں واشنگٹن ڈاؤن ٹاؤن کے راک این رول کلب میں ایک نیم فوجی لباس پہنے سیاہ فام باشندے نے کھڑے ہو کر سفید فام مجمع سے سوال کیا کہ ”دنیا پر کس کی حکمرانی ہے؟“۔ تھوڑے سے وقفہ کے بعد اس نے خود ہی جواب دیا ”ٹرائی لیٹرل کمیشن“۔ یہ پروفیسر گریف (Griff) تھے۔ پروفیسر گریف نے ٹرائی لیٹرل کمیشن کو خبیث عالمی صیہونی سازش قرار دیا تھا۔ پات رابرٹسن (Pat Robertson) (جو کہ کرچین براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک کا بانی تھا) نے 1991 اپنی کتاب "The New World Order" میں لکھا:

"A single thread runs from the White House to the State Department to the Council on Foreign Relations to the Trilateral Commission to secret societies to extreme New Ager."

ترجمہ: ”وائٹ ہاؤس، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، کونسل آف فارن ریلیشنز، ٹرائی لیٹرل کمیشن، خفیہ سوسائٹیز اور نیا دور انتہا پسند سب ایک ہی دھاگہ کے اندر پروئی ہوئی لڑی کا حصہ ہیں۔“

یہ سب ادارے ایک عالمی حکومت، ایک عالمی فوج، ایک عالمی پولیس، ایک عالمی بینک، ایک عالمی کرنسی، اور یکساں عالمی عدالتی نظام کیلئے کوشاں ہیں جس کے پیچھے ایک بڑی صیہونی قوت خفیہ طور پر کام کر رہی ہے۔ اس کے ایجنڈا میں موجودہ قومی ریاستوں کا خاتمہ اور ایک عالمی صیہونی ریاست کا قیام ہے۔ وہ قومی حکومتوں کی لاش پر عالمی صیہونی ریاست کی بنیاد رکھنے کی کوشش میں ہے۔ امریکی حکومت اور امریکی صدر تو محض عالمی سامراج کے مہرے ہیں۔ گویا یہ وہ چابی والے کھلونے ہیں جنہیں جتنی چاہی ملے گی بس اتنی اچھلیں گے۔ عالمی سامراج کو دنیا کو اپنے قابو میں رکھنے کیلئے کسی بڑی فوجی طاقت کی ضرورت ہے۔ اس وقت یہ طاقت امریکہ اور یورپ سے حاصل کی جا رہی ہے مگر صیہونی سامراج اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ امریکہ، برطانیہ یا دیگر یورپی ممالک کے اندر کسی وقت بھی ”عیسائی نیشنلزم“ کا اعادہ ہو سکتا ہے جو نازی جرمنی کی طرز پر صیہونی بادشاہت کا خواب تتر بتر کر سکتا ہے۔ اس کے تدارک کیلئے صیہونی سامراج نے قومی ریاستوں سے الگ اپنی اسلحہ ساز کمپنیاں اور پرائیویٹ فوجوں کا ایک بڑا نیٹ ورک قائم کر لیا ہے جو اس کی ملکیت میں ہے۔ ”عیسائی نیشنلزم“ کے ممکنہ خطرہ سے نمٹنے کیلئے ”صیہونی سامراج“ امریکہ اور دیگر

مغربی ممالک کو ایک مخصوص اور نپے تلے انداز میں آہستہ آہستہ کمزور کر کے ختم کر رہا ہے تاکہ جب اس کی متبادل عالمی قوت مکمل طور پر تیار ہو جائے تو وہ اس ”خفیہ عیسائی نیشنلزم“ کی قوتوں کو ایک ہی جھٹکے میں زمین بوس کر کے رکھ دے اور پوری دنیا پر قابض ہو کر اپنی دیرینہ ارضی بادشاہت کے خواب کی تکمیل کر لے۔

امریکی ریاست کو صیہونی سرمایہ داروں نے ہر جانب سے جکڑ رکھا ہے۔ امریکی اسٹیبلشمنٹ اور سیاست میں ہر جگہ صیہونی سرمایہ دار گروہ کے مرہون منت لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ امریکی صدر بھی ان ہی میں سے ایک ہوتا ہے۔ امریکہ حقیقت میں ایک صیہونی ریاست میں تبدیل ہو چکا ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی امریکی صدر اس نیٹ ورک کے خلاف ”بغاوت“ کرنا بھی چاہے تو اسے خون کا دریا عبور کرنا پڑیگا۔

پہلی بات تو یہ ہے امریکی عوام ہی اسے مار ڈالیں گے اور اگر وہ ان سے بچ گیا تو عالمی سامراج اور اس کے نمائندے (جیسے پٹاگان، سی آئی اے اور دیگر کرایہ کے قاتل) مار ڈالیں گے۔ امریکہ دنیا کی طاقتور ترین ریاست ہونے کی وجہ سے عالمی سامراج کیلئے خطرہ بن سکتی ہے لیکن عالمی سامراج نے اس کو قابو میں رکھنے کیلئے بڑے مضبوط انتظامات کر رکھے ہیں۔ امریکی کل آبادی کا 63.1% حصہ ملازمتوں سے منسلک ہے۔ 2020 کے ایک سروے کے مطابق امریکہ میں 164.6 ملین کی ورک فورس ہے۔ اس میں سے 107.8 ملین پرائیویٹ شعبہ سے منسلک ہیں۔ یعنی 75% پرائیویٹ شعبہ سے منسلک ہیں اور صرف 25% فیصد حکومتی شعبہ جات سے منسلک ہیں۔

پرائیویٹ شعبہ سے منسلک 36% ملازمتیں بڑے کاروبار اور انکے ذیلی اداروں سے منسلک ہیں۔ بقیہ بھی ان بڑے کاروباری ادارے سے ہی منسلک ہیں۔ صرف وال مارٹ کے کل 2.2 ملین ملازمین میں سے امریکی ملازمین کی تعداد 1.5 ملین ہے۔ اسی طرح امازون کے ملازمین کی تعداد بھی لگ بھگ آٹھ لاکھ سے زیادہ ہے۔ صرف اسلحہ اور فوڈ کی صنعت سے منسلک ملازمین کی تعداد کئی ملین تک جا پہنچتی ہے۔ امریکہ کی سب میگا کارپوریشنز چند سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں۔ اگر عالمی سرمایہ دار کے اشاروں پر یہ بڑے کاروباری گروہ چند ہفتوں کیلئے اپنے کاروبار بند کر دیں یا ان میں کوئی خاطر خواہ کمی کر دیں یا اپنے کاروبار کا ایک بڑا حصہ (چاہے عارضی طور پر ہی سہی) بیرون ملک منتقل کر دیں تو کروڑوں امریکی عوام احتجاج کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئیں گے اور امریکی صدر کیلئے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائیگا۔

بلڈر برگ (Bilderberg)، ٹرائی لینرل کمیشن (T C)، کونسل برائے خارجہ تعلقات (CFR)، رائل انسٹیٹیوٹ آف فارن افئیرز (RIIA) چاروں ایک ہی باپ کی اولاد اور جڑواں بھائی ہیں۔ ان چاروں کا سیاسی منصوبہ ساز اور مالی سرپرست ایک ہی ہے اور اس کا نام ہے ”روٹھسائٹز خاندان“۔ یہ انتہا پسند صیہونی

خاندان "یہودیوں کی ارضی بادشاہت" پر یقین رکھتا ہے۔ یہ وہی "روٹھسائیلڈ خاندان" ہے جس نے برطانیہ اور دیگر مغربی حکومتوں کو مجبور کر کے اسرائیل کی بنی اور ناجائز ریاست تشکیل دینے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اس خاندان نے اربوں ڈالر خرچ کر کے اسرائیل کے اندر آباد ہونے والوں کیلئے بہترین انفراسٹرکچر قائم کیا اور ریاست اسرائیل کو ہر قسم کی جنگی ساز و سامان اور افرادی قوت سے لیس کیا۔

انٹرنیٹ ان تینوں اداروں کے بیک وقت ممبر ہوتے ہیں۔ ان تینوں اداروں کے مقاصد اور منزل ایک ہے اور وہ ہے صیہونی سرمایہ داروں کے سامنے تلے ایک عالمی حکومت، عالمی فوج اور عالمی اقتصادی منڈی کا قیام۔ ان تینوں کے مقاصد ایک ہیں مگر دائرہ کار (Areas of Operation) الگ الگ ہیں۔ کونسل برائے خارجہ تعلقات کا دائرہ کار امریکی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہو کر اسے اپنے عالمی مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔ رائل انسٹیٹیوٹ آف فارن افئیرز کا دائرہ کار بھی اسی سے ملتا جلتا ہے جبکہ بلڈر برگ کا کامنائی سطح پر ایک بین الاقوامی ریاست اور اس کے اداروں کیلئے کام کرنا ہے۔

نرمائی لیٹرل کمیشن کے امریکی، یورپی اور ایشیائی ممبران انفرادی اور مرکزی سطح پر اپنے ساتھ دیگر اشرافیہ گروہوں کو ملا کر ایک نئے "عالمی اقتصادی نظام" اور ایک "عالمی حکومت" کے قیام کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ ہر علاقائی تنظیم کا اپنا چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر علاقائی تنظیم کی بھی اپنی ایک علیحدہ ایگزیکٹو کمیٹی ہوتی ہے۔ وہ بھی نامزد کئے جاتے ہیں اور ان کا طریقہ کار بھی مرکزی تنظیم جیسا ہی ہوتا ہے۔ مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی کے تین سو پچاس کے لگ بھگ ممبران ہوتے ہیں (ان کی تعداد میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے)۔ یہ تین سال کیلئے نامزد کئے جاتے ہیں جن کی معیار میں توسیع ہوتی رہتی ہے۔ کمیٹی ممبران سال میں کئی مرتبہ اپنے خفیہ اجلاس کر کے اپنا آئندہ کالابھو عمل مرتب کرتے ہیں۔ ہولی سکلر Holly Sklar نے اپنی کتاب "Trilateralism" میں کافی تحقیق کے بعد لکھا ہے:

"Powerful figures in America, Europe, and East Asia let 'the rich....safeguard the interests of Western capitalism in an explosive world - probably by discouraging protectionism, nationalism, or any response that would pit the elites of one against the elites of another, in their common quest for global dominance."

ترجمہ: "امریکہ، یورپ اور مشرقی ایشیاء کی تمام طاقتور شخصیات آج کی دھماکہ خیز دنیا کے اندر مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو تحفظ دینے کیلئے متحد ہیں۔ اس مقصد کے حصول کیلئے وہ قوم پرستی، معاشی تحفظات کی ذاتی پالیسی غرض ہر اس اقدام کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں جو عالمی اشرافیہ کے مفادات کے خلاف جاتا ہو۔"

موجودہ امریکی صدر ٹرمپ اپنے سے بڑے سرمایہ داروں کی نمائندہ ہیلیری کلنٹن سے الیکشن جیت کر آیا ہے اور ”امریکی نیشنلزم“ کا پرچاری ہے مگر ایک دفعہ تو کانگریس نے اس کو فارغ (Impeachment) کر دیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے سینٹ کے اندر جا کر سرخرو ہوا۔ محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ بھی ڈراڈراسا رہتا ہے اور عالمی ”خفیہ ریاست“ کے امریکی کارندوں کے ساتھ سمجھوتہ کی کوئی شکل تلاش کر رہا ہے۔ چونکہ دلیر اور منہ پھٹ ہے لہذا اکثر اپنے جذبات کا اظہار اپنے ٹویٹ پر وگرام کے ذریعہ کرتا رہتا ہے۔ اگر اس کی تمام ٹویٹ عبارت کو ملا کر پڑھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ امریکی اسٹیبلشمنٹ کا زخم خوردہ ہے اور تم رسیدہ ہے۔ امریکی صدر ٹرمپ ڈیپ سٹیٹ کے خلاف انصاف کے حصول کیلئے چیخ رہا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے ٹویٹ کیا کہ ایف بی آئی اور جسٹس ڈیپارٹمنٹ اس کے ساتھیوں کے خلاف کی جانوالی جاسوسی کے بارے میں اسے معلومات نہیں دے رہا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اسے یہ معلومات فراہم کی جائیں۔ دوسرے الفاظ میں ڈونلڈ ٹرمپ اپنی بے بسی کا اظہار کر رہا ہے اور امریکی عوام کو امریکہ میں موجود ایک غیر منتخب شدہ ”خفیہ ریاست“ کے آپریٹوز کے خفیہ ایجنڈا کے بارے میں آگاہ کر رہا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے امریکہ میں موجود اس خفیہ ریاست کے آپریٹوز کو جمہوری ریاست کیلئے خطرہ قرار دیا ہے مگر وہ بے بس دکھائی دے رہا ہے۔ عالمی اسٹیبلشمنٹ ڈونلڈ ٹرمپ پر حاوی ہوتی نظر آ رہی ہے اور ہرگز رنے والے دن کے ساتھ ڈونلڈ ٹرمپ کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ حالت اور سازشوں سے تنگ آ کر اپنے تازہ ترین ٹویٹ میں ٹرمپ نے امریکی میڈیا کو جرائم پیشہ اور امریکہ کا دشمن قرار دیا ہے۔ اس نے اپنے ٹویٹ میں لکھا ہے:

"Media is a criminal network. It is an enemy of United states".

ترجمہ: ”میڈیا جرائم پیشہ لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا دشمن ہے۔“

امریکہ اپنے دفاع کے معاملہ میں بھی خود کفیل نہیں رہا۔ اس نے اپنا اسلحہ سازی کا کام ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور لڑاکا فوج کا ایک بڑا حصہ پرائیویٹ کنٹریکٹرز کے حوالے کر دیا ہے۔ اسے اس نے ”آؤٹ سورسنگ آف وار“ (Outsourcing of War) کا نام دے رکھا ہے۔ امریکہ اسلحہ کیلئے جنگی کارپوریشنز اور فوج کیلئے پرائیویٹ کنٹریکٹرز کا محتاج ہے۔ امریکہ محض اپنی ریاستی قوت کے بل بوتے پر دنیا کے اندرونی بھی بڑی اور طویل المدتی جنگ نہیں لڑ سکتا۔ اس کیلئے اسے ملٹی نیشنل کارپوریشنز پر تکیہ کرنا پڑ رہا ہے اور یہی ملٹی نیشنل کارپوریشنز عالمی سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں۔

کارپوریٹ کے خوفناک جنگی اثر دہانے پوری امریکہ معیشت اور جنگی طاقت کو اپنے ججزوں میں بجز کر امریکہ کو ایک ریغمالی ریاست بنا رکھا ہے۔ امریکہ کے اندر اس وقت 37% روزگار کے مواقع بڑا ہنس

فراہم کر رہا ہے۔ 48% روزگار درمیانہ اور چھوٹا کاروبار پیدا کر رہا ہے مگر درمیانہ اور چھوٹا کاروبار اپنی بقا کیلئے بڑے کاروبار کا ہی مرہون منت ہے۔ امریکی حکومت صرف 15% عوام کو روزگار فراہم کر رہی ہے۔ لاکھوں کے حساب سے روزگار بڑے سرمایہ دار کی قائم کردہ جنگی کارپوریشنز مہیا کر رہی ہیں۔ اگر یہ کارپوریشنز ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت محض چند ہفتوں کیلئے اپنا کاروبار بند کر دیں تو امریکہ کے اندر نہ صرف بیروزگاری کا سیلاب آ جائیگا بلکہ چشم زدن میں ایک بہت بڑے سیاسی بھونچال برپا ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں سیاسی نظام سمیت ہر چیز تہہ وبالا ہو جائیگی۔

عالمی سرمایہ داروں کے ایسے ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر ایک مرتبہ امریکی صدر انڈریو جیکسن نے ان عالمی ساہوکاروں کو لاکارتے ہوئے کہا تھا:

"You are a den of vipers. I intend to expose you and by Eternal God I will rout you out. If the people understood the rank injustices of our money and banking system there would be a revolution before morning."

ترجمہ: "تم زہریلے بھڑوں کا ایک چھتہ ہو۔ میں تمہیں نیست و نابود کر دینا چاہتا ہوں اور اللہ کے فضل سے میں تمہیں امریکہ سے نکال باہر کروں گا۔ اگر لوگوں کو صرف تمہارے سرمایہ اور بتکنگ سسٹم کی بدترین نا انصافیوں کا پتہ چل جائے تو اگلی صبح ہونے سے پہلے امریکہ کے اندر انقلاب برپا ہو جائے گا۔"

امریکہ میں سرمایہ کی منڈی سے لیکر تمام چھوٹ بڑے کلیدی کاروبار کے اندر یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ وائٹ ہاؤس کی انتظامیہ سے لیکر پیناگان کے جرنیلوں اور سی آئی اے کے سرخیلوں تک تمام اعلیٰ عہدیدار عالمی صیہونی نیٹ ورک کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ تمام بڑے اخبارات، جرائد، الیکٹرانک چینلز کے یا تو یہودی خود مالکان ہیں یا پھر ان کے بندے چیف ایگزیکٹو جیسے عہدوں پر براجمان ہیں۔ الغرض امریکہ کی پوری ریاستی مشینری کو یہودیوں نے ایک ایسا کوئڈا کی مانند اپنے اپنی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ اس وقت امریکہ ایک ایسی ریغالی ریاست ہے جس کے عوام کی بڑی اکثریت عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے مگر اس کا اقتدار اعلیٰ اور حکومت عالمی یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔

5

پرائیویٹ اسلحہ سازی اور کارپوریٹ جنگجو (ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی عالمی اسلحہ پراجارہ داری)

عالمی امن کے مبلغ دھڑ دھڑ انتہائی تباہ کن اسلحہ تیار کئے جا رہے ہیں۔ جدید اسلحہ کی تمام بڑی کمپنیاں نجی شعبہ میں ہیں۔ ان اسلحہ ساز کمپنیوں کی ایک طویل قطار ہے جن میں لاک ہائیڈ مارٹن کارپوریشن، بوئینگ کارپوریشن، رے تھین کارپوریشن، ٹارٹروپ گروپ، گرورین کارپوریشن، جنرل ڈائنامکس کارپوریشن، ائربس گروپ، تھیلر کارپوریشن، لیونارڈ، یونائیٹڈ ٹیکنالوجیز، ایل تھری ٹیکنالوجیز، لی ڈوس، نیول گروپ اور ڈینی والٹر انٹرنیشنل جیسی بڑی بڑی کمپنیاں شامل ہیں۔ متذکرہ بالا تمام کمپنیاں نجی شعبہ میں عالمی سرمایہ داروں کی ملکیت میں ہیں۔

عالمی سرمایہ دار اس وقت امریکہ، برطانیہ، نیٹو اور ان کے اتحادی ممالک کی فوجوں کو دنیا کے اندر ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے تحفظ اور پھیلاؤ کے لئے استعمال کر رہے ہیں لیکن امریکہ یا برطانیہ کے اندر کسی سفید فام قوم پرست تحریک کے احیاء کے نتیجہ میں یہ صورت حال تبدیل بھی ہو سکتی ہے اور یہودی سرمایہ داروں کے نازی جرمنی کی طرح دیس نکالا بھی مل سکتا ہے۔ اس قسم کی کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نہر آزما ہونے کیلئے عالمی سرمایہ دار ساراج نے پہلے سے ہی پیش بندی کر رکھی ہے۔ اس مقصد کیلئے ان عالمی ساہوکاروں نے قومی ریاستوں پر انحصار کرنے کی بجائے اسلحہ سازی اور نجی ملٹری کارپوریشنز کی ترقی کیلئے بھاری سرمایہ کاری کی ہے۔ عالمی سرمایہ داروں کے پاس اگرچہ بہت سا جدید ترین اسلحہ اور نجی فوجیں موجود ہیں لیکن وہ ابھی تک اپنے ریاستی گھوڑے امریکہ اور برطانیہ کی ریاستی مشینری کو استعمال کر رہے ہیں اسلئے کہ اسلحہ اور فوجوں کا نیا نظام شاید ابھی اتنا مستحکم نہیں ہو پایا ہے کہ وہ براہ راست جنگ میں مضبوط ریاستی فوجوں سے نہر آزما ہو کر انہیں شکست سے دوچار کر سکے۔ ویسے بھی جب تک کرایہ کے نئو یا مفت کے نئو دستیاب ہوں اس وقت تک اپنے گھوڑے استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

عالمی ساہوکاروں نے قومی ریاستوں سے اسلحہ کی اجارہ داری چھین کر اپنی پوزیشن بہت مستحکم کر لی

ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کے پاس جدید ترین اسلحہ ہوگا دنیا پر حکمرانی کا دعویٰ بھی وہی کریگا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے اور خطرناک ہتھیار انہی کارپوریشنز کے اندر تیار کئے جاتے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں روایتی ہتھیاروں سے لیکر جدید ترین ایٹمی ہتھیار تک شامل ہیں۔ ان ہتھیاروں میں سیٹلائٹ کاؤنڈ میزائل، ہائپر سوک میزائل، زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل، فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائل، فضا سے زمین پر مار کرنے والے میزائل، نیوکلیئر سب میرین، نیوکلیئر پاورڈ جنگی جہاز، F-16، F-22، F-35 جنگی جہاز، ریموٹ کنٹرولڈ جنگی شیشن، ایکسٹرومیکینک اور لیزر ہتھیار، بین المہر اعظمی بلاسٹک میزائل، خلائی مشن، جدید ترین ڈرونز، انٹی ائر کرافٹ ڈیفنس سسٹم، سائبر سیکورٹی سروسز، ایکسٹرومیکینک اور لیزر ہتھیار، خلائی جنگ، بغیر پائلٹ جنگی جہاز، بغیر پائلٹ پانی کے اندر چلنے والے جہاز، بی۔ ٹو بادون جنگی جہاز، اپاچی ہیلی کاپٹر، بلیک ہال ہیلی کاپٹر، تار پیڈو، ہارپون ہتھیار، بحری جہاز، ٹینک، مارٹر گولے، توپیں، بارود، فوجی گاڑیاں وغیرہ ہر چیز شامل ہیں۔ امریکہ اور نیٹو کا ہر قسم کا اسلحہ ملٹی نیشنل اسلحہ ساز کمپنیاں ہی بنا رہی ہیں۔ ہر قسم کا اسلحہ ان کے قبضہ میں ہے اور اس پر ان کو اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہے۔ یوں تو ان اسلحہ ساز کارپوریشنز کی تعداد کافی زیادہ ہے مگر اس وقت اختصار کی غرض ہم سے ان میں سے صرف چند بڑی کارپوریشنز کا ہی مختصر ذکر کریں گے جو کچھ یوں ہے:

1) لاک ہیڈ مارٹن کارپوریشن (Lockheed Martin Co.)

یہ جدید اسلحہ سازی میں دنیا کی سب سے بڑی کارپوریشن شمار ہوتی ہے۔ اس کا صدر دفتر امریکہ میں واقع ہے۔ اس کا سالانہ ریونو 44.9 بلین ڈالر، اس کا سالانہ منافع 2.00 بلین ڈالر اور اس کے کل وقتی ملازمین کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار ہے۔ یہ دنیا کے جدید اور قیمتی ترین ہتھیار بنانے والی کارپوریشن ہے۔ یہ متعدد ذیل قسم کے ہتھیار بناتی ہے:

F-35 Joint stock Fighter, F-22 Raptor, F-16 Jets, F-21, C-130

Hercules Aircraft, Black Hawk Helicopters, Ships, Hypersonic Missiles,

Missiles Defence System and Missiles used by Navy.

2) بوئینگ (Boeing Corp.)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں واقع ہے۔ اس کا سالانہ ریونو 94.6 بلین منافع 8.2 بلین اور ملازمین کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار ہے۔ یہ درج ذیل قسم کے ہتھیار بناتی ہے:

Harpoon Weapon System, Advanced F-15 Fighters, 268 Apache Attack Helicopters, Chinook Transport Helicopter, B-52 Bomber, F-15 Eagle, F/A-18 Super Hornet Fighter Jets, P-8 Poseidon Aircraft, Commercial Aircrafts such as 737, 747, 767, 777, 787 etc.

(3) رے تھین کارپوریشن (Raytheon Corp.)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 24.1 بلین اور سالانہ منافع 2.2 بلین امریکی ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد ساٹھ ہزار ہے۔ 3 اپریل 2020 میں یونائیٹڈ ٹیکنالوجیز کے اس میں ضم ہو جانے کے بعد اس کا نام ”ری تھین ٹیکنالوجیز“ ہو گیا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے ہتھیار تیار کرتی ہے:

A Range of Laser and Satellite-Guided Missiles, Air to Surface Missiles, Surface to Air Missiles, Surface to Surface Missiles, Air to Air Guided Missiles, Torpedoes, Missile Defence System, SM-2 Missiles for defence of Naval Vessels, Patriot Missile System.

(4) بیاء سسٹمز (BAE Systems)

اس کا صدر دفتر برطانیہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 24.00 بلین اور سالانہ منافع 2.4 بلین ہے۔ اس ملازمین کی تعداد اسی ہزار ہے۔ اس کے جنگی ساز و سامان میں مندرجہ ذیل سامان کی تیاری شامل ہے:

Artillery Systems, Surface Combat Vehicles, Fighter Jets, Military Electronics, Cyber Security Services, Amphibious Combat Vehicles.

(5) نارتھروپ گرومین کارپوریشن (Northrop Grumman Corp.)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 24.5 بلین اور سالانہ منافع 2.2 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 67,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کا جنگی سامان تیار کرتی ہے:

B-2 Spirit Stealth Bomber which can fly 6000 nautical miles without needing to re-fuel and carry upto 20 tons of ordinance – either nuclear or conventional. B-2 Bomber (It is latest technology and its cost is 2 billion dollars each. Currently U.S. Air Force has only 18 B-2 Bombers.

(6) جنرل ڈائنامکس کارپوریشن (Genral dynamics Corp.)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 19.2 بلین اور سالانہ منافع 3.00 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار ہے۔ یہ مندرجہ ذیل جنگی سامان تیار کرتی ہے:

Missiles, Rockets, Tanks, Nuclear Powered Sub- Marines and surface Vessels, Warships, Zumwalt-Class destroyers for the U.S. Navy, Columbia-Class Ballistic Missiles Sub Marines, Communication & I.T. Apparatus and Cyber Security Equipments.

(7) ایئر بس گروپ (Airbus Group)

یہ دنیا کی ساتویں بڑی جنگی کمپنی ہے۔ اس کا صدر دفتر نیدر لینڈ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 75.2 بلین اور سالانہ منافع 3.5 بلین یورو ہے۔ اس کے کل ملازمین کی تعداد 134,000 کے لگ بھگ ہے۔ اس کی جنگی مصنوعات میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہیں:-

Turboprop-Powered tactical transport aircraft, Air re-fuelling MRT aircraft, Cyber Security, Military Intelligence, Earth Observation Satellites, Navigation and Communication Satellites, Interplanetary Probes, Military aircraft satellite launchers, Sub marine ballistic missiles, Rocket engines, Unmanned aerial vehicles, Civilian aircrafts.

یہ کمپنی کا زیادہ تر بزنس کمرشل اور پرائیویٹ طیارہ سازی کا ہے۔ طیارہ سازی میں یورو فائیٹر ۲۰۰۰ جیٹ اس کی اہم پراڈکٹ ہے۔ اس کے علاوہ A400 M اور C 295 ٹرانسپورٹ طیارے اس کی اہم پراڈکٹ ہیں۔ اسکے علاوہ یہ کمپنی سائبر سیکورٹی کی پراڈکٹس میں بھی اپنا ایک نام رکھتی ہے۔ یہ یورپ میں ڈیفنس کنٹرولر کے طور پر دوسرے نمبر کی کمپنی کے طور پر جانی جاتی ہے۔

(8) تھیلز (Thales)

اس کا صدر دفتر فرانس پیرس میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 7.8 بلین یورو ہے۔ اس کا سالانہ منافع 1.22 بلین یورو ہے۔ اس کے ملازمین کی کل تعداد 80,000 ہے۔ یہ کمپنی زمین، فضا اور سمندر کی جنگ میں استعمال ہونے والی مختلف پراڈکٹس تیار کرتی ہے۔ سائبر ڈیفنس کا سامان تیار کرتی ہے فریگیٹ۔

طیاروں پر میزائل کنٹرول سسٹم کیلئے ریڈار سسٹم تیار کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Tactical Radios, Remote Controlled Weapon Stations, Radars, Infantry Mobility Vehicles, Aerospace Electronics.

(9) لیونارڈو (Leonardo)

اس کا صدر دفتر اٹلی میں ہے۔ اس کا مجموعی ریونیو 13.8 بلین یورو ہے جبکہ اس کا کل منافع 822 ملین یورو ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 47,000 کے لگ بھگ ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے ہتھیار تیار کرتی ہے:

Aeronautics, Aircraft, Helicopters, Defence Systems, Remote Controlled Weapon Stations, Turrets, Autocannons, Rotary Cannons, Naval Artillery, Missiles, Torpedoes, Unmanned Ground Vehicles, Unmanned Underwater Vehicles.

(10) یونائیٹڈ ٹیکنالوجیز کارپوریشن (United Technologies Corp.)

3 اپریل 2020 میں یہ دیو قامت کارپوریشن "ری تھین کارپوریشن" میں ضم ہو چکی ہے۔ قبل ازیں اس کا صدر دفتر امریکہ میں تھا۔ اس کا مجموعی ریونیو 66.501 بلین اور سالانہ منافع 5.269 بلین ڈالر تھا۔ اس کے ملازمین کی کل تعداد 240,000 تھی۔ "ری تھین کارپوریشن" میں ضم ہونے سے قبل یہ درج ذیل قسم کے آلات تیار کرتی تھی:

Electric power generation systems, Flight control systems, Engine control systems, Environmental control systems, Propeller Systems, Aircraft nacelles, Reconnaissance systems, Fire protection and detection systems, Intelligence and surveillance equipments.

(11) ایل۔ تھری ٹیکنالوجیز (L-3 Technologies)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 7.8 بلین جبکہ اس کا مجموعی منافع 693.0 ملین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی کل تعداد 31,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Intelligence, Surveillance and Reconnaissance equipments, Communicatio technology for U.S. Predator and Global Hawk Drones, Power distribution systems and communication technology used by U.S. Navy.

(12) ہنٹنگٹن انڈسٹریز (Huntington Ingallas Industries)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا مجموعی سالانہ ریونیو 7.4 بلین اور سالانہ منافع 479 ملین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 38,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Shipbuilding, Nuclear-powered aircraft carriers, Upgradation of Arleigh Burke-class guided missile destroyer Jack H. Lucas, Upgradation of U.S. Navy new Columbia-class submarines, Nuclear cleanup services at Los Alamos National Laboratory New Mexico, Information technology, Oil and Gas Engineering.

(13) ہنی ویل انٹرنیشنل (Honeywell International)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا مجموعی سالانہ ریونیو 40.5 بلین اور سالانہ منافع 1.7 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 114,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Long Range Weapon Systems, Operating Systems for unmanned aerial vehicles, T55A Engines to be used in Chinook helicopters, Missile navigation systems.

(14) رولز-رائس (Rolls-Royce)

اس کا صدر دفتر برطانیہ میں ہے۔ یہ رولز رائس موٹر کارز سے الگ کمپنی ہے۔ اس کا ریونیو 19.3 بلین اور سالانہ منافع 5.3 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی کل تعداد 50,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Civil Aerospace, Defence Aerospace, Marine, Nuclear technology, Power Systems, High power engines for C-130 Hercules and T-45 Goshawk.

(15) لی ڈوس (Leidos)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا مجموعی سالانہ ریونیو 10.17 بلین اور سالانہ منافع 364.0 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 32,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات اور سروسز فراہم کرتی ہے:

IT Infrastructure, Data Analytics, Cyber Security, Logistics, surveillance vehicles, Digital Modernization, Air, Land, Sea and Space Intelligence, Collection and Phenomenology, Integrated Systems, Co-ordinates NASA in space exploration..

(16) نیول گروپ (Naval Group)

اس کا صدر دفتر فرانس میں واقع ہے۔ اس کا مجموعی سالانہ ریونیو 4.2 بلین اور سالانہ منافع 178.2 بلین یورو ہے۔ اس کے ملازمین تعداد 13,429 ہے۔ یہ دنیا کی پرانی جنگی ساز و سامان تیار کرنے والی کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ اسے 1858 میں پہلا لوہے کا محفوظ سنیم فریگیٹ تیار کیا۔ اس نے 1967 میں دنیا کی پہلی نوکلیر سب میرین تیار کی۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کے جنگی آلات تیار کرتی ہے:

Multi mission frigates, Aircraft carriers, Helicopter carriers, Construction of Aerial Drones for navy, Conventional sub marines, Ballistic missile nuclear sub marines, Nuclear attack sub marines, Construction of naval bases and electric power plants, Heavy weight and light weight torpedoes.

(17) ٹیکسٹران (Textron)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا مجموعی ریونیو 14.2 بلین اور سالانہ منافع 1.2 بلین ہے۔ اس کے ملازمین کی کل تعداد 35,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کی جنگی اشیاء تیار کرتی ہے:

Armored Vehicles, Unmanned Aircraft, Attack Helicopters.

(18) بوٹھ ایلن ہیمیلٹن (Booz Allen Hamilton)

اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 6.7 بلین ڈالر اور اس کے ملازمین کی تعداد

27.000 ہے۔

یہ مندرجہ ذیل قسم کی جنگی پراڈکٹس مہیا کرتی ہے:

Space technology, Cyber Security, Information Warfare technology, Artificial Intelligence.

(19) ایم بی ڈی اے (MBDA)

اس کا صدر دفتر فرانس میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 3.2 بلین یورو اور اس کے ملازمین کی تعداد 11.000 ہے۔ یہ تین بڑی پرائیویٹ اسلحہ ساز کمپنیوں کی مشترکہ ملکیت ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

Airbus Corp. 37.5%, BAE Corp. 37.5 %, Leonard 25%

یہ مندرجہ ذیل قسم کے پچالیس ہائی کوالٹی جنگی آلات تیار کرتی ہے (جبکہ مزید پندرہ تیاری کے مراحل میں ہیں):

Air-to-air missiles, Surface to air missiles, Air to surface missiles, Laser guided missiles, A long range of Next Generation Multiple Warhead Systems.

(20) رائیمیتال (Rheinmetall)

اس کا صدر دفتر جرمنی میں ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 6.255 بلین اور سالانہ منافع 354 بلین یورو ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 26,000 ہے۔ یہ مندرجہ ذیل قسم کی جنگی پراڈکٹس تیار کرتی ہے:

Military Vehicles, Anti Aircraft Defence Systems, Artillery, Mortars, Tank Guns, Munitions, Fuze Systems, Electronics.

کارپوریٹ فوجیں

اس وقت صورت حال ہے کہ دنیا کی بہت سے پرائیویٹ کمپنیاں انتہائی مہلک ہتھیار تیار کر رہی ہیں۔ ان میں سے چند ایک تو انتہائی مختصر وقت میں اپنے آپکو ایٹمی طاقت میں تبدیل کرنے کا ضروری انفراسٹرکچر اور صلاحیت رکھتی ہیں۔ اصل طاقت امریکہ یا دیگر قومی ریاستوں کے پاس نہیں بلکہ جنگی کارپوریشنز کا ماتان کے پاس ہے۔ تمام قومی ریاستیں اپنے دفاعی ساز و سامان کیلئے ان کارپوریشنز کی محتاج ہیں۔ امریکہ ان جنگی کارپوریشنز کے تعاون کے بغیر دنیا میں کہیں بھی ایک ہفتہ سے زائد جنگ جاری نہیں رکھ

سکتا۔ وہ ان جنگی کمپنیوں اور پرائیویٹ فوجوں کے تعاون کے بغیر جنگ کی صلاحیتوں سے یکسر محروم ہو چکا ہے۔ ان حالات میں دانشمندانہ سوال یہ ہے کہ جنگ کرنے کی حقیقی طاقت کس کے پاس ہے؟ اس کا واضح جواب یہی ہے کہ یہ طاقت جنگی کارپوریشنز کے پاس ہے۔ دوسرے الفاظ میں جنگ کرنے کی اصل طاقت ان جنگی کارپوریشنز کے مالکان پاس ہے۔ قومی ریاستیں محض لگژری گز کاغذی شیر ہیں۔ عالمی سرمایہ دار نے جنگی اسلحہ سازی اور نجی فوجوں پر جنگ کا انحصار بڑھا کر قومی ریاستوں کے جنگ کرنے کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔ ڈیفنس کنٹریکٹ منیجمنٹ ایجنسی کا ڈپٹی کمانڈر ڈیوڈ یگ (David Young) کہتا ہے:

"There are some weapons systems that the U.S. military forces do not have the capability to do their own maintenance."

ترجمہ: "ہتھیاروں کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جنکے جنگی استعمال کے بارے میں امریکی فوج کے پاس مطلوبہ مہارت موجود نہیں ہے۔"

یعنی ان جدید ترین ہتھیاروں کے استعمال کیلئے وہ کسی دوسری قوت یعنی پرائیویٹ فوجوں کی منتقلی مہارت کے محتاج ہیں۔

"Corporate Warriors: The Rise and Ramifications of the Privatized Military Industry."

کا مصنف پیٹر ڈیوڈ سنگر (Peter W. Singer) لکھتا ہے:

"With the rise of the privatized military industry, actors in the global system can access capabilities that extend across the entire spectrum of military activity-from a team of commandos to a wing of fighter jets-simply by becoming a business partner." (pg. 1-2)

ترجمہ: "عالمی سیاست میں پرائیویٹ فوجوں کے ارتقاء کے بعد عالمی سیاست کے کھلاڑی عالمی نظام میں جنگ کے ہر پہلو یعنی کمانڈوز کی ٹیموں سے لیکر جنگی طیاروں تک کی ہر کارروائی میں کاروباری شراکت دار بن گئے ہیں۔"

میامی ہیرالڈ 29 جنوری 2005 کی اشاعت میں جیوف تھیل (Geof Thale) اپنے آرٹیکل

بے عنوان

"Transferring Costs of War to Latin America is Morally, Politically Wrong"

(امریکی جنگ کا بوجھ لاطینی امریکہ پر ڈالنا اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے غلط ہے) میں لکھتا ہے:

"In El Salvador, the security firms are said to be pleased with the candidates they have found. Many of them served in the Salvadoran armed forces; they are highly motivated, because they are being paid several times what they could earn in the Salvadoran economy; and they are cheap, because even paying five times what an average Salvadoran earns means that the security firms are paying far less than they would have to pay to recruit U.S. civilians to do this work."

"Latin America and other less-developed regions shouldn't serve as a cheap labor pool to recruit people for dangerous jobs that are part of the U.S. military mission in Iraq. It may be tempting to pay others to take risks for us; it may be particularly tempting to pay people from foreign countries such as El Salvador, Colombia or Chile, so that we don't experience the human cost of casualties or deaths ourselves. But it's not morally acceptable."

"When a U.S. soldier is wounded or killed in combat, his or her family, neighbors and community feel the weight of the war and ask themselves, is it worth it? In a democracy such as the United States, it is important for citizens to share the burden related to military action abroad, feel the impact and make the judgment about whether it's worthwhile".

ترجمہ: "ایٹلسلوڈور سے سیکورٹی کمپنیوں کیلئے امیدواروں کی دستیابی ایک خوش کن امر ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ایٹلسلوڈور فوج کے اندر خدمت انجام دی ہوتی ہیں۔ وہ ایسی ملازمتیں پا کر بڑے خوش ہوتے ہیں چونکہ انہیں مقامی منڈی کے مقابلہ میں بہت اچھی اجرت مل رہی ہوتی ہے۔ سیکورٹی ایجنسیاں چاہے ان ملازمین کو ایٹلسلوڈور کی مقامی منڈی کے مقابلہ میں پانچ گنا زیادہ تنخواہ بھی دے دیں تو تب بھی یہ ملازمین بہت سستے ہوتے ہیں اسلئے کہ ان کی تنخواہیں امریکی ملازمین کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہیں۔"

”لاٹینی امریکہ اور کم ترقی یافتہ لوگوں کو عراق جیسی خطرناک مہموں میں امریکی فوج کے بھرتی کیمپ کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ بظاہر یہ خوش کن معلوم ہوتا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کو پیسہ دیکر اپنی جگہ خطرات مول لینے کیلئے استعمال کریں۔ میدان جنگ میں زخمی ہونے اور موت کے خطرات سے بچنے کیلئے ایسلواڈور، کولمبیا اور چلی جیسے غیر ملکی لوگوں کو استعمال کرنا ایک خوشگوار تجربہ محسوس ہوتا ہے مگر یہ اخلاقی طور پر ناقابل قبول ہے۔“

”جب لڑائی کے اندر ایک امریکی فوجی زخمی یا قتل ہوتا ہے تو اس کا خاندان، اسکے ہمسائے اور معاشقہ کے دیگر لوگ جنگ کے جائز ہونے کے بارے میں یہ پوچھنا شروع کر دیتے ہیں کہ آخر اس جنگ کا کیا جواز ہے؟ امریکہ جیسے جمہوری ملکوں کے اندر بیرون ملک لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں عوام کی شرکت اور جنگ کی افادیت کے بارے میں عوام کا قائل ہونا ضروری ہے۔“

افغانستان۔ عراق، شام، لیبیا، سوڈان غرض دنیا کے ہر خطہ میں پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز کی فوج کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ روایتی جنگ سے لیکر ملکی خانہ جنگیوں تک، حکومتوں کے تختے الٹنے سے لیکر ساتویں آٹھویں نسل کی جنگوں کی حکمت عملی تک ہر جگہ پرائیویٹ فوجوں کے سپاہی اور جاسوس استعمال ہو رہے ہیں۔ ان پرائیویٹ فوجوں کے پیچھے در پردہ دنیا کے بڑے سرمایہ دار ہیں جنہوں نے تہہ در تہہ کارپوریشنز کے سلسلوں کے ذریعہ اپنے آپکو پردوں کے پیچھے چھپا رکھا ہے۔ یہ پرائیویٹ کارپوریشنز بڑے سرمایہ داروں کی ملکیت اور سرپرستی میں خود بھی ایک طرز کی ملٹی کارپوریشنز ہی ہیں۔ یہ کارپوریٹ لارڈز ان خفیہ فوجیں ہیں جنہیں بوقت ضرورت دنیا میں کہیں بھی کسی بھی فریق یا قومی ریاست کے خلاف باسانی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عراق، شام اور لیبیا اس کی تازہ ترین مثالیں ہیں کہ کس طرح ان عالمی غارتگریوں نے ان ممالک کے اندر قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ بلکہ کچھ جگہوں پر پرائیویٹ فوجوں کے مقابلہ میں پرائیویٹ فوجیں ہی لڑ رہی ہیں۔ جیسا کہ شام اور لیبیا میں روس کی ویکٹر گروپ (Wagner Group) پرائیویٹ فوج امریکہ اور مغربی ممالک کی پروردہ پرائیویٹ فوجوں کے خلاف لڑ رہی ہے۔ افغانستان اور عراق کی حالیہ جنگوں میں امریکی اور نیٹو فوجوں کے مقابلہ میں پرائیویٹ فوجوں کی تعداد کہیں کم تھی۔ مزید برآں پرائیویٹ فوجوں کے اندر ایک بہت بڑی اکثریت غیر امریکی اور غیر مغربی فوجیوں کی ہے جو دنیا کے ہر کونے سے پیسہ کے لالچ میں بھرتی کر کے لائے جاتے ہیں۔ صرف ان فوجوں کی کمان کرنے والے گورے امریکی یا مغربی ہیں باقی ساری فوج غیر امریکی اور غیر مغربی لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک سے جو فوجی بھرتی کئے جاتے ہیں وہ بھی گورے نہیں بلکہ ان ممالک کی شہریت کا حامل

افریقا، ہسپانوی، ایشیائی یا دیگر نسلوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں اب جگہ ”کرایہ کے فوجیوں“ کی ذمہ داری بنادی گئی ہے۔

عالمی سرمایہ داروں نے عالمی اسلحہ پر اجارہ داری حاصل کرنے کے بعد قومی ریاستوں کے مقابلہ میں اپنی پرائیویٹ فوجیں تیار کر لی ہیں۔ ایشیاء اور افریقہ اور لاطینی امریکہ کے غریب ملکوں کے اندر جنگی تعمیراتوں نے اپنے ریکروٹمنٹ مرکز کھول رکھے ہیں جہاں سے سستی افرادی قوت باسانی دستیاب ہو جاتی ہے۔ ان فوجوں کے اندر وہ ہر قسم کے نوجوان جنگجو بھرتی کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سابقہ جرمنیوں، فضائیہ اور نیوی کے سابقہ افسران اور تربیت یافتہ سپاہیوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور زیادہ تنخواہ پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ ان نجی فوجوں کا ایک بہت بڑا حصہ مقامی جنگی سرداروں یا دیگر مقامی گماشتوں کے ذریعہ غریب عوام کو بہتر تنخواہ کے لالچ پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ یا پھر مقامی دھڑہ بندیوں سے فائدہ اٹھا کر تنخواہ دار نجی فوجیں تشکیل دی جاتی ہیں۔ ان نجی فوجوں سے عالمی سرمایہ دار مافیا کو دو قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ”جنگی منصوبہ باز“ عوام کے براہ راست رد عمل سے بچ جاتے ہیں اسلئے کہ مرنے تو غیر امریکی اور غیر مغربی لوگ ہیں۔ دوسرے یہ کہ کرایہ کی یہ فوجیں بہت سستی پڑتی ہیں اسلئے کہ مغربی ممالک کے سپاہیوں کے مقابلہ میں انہیں بہت ہی کم اجرت دینا پڑتی ہے۔ پھر ان کے کوئی بنیادی حقوق یا پنشن وغیرہ بھی نہیں دینا پڑتی۔ ان کا کونسا کوئی مائی باپ ہوتا ہے؟ جہاں مر گئے وہیں گڑھا کھود کر دبا دیئے یا چیلوں اور جنگلی جانوروں کی خوراک بننے کیلئے چھوڑ دئے۔ نہ کوئی عوامی رد عمل، نہ کوئی پنشن اور نہ ہی کوئی سوشل سیکورٹی الائنس۔

اس وقت امریکہ نے پوری دنیا کے اندر جنگیں چھیڑی ہوئی ہیں۔ ان جنگوں کے اندر امریکہ کا بہت بڑا انحصار انہی نجی فوجوں پر ہے۔ جس تیزی سے یہ رجحان بڑھ رہا ہے اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بہت جلد امریکی جگہ کا اسی سے نوے فیصد انحصار ان ہی کرائے کی فوجوں پر ہو جائیگا۔ ”جگہ کے ٹھیکیدار“ دھاک کے ہر کونے سے افراد بھرتی کر کے ان جنگوں کے اندر جموٹک رہے ہیں۔ عالمی سرمایہ داری نے پوری دنیا کو ایک جنگی تحریک میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ایک الگ سوال ہے کہ ان پر خطر جنگوں کے عادی لوگ جب اپنے ممالک کو واپس لوٹیں گے تو وہاں انکارویہ کیا ہوگا؟ کسی وقت طالبان اور القاعدہ کی جنگی تربیت بھی امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے ہی کی تھی۔

کرایہ کی فوجوں میں دن دو گنا اور رات چو گنا اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ یہ ملکوتی اور اقوام متحدہ کی افواج کے مقابلہ میں ان کی کارکردگی بہت زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا

ہے کہ اپنی فوج رکھنے کی بجائے کرایہ پر فوج لینا زیادہ بہتر اور سستا ہے۔ انجی فوجوں کے یہ کارندے انہماک تربیت یافتہ قسم کے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ بہت سے ممالک کے اندر یہ ریاستی فوجوں، فضائیہ اور ان کی پولیس کو تربیت دے رہے ہیں۔ یہ جنگ کے دوران نہ صرف جنگ لڑتے ہیں بلکہ فوج کے انخلا، زمینوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی اور لاجسٹک سپورٹ بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان انجی فوجوں کے اندر ہر قسم کے تربیت یافتہ لوگوں کے سکواڈ ہوتے ہیں۔ بہت سی اہم سیاسی اور جنگی شخصیات کی سیکورٹی کی ذمہ داری پرائیویٹ فوجوں کو سونپی گئی ہے۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنز نے بھاری قیمت پر اپنی حفاظت کیلئے ان انجی فوجوں کے سکواڈ رکھے ہوئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے اندر تیل کی تنصیبات اور جنوبی افریقہ میں ہیرے کی کانوں کی پیرو داری بھی ان انجی فوجوں کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ بھی دنیا بھر میں دنیا کی قیمتی ترین معدنیات، سونے وغیرہ کی کانوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی انجی فوجوں کے سپرد کی گئی ہے۔ الغرض یہ انجی فوجیں جدید اسلحہ سے لیس دنیا کی طاقتور ترین فوجیں ہیں جو کسی بھی قومی ریاست کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے کی اہلیت سے بہرہ ور ہیں۔ ان انجی فوجوں کے ملازمین دوران جنگ انتہائی جدید اسلحہ کے استعمال کے ماہر ہیں۔ یہ جنگ کے دوران بی۔ٹو سٹیلٹھ طیاروں اور اپاچی ہیلی کاپٹرز کو استعمال میں لاتے رہے ہیں۔ یہ فوج کے پیٹریاٹ میزائل بیٹریز اور نیوی کے ایکس میزائل ڈیفنس سسٹم چلانے میں انتہائی ماہر ہیں۔ امریکہ نے لیبیا، نکاراگوا، وینزویلا اور شام کے اندر غیر ریاستی کرایہ کی فوجوں کے ذریعہ ریاستی فوجوں کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ امریکہ نے عراق میں پچاس فیصد سے زائد اور افغانستان میں ستر فیصد سے زائد پرائیویٹ فوجوں کو استعمال کیا ہے۔

ان کمپنیوں کی پشت پر بیٹھے عالمی سرمایہ دار دنیا بھر میں کمپنیوں کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے اور ان کے کاروبار کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ امریکہ، برطانیہ اور دیگر متعلقہ ممالک کے اندر سیاسی "لابی انگ" کرتے ہیں اور درون خانہ کروڑوں ڈالر کی خفیہ سرمایہ کاری کرتے ہیں کہ ان کی انجی فوجوں کا وجود برقرار رہے جس کی عدم موجودگی میں ان کی عالمی حکومت قائم کرنے کے ایجنڈا کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ نیٹو اور امریکہ کی فوج عالمی سرمایہ داری کے عارضی گھوڑے ہیں۔ نیٹو کی فوج مختلف قومی ریاستوں کی فوج ہے اور امریکہ بھی ایک قومی ریاست ہے۔ ان ممالک کے اندر عالمی سرمایہ داری اور صیہونیت کے خلاف ابھرنے والا کوئی بھی رد عمل عالمی سرمایہ داروں کو اپنے ان "فوجی بازوؤں" سے محروم کر سکتا ہے۔ اس کے متبادل کے طور پر عالمی سرمایہ دار صیہونیت نے یہ انجی فوجیں تیار کر رکھی ہیں جو درون خانہ ان ہی عالمی سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں یا پھر (اگر کوئی ان کی ملکیت سے باہر ہے) وہ انکی خدمات بھاری معاوضہ کے عوض بوقت ضرورت خرید

تھے ہیں۔ جدید اسلحہ کے حصول کیلئے بھی یہ نجی فوجیں ان ہی عالمی سرمایہ دار اسلحہ ساز کمپنیوں کی محتاج ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلحہ سازی کی نجی صنعت اور پرائیویٹ فوجوں کا وسیع و عریض اور بھاری بھر کم نظام عالمی سرمایہ داروں کی ریزرو فوج کی حیثیت رکھتا ہے جو کسی بھی وقت ریاستی اور غیر ریاستی کھلاڑیوں کے خلاف استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ معدنیات اور تیل کی تنصیبات کی حفاظت کیلئے ریاستی ادارے اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز بھی ان نجی فوجوں کی خدمات حاصل کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ”فری پورٹ میکمو ران (Freeport-McMoRan) نے انڈونیشیا میں اپنے آپریشنز کی حفاظت کیلئے ٹریپل کیو پل (Triple Canopy) کی خدمات حاصل کیں۔ چائنا نیشنل پٹرولیم کارپوریشن نے جنوبی سوڈان میں اپنے آپریشنز کی سیکورٹی کیلئے ڈی وی سیکورٹی (DeWe Security) کمپنی کی خدمات حاصل کیں۔ یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ اکثریتی ملٹی نیشنل کارپوریشنز سے لیکر میڈیم رینج کارپوریشنز تک سبھی ان نجی پرائیویٹ فوجوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح وینزویلا، لاہیریا اور کانگو جیسی حکومتوں نے بھی اپنے معدنی ذخائر کی حفاظت کیلئے ان ہی پرائیویٹ فوجوں سے معاہدے کر رکھے ہیں۔ مختلف ممالک کی خفیہ ایجنسیاں بھی ان کرائے کے سپاہیوں کو اپنے مخالفین کے قتل بطور ذریعہ سکواڈ اور مخالف حکومتوں کے خلاف بغاوت اور خانہ جنگی کیلئے ان کرایہ کی فوجوں کا بھرپور استعمال کرتی ہیں۔ یہ کرایہ کی فوجیں اس پوزیشن میں ہیں کہ کسی ملک کے معدنی ذخائر پر قبضہ کر لیں یا پھر کسی ملک کے علیحدگی پسند عناصر کے ساتھ مل کر کوئی نئی ریاست تخلیق کر لیں اور خود اس کے سربراہ بن بیٹھیں۔

عراق، شام اور لیبیا کے اندر ان کرایہ کی فوجوں نے باقاعدہ بھاری توپخانہ، جدید ڈرونز اور ٹینکوں تک کا استعمال کیا ہے۔ یہ لوگ کسی بھی ملک کی باقاعدہ فوج سے زیادہ تربیت یافتہ اور مہلک اسلحہ سے لیس ہیں۔ اس وقت یمن، نائیجیریا، یوکرین، لیبیا، سوڈان، عراق، شام، چینچینا، صومالیہ اور افغانستان کے علاوہ دنیا کے اور بہت سے خطوں کے اندر یہ سرگرم عمل ہیں۔ یہ کرائے کے فوجی زیادہ تر کولمبیا، پانامہ، ایلسلواڈور، چلی، چاڈ، اریٹریا، اور دیگر غریب ممالک سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔

ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ القاعدہ اور دیگر اسلامی عسکری تنظیمیں بھی مسلمان علاقوں سے کرایہ کے فوجی بھرتی کر رہی ہیں۔ نائیجیریا کی حکومت نے خفیہ طور پر ”باکو حرم“ (Boko Haram) میں اسلامی عسکریت پسندوں کی بغاوت کو کچلنے کیلئے خفیہ طور پر کرائے کے فوجی استعمال کئے۔ کرائے کے ان فوجیوں نے جدید ترین گن شپ ہیلی کاپٹر استعمال کر کے چند ہفتوں کے اندر ”باکو حرم“ پر قبضہ کر لیا جبکہ نائیجیریا کی باقاعدہ

فوج اس پر گزشتہ چھ سال سے اس میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس جنگ میں لاکھوں لوگ مارے گئے اور دو ملین سے زیادہ لوگ بے گھر ہو گئے۔

کرائے کی ان فوجوں کے پاس لڑاکا بحری جہاز ہیں۔ یہ خلیج عدن، آبنائے ملاکہ اور خلیج گھاناہ میں تجارتی بحری جہازوں کو بحری قزاقی کے خلاف تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ یہ کرائے کے فوجی کھلے سمندر کے اندر گھات لگا کر اپنے لڑاکا بحری جہازوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی واردات ہو جائے تو یہ فوری موقع پر پہنچ کر مقابلہ کرتے اور اپنے جہاز اور اس کے عملہ کو بازیاب کرواتے ہیں۔ جب ان کا گاہک جہاز بحفاظت گزر جائے تو یہ دوبارہ اپنے نئے گاہک کیلئے اپنے لڑاکا بحری جہازوں پر بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں۔

بلیک وائر کے بانی ایرک ڈین پرنس نے ایک بڑی رقم کے عوض امریکی حکومت کو پینگلش کی کہ وہ چھ ہزار کی نفری کے ساتھ افغان جنگ جیت سکتا ہے۔ اس میں بلیک وائر کے بانی کی خوش فہمی یا چرب زبانی بھی شامل ہو سکتی ہے مگر اس سے ان کی طاقت اور اعتماد کا پتہ ضرور چل جاتا ہے۔ ان پرائیویٹ فوجوں کے مالکان مقامی سطح پر سب کنٹریکٹرز پیدا کرتے ہیں۔ مقامی جنگی سرداروں، مقامی اشرافیہ اور جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنا مشن مکمل کرتے ہیں۔ وہ ملک کے اندر کئی قسم کی مختلف النوع مقامی ملیشیا تشکیل دیکر ریاست کے اندر کئی ریاستیں تشکیل دے دیتے ہیں۔ اور اس طرح اس معاشرہ اور ریاست کو مستقل بنیادوں پر خانہ جنگی اور جرائم کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ اس سے اس معاشرہ کے اندر قتل و غارتگری، اغوا برائے تاوان، جسم فروشی، منشیات فروشی اور رہزنی جیسی وارداتیں مستقل شعار بن جاتی ہیں اور وہ معاشرہ اور ریاست ہمیشہ کیلئے عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ افغانستان، عراق، لیبیا، شام، سوڈان اور بہت سے افریقی اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں کرایہ کی ان فوجوں نے یہی طریقہ اپنایا ہے اور ایسا ہی جرائم پیشہ کلچر کو جنم دیا ہے۔ ملک کو مختلف متحارب جمہوں کے اندر تقسیم کر دیا ہے۔ لیبیا میں اس وقت 1600 چھوٹے بڑے جنگی گروہ برسرِ پیکار ہیں۔

افغانستان میں گرام ایئر بیس کی حفاظت کاٹھیکہ شمالی اتحاد کے ایک سابقہ گوریلا کمانڈر اسمیل خان کو دیا گیا۔ افغانستان کی ایک بنائی گئی کمپنی ناوین (Navin) نے اسی ایئر بیس کی حفاظت کیلئے 500 گارڈ فراہم کئے۔ اس کمپنی کا مالک ایک سابقہ مجاہدین کمانڈر لطف اللہ تھا۔ افغان جنگ کے دوران ایسی کرایہ کی ملیشیا کی کمپیوں کی طرح پیدائش ہوئی۔ وطن رسک مینجمنٹ، قندھار سیکورٹی گروپ، سٹریٹجک سیکورٹی سائونڈرز انٹرنیشنل، این سی ایل ہولڈنگز، ایلٹ سیکورٹی سروسز، ایشیا سیکورٹی گروپ جیسی کرایہ کی درجنوں ملیشیا فورسز نے اسی دور میں جنم لیا جبکہ افغان جنگ سے پہلے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ امریکہ اور نیٹو جنگی قیادت نے

افغانستان کے طول و عرض میں پھیلے غیر منظم جنگی سرداروں، ڈرگ مافیاز اور دوسرے جرائم پیشہ افراد کو منظم ملوثی کارپوریشنز میں تبدیل کر کے انہیں امریکہ اور نیو کی چھتری تلے ”اجتماعی جرائم“ کا ایک نیا مینڈیٹ دے دیا۔

پرائیویٹ فوجوں کے مالکان دنیا کے بڑے سرمایہ دار ہیں جنہوں نے امریکہ اور یورپ کے سابقہ اعلیٰ فوجی جہدیداران کو فرنٹ مین کے طور پر استعمال کرتے ہوئے یہ کرایہ کی فوجیں تشکیل دے رکھی ہیں۔ ان پرائیویٹ فوجوں کی مدد سے چند ایک نے افریقہ میں سونے، ہیروں اور تیل کی تنصیبات پر بڑی طاقت اور ہیف میلنگ حصہ داری حاصل کر لی ہے۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں قائم کی گئی ایک پرائیویٹ فوج ایگزیکٹو گٹ کم (Executive Outcome) کے مالکان کہیں یورپ میں پردہ کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے اور اس کمپنی کے مسلح فوجی دستوں نے سائیر لیون (Sierra Leone) اور یوگنڈا میں باغیوں کو کچلنے کیلئے وہاں کی حکومتوں سے انتہائی محقول معاوضہ پر معاہدات کئے۔ باغیوں کو وہاں سے مار بھگایا اور اس کے بعد وہاں کی سونے اور ہیروں کی کانوں میں حصہ دار بن کر بیٹھ گئے۔ اس کارپوریشن کا تعلق بڑے عالمی سرمایہ دار گروہوں ڈی بیئرز ڈائمنڈ کارپوریشن (DeBeers Diamond Corporation) کے ساتھ بتایا جاتا ہے جس کا مالک دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ دار روٹھسائلڈ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ کمپنی انتھوپیا کے اندر کان کنی کے کام میں بھی ملوث رہی ہے۔ عالمی سطح پر بہت زیادہ بدنامی اور فوجداری مقدمات کے خوف سے یہ کارپوریشن بند کر دی گئی مگر اس کے آپریشنز دیگر کئی ایک پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز کے ذریعہ جاری رکھے گئے۔

یہ کرائے کی فوجیں معدنیات کی کانوں پر قبضہ سے لے کر حکومتوں کا تختہ الٹنے تک میں ملوث چلی آ رہی ہیں۔ وینل کمپنی کے سیکورٹی کارڈ سعودی عرب کے آئل فیلڈز کی حفاظت پر مامور رہے ہیں۔ افریقی جرائم کے معدنیات والے علاقوں میں ان کرایہ کی فوجوں نے اندھیر مگرمی بھاری ہے۔ ان کی پشت پر دنیا کے بڑے سرمایہ دار ہیں۔ یہ بڑے سرمایہ دار بھاری سرمایہ کاری کر کے ان علاقوں میں حکومت کے خلاف بذیت کا ”بندوبست“ کرتے ہیں۔ جب معاملات مقامی حکومتوں کے بس سے باہر نکل جاتے ہیں تو یہ مقامی حکومتوں کے سرکردہ افراد کے ساتھ ساز باز کر کے وہاں معدنیات اور آئل فیلڈز کے علاقوں میں بھگوانی مہیا کرنے کا نام پر دیرپا کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں ایسے براجمان ہو جاتے ہیں کہ نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ یہ سازشوں اور بلیک میلنگ میں اپنا کٹاٹی نہیں رکھتے۔ یہ ایک جانب حکومت کے ساتھ ملے رہتے ہیں اور دوسری جانب دروں خانہ باغیوں کو بھی بلہ شیری دیئے رکھتے ہیں تاکہ جنگ کا بازار

گرم رہے اور ان کا منفعت بخش کاروبار چلتا رہا۔ یہ ان جنگلوں اور خانہ جنگیوں سے دوہرا منافع کھاتے ہیں۔ یہ مقامی حکومتوں سے اپنی سیکورٹی سروسز کے بدلے بھاری معاوضہ وصول کرتے ہیں اور دوسری جانب ان کی قیمتی معدنیات چوری کرتے ہیں۔ اپنی دوطرفہ سازشوں کے ذریعہ سیکورٹی کے معاملات کو اتنا گھمبیر بنائے رکھتے ہیں کہ مقامی حکومتیں ان کے جال سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ افریقہ کے اندر یہ کھیل سالہا سال سے کھیلا جا رہا ہے۔ ان کرایہ کی فوجوں کی پشت پر بیٹھے سرمایہ دار ملکی سیاست کے اندر گھس کر ایسی صورت حال پیدا کئے رکھتے ہیں کہ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کرتا۔ رشوت سے لے کر سیاسی بلیک میٹنگ، خفیہ قتلوں سے لیکر رشوت کے ہر عمل میں یہ لوگ ملوث پائے جاتے ہیں۔

بڑے سرمایہ دار سابقہ جرنیلوں اور بڑی سیاسی شخصیات کو ان فوجوں کے اندر اپنے فرنٹ مین کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور خود ”گاڈ فادر“ کے روپ میں پیچھے بیٹھ کر ذوریاں ہلاتے ہیں۔ ہیلی برن (Halliburton) ملٹی نیشنل آئل کمپنی ہے جس کے آپریشنز دنیا کے ستر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک پرائیویٹ ملٹری کمپنی KBR اس کی سبسیڈری (Subsidiary) کے طور پر کام کرتی ہے۔ ڈک چینی اس کمپنی کا چیف ایگزیکٹو ہوا ہے اور یہ وہی شخص ہے جو ایران پر حملہ کے وقت امریکہ کا نائب صدر تھا۔ کچھ کمپنیز کے چیف ایگزیکٹوز امریکی فوج کے سابقہ سٹیر کمانڈرز رہے ہیں جو اقتدار کے ایوانوں میں اپنے اثر و رسوخ کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔

بلیک وائر (جس کا موجودہ نام اکیڈمی ہے) 1997 امریکی ریاست شمالی کیرولینا میں ایک سابقہ امریکی نیوی آفیسر ایک پرنس نے قائم کی۔ اس کے بعد یہ مختلف ہاتھوں میں بکتی رہی اور 2011 میں کچھ نامعلوم پرائیویٹ سرمایہ کاروں نے 13 بلین امریکی ڈالر میں خرید کر لی۔ اس کارپوریشن کے پاس جدید ڈرونز اور ہلکی فوجی گاڑیاں بنانے کے علاوہ اپنے ذاتی جدید ہیلی کاپٹر اور جدید جنگی جہاز بھی موجود ہیں۔ بہت سی دیگر ملٹری کارپوریشنز کی طرح رازداری کی غرض اور ”کم خطرناک“ آنے کی خواہش کے تحت اس نے بھی اپنی ویب سائٹ پر اپنا سالانہ رپورٹ اور جنگلوں کی تعداد ظاہر نہیں کی ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ دنیا کی بڑی ملٹری کارپوریشنز میں سے ایک ہے۔ اس نے اپنے ملازمین اور جنگجوؤں کو ہر قسم کی فوجی تربیت دینے کیلئے امریکی ریاست ٹارھ کیرولینا میں 7000 ایکڑ جگہ پر ٹریننگ کیمپ قائم کر رکھا ہے جس سے اسکی طاقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے اندر دن دیہاڑے لاہور شہر میں دو افراد کو قتل کرنے والا کرایہ کا فوجی ریمینڈ ڈیو اس اسی کارپوریشن کا ملازم تھا۔ اس کا سالانہ رپورٹ یونیورسٹی کینیڈا میں ملین ڈالر ہے اور اس کے جنگجوؤں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ یہ نیویارک سٹاک ایکسچینج کے ساتھ رجسٹرڈ ہے۔

جی فور ایس (G4S) افرادی قوت کے اعتبار سے دنیا کی بڑی ملٹری کارپوریشن شمار ہوتی ہے۔ اس کی اپنی کئی ذیلی شاخیں جو طیاروں کی مرمت وغیرہ تک کا کام بھی کرتی ہیں۔ یعنی اس کی اپنی طیاروں کی مرمت کی ہر کھاپس ہیں۔ یہ برطانوی ملٹری کارپوریشن ہے اور لندن شاخ آپکھنچ کے ساتھ رجسٹر ہے۔ اس کا سالانہ ریونیو 12 بلین ڈالر ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 625,600 ہے۔ یہ برطانیہ کی ریگولر فوج (جو کہ اسی ہزار کے لگ بھگ ہے) سے تقریباً آٹھ گنا بڑی ہے اور اسلحہ میں بھی کم نہیں ہے۔ یہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنی سرپرست ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ برطانیہ کی ریاستی فوج کو شکست دے سکتی ہے۔

اسی طرح ایل تھری (L-3) اور اے ڈی ٹی (A.D.T.) امریکہ میں رجسٹرڈ ملٹری کارپوریشنز ہیں اور نیویارک شاخ آپکھنچ کے ساتھ رجسٹر ہیں۔ اے ڈی ٹی کا سالانہ ریونیو 3.1 بلین ڈالر ہے۔ ان کے کنٹرولنگ حصص بڑے سرمایہ داروں کے پاس ہیں۔ ان کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اندر بھی وہی لوگ شامل ہیں اور ان کی پالیسیاں اور آپریشنز کے بارے میں بھی وہی فیصلے کرتے ہیں۔ یہ عالمی سرمایہ داروں کی نجی فوجیں ہیں جنہیں وہ جہاں اور جیسے چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان علیحدہ علیحدہ نظر آنیوالی ملٹری کارپوریشنز کے باہم کلسٹرز اور اتحادی معاہدے ہیں اور کئی جگہوں پر یہ باہم متحد ہو کر لڑتے ہیں۔ ان کرایہ کے فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور کئی ملٹری کارپوریشنز کے جنگی سپاہیوں کی تعداد دنیا کے بہت سے ممالک کی افواج سے کبھی زیادہ ہے۔ دنیا میں اس وقت قابل ذکر بڑی جنگی ملٹری کارپوریشنز کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ تقریباً پچاس ہزار کے قریب جنگی کنٹرولنگز ان کی ڈسپوزل پر ہیں جو انہیں دنیا کے مختلف ممالک سے سستے اور تربیت یافتہ فوجی بھرتی کر کے دیتے ہیں۔ افغانستان کے اندر کام کرنے والے جنگی کنٹرولنگز کی تعداد 24202 اور عراق میں کام کرنے والی جنگی کنٹرولنگز کی تعداد 7773 بیان کی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے پوری دنیا کو اپنا جنگی ریکروٹمنٹ سنٹر بنایا ہوا ہے جہاں سے یہ سابقہ فوجیوں اور دوسرے محتمل افراد کو بھرتی کر کے لاتے اور جنگی میدان میں استعمال کرتے ہیں۔

نئے دور کی نئی فوج

پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز نے دور کی کارپوریٹ فوج ہے جو قومی ریاستوں کو شکست دیکر ایک عالمی ریاست تشکیل دینے کیلئے تیار کی جا رہی ہے۔ اکیسویں صدی کے اندر جنگ کا تصور بدل چکا ہے۔ یہ فوج جنگ کے اس بدلتے تصور کو ذہن میں رکھ کر تیار کی جا رہی ہے۔ جنگ کے بدلتے تصور (Reconceptualization of War) جنگ کے کھلاڑی اور کھیل کے آداب تبدیل کر دیئے ہیں۔ دنیا

کے اندر سستے جنگجو میسر آنے کی وجہ سے جنگ کا پرانا تصور تبدیل ہو گیا ہے۔ جنگ اب پرائیویٹائز ہو گئی ہے۔ بہت سے ممالک نے ان جنگجوؤں سے کام لینا شروع کر دیا ہے اور اپنی فوجوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی کر دی ہے۔ روس نے اپنی فوج بیالیس لاکھ سے کم کر کے نو لاکھ کر دی ہے۔ امریکہ نے اکیس لاکھ لاکھ فوج میں تخفیف کر کے اسے تیرہ لاکھ کر دیا ہے۔ برطانیہ نے بھی اپنی فوج میں تین لاکھ کی کمی کر دی ہے۔ ایران نے بھی اپنی فوج میں خاطر خواہ کمی کر دی ہے اور ریگولر فوج میں اس کی کوریئر فوج (جو کہ 353,000 نفوس پر مشتمل ہے) کے ذریعہ پورا کیا ہے اور مزید اس کی مدد کیلئے ایک کروڑ دس لاکھ تربیت یافتہ مرد خواتین کی رضا کار فوج تیار کی ہے اس کمی کے نتیجہ میں بچایا گیا بجٹ یہ ممالک اپنے ڈیجیٹل، الیکٹرانک، لیزر، مینو اور سپیس ٹیکنالوجی کی تیاریوں میں صرف کر رہے ہیں اسلئے کہ اب جنگ کی ضروریات تبدیل ہو گئی ہیں۔

اسی نئی صورت حال کے مطابق مختلف ریاستوں نے اپنی سرکاری فوجوں کی جگہ ان ملٹری کارپوریشنز کا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور سرکاری فوجوں کے ساتھ ساتھ اپنی پرائیویٹ فوجوں کی بھی تشکیل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر جی کے سائییریا (G.K. Sierra) نامی ملٹری کارپوریشن کو اسرائیل سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ سائیر وار فیر کے اندر انتہائی مہارت کی حامل جنگی کارپوریشن ہے۔ اس کے ملٹری آپریٹرز افغانستان کے اندر بھی اتحادی افواج کے ساتھ مل کر کام رہے ہیں۔ جی کے سائییریا (G.K. Sierra) اگرچہ امریکی شہر واشنگٹن میں رجسٹر ہے لیکن اس کا فعال تعلق امریکی سی آئی اے اور اسرائیلی موساد کے ساتھ ہے اور اس کا ایک اہم دفتر اسرائیلی دارالحکومت تل ابیب میں بھی ہے۔ یہ ملٹری کارپوریشن شعبہ جاسوسی، ڈیجیٹل فرائزک اور انکرپشن ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتی ہے۔

اسی طرح ویکنر گروپ (Wagner Group) نامی ملٹری کارپوریشن کو روس کی متوازی فوج قرار دیا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ نئے طریقہ جنگ اور پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز کے کردار پر بحث ہو رہی ہے۔ اطلاعات کے مطابق امریکہ ڈین پرنس (جو کہ بلیک وائر کا بانی تھا اور بعد میں اس نے اسے 13 بلین ڈالر میں کچھ پرائیویٹ سرمایہ کاروں کے ہاتھ فروخت کر دیا) کے ساتھ چین نے بہت سے سمینار اور مفادات کا اشتراک کیا ہے۔ یہ سیکھنے کا ایک عمل ہے۔ چین بلیک وائر کے اس بانی سے اس کا جدید طریقہ جنگ سمجھنا چاہتا ہے اور شاید اس کے ذریعہ عالمی مارکیٹ میں موجود جدید ترین سمارٹ ہتھیاروں تک رسائی چاہتا ہے۔

کرائے کی فوجوں کا دائرہ کار پوری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ فی الوقت یہ زیادہ تر ریاستوں کے ساتھ معاہدے کر کے کام کر رہی ہیں لیکن یہ ایک عبوری دور ہے اس کے بعد یہ قومی ریاستوں کے خلاف

عالمی سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر کام کریں گی۔ قبل ازیں یہ اپنے عالمی پے ماسٹروں کے اشارے پر بہت سے افریقی اور ایشیائی ممالک کے اندر خانہ جنگی شروع کروانے میں اپنا کردار ادا کر چکی ہیں۔ لیبیا، سوڈان، عراق اور شام اس کی واضح مثالیں ہیں۔

ریاستی فوجوں کی تربیت ریاست بمقابلہ ریاست کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس میں ریاست کے ممکنہ دشمنوں کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے ریاستی جنگجوؤں اور ان کے کمانداروں کا ذہن دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں سے آگے نہیں جاتا لیکن کرایہ کی ان فوجوں کو پہلے دن سے بین الاقوامی طور پر انتہائی پر خطر علاقوں میں ٹاسک دئے جاتے ہیں۔ لہذا ان کا ذہن ریاستی فوجیوں سے کہیں زیادہ پگھلا اور جنگ کے مروجہ طریقوں سے باہر نکل کر سوچنے کا عادی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جو کام ریاستی فوجیں سالوں میں نہیں کر سکیں کرائے کے ان فوجیوں نے وہی کام ہفتوں میں کر دکھایا اس لئے کہ ان کی تربیت مورچہ بند جنگ سے کہیں زیادہ موبائل اور عوام کے اندر لڑی جانے والی جنگوں کی ہوتی ہے۔

نئی جنگوں میں حصہ لینے والوں میں ایک بڑی تعداد مصنوعی ذہانت کے حامل روبوٹ داخل ہو رہے ہیں۔ جنگی اور الیکٹرانک ساز و سامان بنانے والی ملٹی نیشنل کمپنیاں یقیناً اس میں سبقت لے جائیں گی۔ گوشت پوست کے بنے انسانوں کیلئے ان دھات سے بنے مصنوعی ذہان کے حامل روبوٹس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ ”دھات کے بنے انسان“ مشکل اور خطرناک جنگی مہموں کو سر کرنے، بارودی سرنگیں بچھانے، خود کش حملے کرنے، فضائی اور بحری جہازوں میں مشینی پائلٹ کا کردار ادا کرنے، سمندروں میں دشمن کی آبدوزوں کو غرق کرنے اور سامنے پڑے دشمن کے مورچے توڑنے کیلئے بہترین جنگجو ثابت ہو سکتے ہیں۔

اب اسلحہ پر ریاستی اداروں کی اجارہ داری ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اسلحہ ساز کمپنیاں پرائیویٹ سرمایہ داروں کے ہاتھ میں چلی گئی ہیں۔ غیر ریاست ادارے انتہائی جدید اور مہلک جنگی ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ 2006ء کی جنگ میں حزب اللہ نے جدید ترین ہتھیار استعمال کر کے دنیا کو درطہ حیرت میں ڈال دیا اور اسرائیل کی جدید ترین جنگی مشینری کو ناکارہ کر کے رکھ دیا۔ اس کے ہموں ٹینکوں اور فضائی برتری کا خواب چکنا چور کر دیا۔ اسی طرح عراق اور شام کی جنگ میں داعش نے دنیا کا جدید ترین اسلحہ استعمال کر کے دنیا کو درطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ”War and Anti War“ کے مصنفین ایلون ٹولکر اور ہارڈی ٹولکر کے مطابق:

”If the tools of warfare are no longer tanks and artillery, but rather

computer viruses and microrobots, then we can no longer say that nations are the only armed groups or that soldiers are the only ones in possession of the tools of war."

ترجمہ: "اگر نینک اور توپخانہ کی جگہ "وائرس" اور "مائکرو روبوٹس" نے لے لی ہے تو ہم یہ بات کہنے میں قطعی طور پر حق بجانب نہیں ہیں کہ قومی ریاستیں ہی واحد مسلح گروہ ہیں یا یہ کہ جنگ کے ہتھیار صرف ریاستی فوجوں ہی کے پاس ہیں۔"

اسلحہ سازی ملٹی نیشنل کارپوریشنز میں سے کئی ایک غیر اعلان شدہ ایٹمی طاقتیں ہیں۔ وہ ایک بھی مختصر نوٹس پر اپنے ایٹمی طاقت ہونے کا مظاہرہ کر سکتی ہیں۔ اسی طرح دیگر غیر ریاستی کھلاڑیوں کیلئے بھی ایٹمی اسلحہ کا حصول ناممکن نہیں ہے۔ وہ اپنے ذرائع یا عالمی بلیک مارکیٹ سے ایسا ایٹمی اسلحہ خرید سکتے ہیں جو چشم زدن میں ہر چیز کو نیست و نابود کر کے رکھ دے۔

غیر ریاستی کھلاڑیوں نے مخصوص علاقوں سے نکل کر پوری دنیا کے اندر اپنی "خفیہ ریاستیں" تشکیل دے لی ہیں۔ انہوں نے "بکھر کر متحد ہونے" (Dispersed Command) کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے اپنی جنگی حکمت عملی تبدیل کر لی ہے اور اس میں مکمل مہارت حاصل کر لی ہے۔ وہ دنیا میں ہر جگہ دشمن کی آبادیوں کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ دنیا کے طول و عرض میں پھیلے جرائم پیشہ گروہ اور منشیات کے بڑے مافیاز بھی مستقبل قریب میں اس جنگ کا حصہ ہو سکتے ہیں اور کرایہ پر یا "بارٹر سسٹم" (اشیاء کے بدلے اشیاء کی تجارت) کے تحت ریاستی اور غیر ریاستی جنگی کھلاڑیوں کو کرایہ پر اپنی خدمات فراہم کر سکتے ہیں یا ان کیلئے جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول ممکن بنا سکتے ہیں۔

امریکہ یا کسی بھی سپر پاور کی جدید اسلحہ پر اجارہ داری محض دنوں کا کھیل ہے۔ فرض کریں کل کوئی بھی اسلحہ سازی کا ایک عام معمولی سا ماہر کوئی ایسی بندوق یا کوئی ایسا چھوٹا سا میزائل بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس سے وہ ڈرون، جنگی طیاروں اور سیٹلائٹ سسٹم کو نشانہ بنا سکے تو متحارب گروہ کی فضا پر اجارہ داری اسی لمحے زمیں بوس ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی ٹیکنیشن ایسی دور مار بندوق بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو فضا سے زمین پر دیکھنے یا فضا کی جاسوسی کی اجارہ داری رکھنے والی قوت کا کارہ ہو جائیگی۔ کوئی ریاستی قوت یا غیر ریاستی تنظیم دشمن کی ایٹمی لیبارٹریز سے چند میل دور کے فاصلہ سے اس پر مہلک میزائلوں کی بارش کر کے ایک بڑی تباہی کا سامان پیدا کر سکتی ہے۔ یا پھر کوئی بڑا کھلاڑی گروہ انسانی نظر سے اوجھل ہو جانے والا اور الیکٹرانک بیٹریوں کے ذریعے تیز رفتاری کے ساتھ فضا میں اڑنے والا ایسا لباس تیار کر سکتا

ہے جس کے ذریعہ اپنے مخالفین کے ہیڈ کوارٹر یا اس کی پوری سیاسی اور جنگی قیادت کو موت کے گھاٹ اتار سکا ہے۔ نظر نہ آنی والے طیاروں کی مانند ایسا کرنا قطعی طور پر کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ غالب امرکان یہی ہے کہ اپنی برتر ٹیکنالوجی اور تحقیقی طاقت کے زور پر ایسا کوئی بھی غیر روایتی اور ”عجیب الفطرت“ کام کرنے میں عالمی جنگی کارپوریشنز یا غیر ریاستی عناصر قومی ریاستوں پر سبقت کے جائیں گے۔

ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور عالمی دہشتگردی

ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے مالکان نے یورپ اور امریکہ کی معیشت و سیاست پر قابض ہو کر ان ممالک کو اپنے زر خرید گھوڑوں میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے مقامی سیاستدانوں اور رائے عامہ پر اثر انداز ہونے والی قیادت کو بھی بھاری سرمایہ کے عوض خرید لیا ہے۔ اس وقت امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی ریاستیں عالمی ساہوکاروں کے مفادات کے تحفظ کیلئے پوری دنیا کے اندر ایک لامتناہی جنگوں کا سلسلہ شروع کئے ہوئے ہیں۔ پہلی دو عالمگیر جنگیں بھی ان ہی سرمایہ دار ساہوکاروں کے کاروبار کو وسعت دینے اور عالمی منڈیوں پر قبضہ کرنے کیلئے لڑی گئی تھیں جس میں مختلف یورپی ریاستوں کو آکے کار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ نیٹو بھی ان ہی طاقتوں کی اختراع اور عالمی سرمایہ داری کے تحفظ کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔ نیٹو کی پیدائش کے وقت اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ کمیونسٹ روس کی ممکنہ جارحیت کے خلاف مغربی یورپ کے دفاع کا کام دے گا مگر اس وقت یہ مغربی یورپ کی علاقائی حدود سے باہر نکل کر پوری دنیا میں عالمی ساہوکاروں کے تحفظ اور وسعت کی جنگ لڑ رہا ہے۔ بالفاظ دیگر نیٹو اب عالمی سرمایہ داری کی اجتماعی عسکری قوت کے طور پر دنیا میں قومی آزادی کے متلاشی ممالک کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ یہ اب دفاعی نوعیت کا ادارہ نہیں رہا بلکہ عالمی سرمایہ دارانہ جارحیت کیلئے ایک بڑے جنگی رتھ کا کام دے رہا ہے۔

پوری دنیا کے اندر ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے مالکان نے جاہی برپا کر رکھی ہے۔ اس وقت پوری دنیا سامراج کا جنگی کمپ بنی ہوئی ہے۔ ان تمام جنگوں کے عقب میں آپکو امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے، موساد اور برطانوی خفیہ ایجنسی MI6 کا وجود نظر آئے گا۔ یہ سب ریاستی دہشت گردی ہی کی شکلیں ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی ریاست کا قیام براہِ راست امریکی اور برطانوی خفیہ ایجنسیوں کا سیاہ کارنامہ ہے۔ اس ریاستی دہشت گردی کی واضح مثالیں عراق، شام، لیبیا، سوڈان سے لیکر افغانستان اور نہ جانے کن کن دیگر مقامات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں ایک عام قاری کیلئے اصل حیران کن بات یہ ہے کہ ریاستی دہشت

گردی کی ان تمام کارروائیوں کے پیچھے کارپوریٹ کارپوریشنز کے تحفظ کا عنصر غالب نظر آئے گا۔
 دہشت گردی خفیہ بھی ہو سکتی ہے اور کھلے عام بھی۔ اسرائیل آئے روز شامی ریاست اور فلسطینی
 علاقوں کی فضائی اور زمینی خلاف ورزی کر کے حملے کر رہا ہے جو ریاستی دہشت گردی کی ایک عریاں مثال
 ہے۔ اسرائیل نے فضائی حملہ کر کے عراق کا ایٹمی پروگرام تباہ کر دیا۔ 22 فروری 2020 کو اسرائیلی فضائیہ
 نے بھارت کے ساتھ ملکر پاکستان پر حملہ کر دیا یہ سب کھلے عام ریاستی دہشت گردی کی مثالیں ہیں۔ عالمی
 منگروں کے جرائم کی داستان بڑی طویل ہے۔ اسرائیل عالمی صیہونیت کا نوزائیدہ بچہ ہے اور اسے امریکی
 سرپرستی حاصل ہے۔

امریکہ چونکہ پورے استعماری نظام کی عالمی قیادت کر رہا ہے اسلئے اس کی ریاستی دہشت گردی کے
 قہرے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

روئے زمین پر ایک انچ جگہ ایسی نہیں جو امریکی چہرہ دستیوں اور دخل اندازی سے محفوظ ہو۔ امریکی
 دہشت گردی کی داستان بے حد بھیاں تک بھی ہے اور طویل بھی لیکن ہم اختصار کی غرض سے صرف حالیہ تاریخ
 سے چند مثالیں پیش کریں گے۔

فلسطین میں صیہونی ریاست کا قیام

صیہونی سرمایہ دار روٹھسائٹڈ خاندان نے پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی حکومت سے ایک خفیہ
 معاہدہ کے تحت اس بات کی یقین دہانی حاصل کی کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد فلسطین کے اندر ایک آزاد
 یہودی ریاست قائم کرنے میں اس کی مدد کی جائے گی۔ اس معاہدہ کے مطابق روٹھسائٹڈ خاندان نے
 امریکہ کے اندر اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے امریکہ کو جرمنی کے خلاف جنگ میں شامل
 کروایا۔ جنگ کے خاتمہ پر روٹھسائٹڈ خاندان نے معاہدہ ورسلز کے موقع پر برطانوی اور جنگ کی اتحادی
 قوتوں کے سامنے بھرپور احتجاج کیا کہ اس کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو پورا کیا جائے۔ کچھ ناگزیر وجوہات
 کی بنا پر اس وعدہ کی فوری تکمیل تو نہ ہو سکی مگر دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر عالمی طاقتوں نے عالمی صیہونیت
 کے ساتھ کئے گئے اس معاہدہ کی تکمیل کر دی اور 14 مئی 1948 کو اسرائیل کی یہودی ریاست وجود میں
 آئی۔ روٹھسائٹڈ سرمایہ دار خاندان کے اثر و رسوخ کی بنیاد پر عالمی طاقتوں نے صدیوں سے آباد فلسطینیوں
 سے ان کا وطن چھین لیا اور انہیں اسلحہ اور جنگ کے ذریعہ وہاں سے نکال کر بے وطن کر دیا۔ یہ سیاہ کارنامہ
 امریکہ، برطانیہ اور عالمی سرمایہ داری کے سرغنہ صیہونی خاندان روٹھسائٹڈ کے اتحاد سے انجام دیا گیا۔

اسرائیل کی پیدائش کے وقت 750,000 فلسطینیوں کو بے گھر کر کے خیمہ بستوں کے اندر دھکیل دیا

گیا۔ عالمی دہشت گردی کی کارروائی میں اس وقت تک لاکھوں فلسطینی مارے جا چکے ہیں۔ پچاس لاکھ سے زائد فلسطینی آج بھی بے وطن ہو کر تمام بنیادی سہولتوں سے محروم خستہ حال خیموں کے اندر کمپری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ فلسطینیوں کا بے محابا قتل عام، تشدد اور تذلیل یہاں روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اور فضائی، بمباری اور مارٹر توپوں کے گولوں کے ذریعہ لاکھوں کی تعداد غریب فلسطینیوں کے گھر مسمار کئے جا چکے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق صرف 1967 کے بعد 48743 گھروں کو مسمار کیا گیا۔ بے گھر اور خوف کے سایہ میں زندگی گزارنے والے فلسطینیوں پر کیا گزر رہی ہے اس کا ایک نہایت مختصر احوال ذیل میں ایک جریدے کو دئے گئے دو مختصر انٹرویوز کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔ ابو یوسف ایدانے نامہ نگار کو اپنے مسمار شدہ بچے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا:

"I worked for 28 years as a teacher in the United Arab Emirates and I put it all into this house. I lost everything."

ترجمہ: "میں نے متحدہ عرب امارات میں اٹھائیس سال کام کیا اور اپنا سب کچھ اس مکان کی تعمیر پر صرف کر دیا۔ میرا سب کچھ تباہ کر دیا گیا ہے۔"
اسی طرح خیمہ بستی میں مقیم ایک دوسرے فلسطینی بشیر کھدر نے نامہ نگار کو بتایا:

"We can't sleep at night. We're afraid the tanks will come back. They (Israelis) say they want this area as a 'safe zone'."

ترجمہ: "ہم راتوں کو سو نہیں سکتے۔ ہمیں یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ اسرائیلی ٹینکوں کے ساتھ دوبارہ حملہ آور ہو جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ علاقہ اپنے "حفاظتی خطہ" کے طور پر درکار ہے۔"
عالمی سرمایہ داروں کی تنخواہ یافتہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے فلسطین کے مسئلہ پر ایک مجرمانہ خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ فلسطین انسانیت کا ایک رستا ہوا زخم ہے جس کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

ایران میں قوم پرست ڈاکٹر مصدق کے خلاف آپریشن

اگست 2013 سی آئی اے کی خفیہ دستاویزات کو "ڈی کلاسیفائیڈ" سامنے آنے پر یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ امریکی اور برطانوی خفیہ ایجنسیوں نے اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل اور امریکی صدر آئزن ہاور کی منظوری سے ایران میں مصدق حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ ڈاکٹر مصدق کا برطانوی حکومت کے ساتھ جھگڑا "اینگلو پرشین آئل کمپنی" کو 2 مئی 1951 کو قومیا نے پر ہوا۔ 15 اگست 1953 کو وزیر اعظم مصدق کے خلاف فوجی بغاوت برپا کی گئی جسے مصدق کے عوامی کارکنوں نے ناکام بنا دیا۔ امریکی اور

برطانوی سرپرستی میں کام کرنے والا فوجی بغاوت کا سرغنہ جنرل فضل اللہ زاہدی بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ اس کے بعد یہی گروہ دوبارہ منظم ہو کر 19 اگست 1953 کو حملہ آور ہوا۔ اس دفعہ زیادہ فوجی تیاری اور مقامی ایجنٹوں کی مہیا کردہ بہتات افراد کی قوت کے ذریعہ یورش کی گئی۔ ڈاکٹر مصدق اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر مصدق کی جگہ جنرل فضل اللہ زاہدی کو ایران کا وزیر اعظم بنادیا گیا۔ یہ سیاہ کارنامہ امریکی سی آئی اے اور برطانوی خفیہ ایجنسی نے مل کر انجام دیا۔ اس آپریشن کا نام اے جیکس (AJAX) رکھا گیا۔ اس آپریشن کی منظوری برطانوی وزیر اعظم سر وینسٹن چرچل نے یکم جولائی 1953 اور امریکی صدر آیزن ہاور نے گیارہ جولائی 1953 کو دی۔

شاہ ایران محمد رضا پہلوی اور دیگر سب شاہ پرست طبقہ کو ساتھ ملا کر امریکی اور برطانوی خفیہ ایجنسیوں کی سرپرستی میں جنرل زاہدی نے مصدق حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کا تانا بانا تیار کیا۔ آپریشن کی نگرانی امریکی سفارتخانہ سے کی گئی۔ کرمت روز ویلٹ جونیر (سابقہ امریکی صدر تھیوڈور روز ویلٹ کا پوتا) اس پوری کارروائی کے دوران خفیہ طور پر ایران کے اندر موجود رہا۔ تہران اور کچھ دور دراز مقامات پر اسلحہ کے خفیہ ڈپو قائم کئے گئے۔ ساری کارروائی جنگی انداز سے کی گئی۔ قومیاں گئی تیل کمپنی ”اینگلو پرشین آئل کمپنی“ نے اس آپریشن کو کامیاب بنانے کیلئے بے پناہ رقم خرچ کی۔ بھاری رقومات دیکر پریس کو خرید لیا گیا اور مصدق کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا گیا۔ اسے ”ایران دشمن“، ”اسلام دشمن“ اور ”کیونسٹ ایجنٹ“ قرار دیکر اس کے خلاف گلیوں بازاروں میں ایک مصنوعی ہنگامہ برپا کیا گیا۔ ایک گھنٹہ کی سازش کے تحت اپنے ایکٹوں کے ذریعہ کیونسٹوں کا بہروپ دھار کر مساجد اور شیعہ امام بارگاہوں میں گندگی پھینکی گئی تاکہ مذہبی جذبات کو برا بھونٹا گیا جاسکے۔ گلیوں بازاروں کے اندر اپنے ایکٹوں کے ذریعہ ایران کی مذہبی قیادت کے خلاف نعرہ بازی کروائی گئی اور ”کیونسٹ زندہ باد“ کے نعرے لگائے گئے تاکہ مصدق کو کیونسٹ ثابت کر کے محام اور مذہبی قیادت کو مصدق کے خلاف صف آرا کیا جائے۔ ایران کا شاہی خاندان، ایران کے دو تہند طبقات، مذہبی قیادت، پریس، افسر شاہی اور فوجی جرنیلوں نے امریکی اور برطانوی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ مل کر یہ سیاہ کارنامہ انجام دیا۔ برطانوی اور امریکی حکومتوں نے سرمایہ فراہم کیا۔ امریکی سی آئی اے ڈائریکٹر ایلن ویلس نے اس پراجیکٹ کیلئے ایک ملن ڈالر الگ سے مختص کئے۔ اینگلو پرشین آئل کمپنی نے بھی دل کھول کر امداد کی۔ ایرانی عوام اور ایران کا جمہوری ڈھانچہ ہار گیا۔ سازشی جیت گئے۔ فوری طور پر امریکہ اور برطانوی کمپنیوں کی مرضی کے مطابق ان کی سابقہ مراعات ان کو واپس لوٹا دی گئیں۔

ڈاکٹر مصدق کو سزائے موت دی گئی جسے شاہ نے ملٹری جیل کے اندر تین سال قید تنہائی میں تبدیل کر

دیا۔ مصدق کے بہت سے قریبی ساتھیوں اور کئی درجن قوم پرست فوجی افسران (جنہوں نے مصدق حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف مزاحمت کی تھی) کو سزائے موت دی گئی۔ مصدق کے وزیر خارجہ حسین فاطمی (جس نے اینگلو ایرانیمن آئل کمپنی کو قومیا نے کی منصوبہ بندی کی تھی) کو بطور خاص فائر سکوڈ کے سامنے کھڑا کر کے شہید کر دیا گیا کیونکہ برطانوی آئل کمپنی کو قومیا نے کا مشورہ اس نے دیا تھا۔ کیٹنگر و عدالت سے سزائے موت سننے کے بعد مصدق نے سازشیوں کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا کہ:

"The verdict of this court has increased my historical glories. I am extremely grateful you convicted me. Truly tonight the Iranian nation understood the meaning of constitutionalism."

ترجمہ: "اس عدالت کے فیصلہ نے میرے تاریخی قد و قامت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سزا دینے پر میں آپ کا مشکور ہوں۔ آج کی رات ایرانی عوام پر آئین کی حکمرانی کا مطلب واضح ہو گیا ہے۔"

ڈاکٹر مصدق کو ان کی موت یعنی 5 مارچ 1967 تک اگلے گھر میں نظر بند رکھا گیا۔ عوامی رد عمل کے خوف سے اس کا جنازہ نہ ہونے دیا گیا اور اسے اسکی رہائش گاہ کے اندر ہی خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ شاہ ایران اور ایرانی اسٹبلشمنٹ ڈاکٹر مصدق کے تابوت سے بھی خوفزدہ تھی۔

جنرل زاہدی کی بغاوت پر عالمی تبصرہ

جنرل زاہدی ایک امریکی دلال تھا جس نے اپنا ضمیر بیچا اور ایرانی قوم کا سودا کیا۔ جب تک تاریخ زندہ ہے اس کے روئے سیاہ پر لعنت برسائی جاتی رہے گی۔ 4 جون 2009 کو امریکی صدر باراک اوباما نے مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ایران کے اندر امریکی مداخلت کے جرم کو کھلے عام تسلیم کیا اور آئندہ کیلئے اچھے تعلقات استوار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس نے کہا:

"The United States played a role in the overthrow of a democratically elected Iranian government. Rather than remain trapped in the past, I've made it clear to Iran's leaders and people that my country is prepared to move forward."

ترجمہ: "ریاستہائے متحدہ امریکہ نے ایران کی جمہوری طور پر منتخب شدہ حکومت کا تختہ الٹا۔ ماضی میں قید رہنے کی بجائے میں ایرانی قیادت اور عوام کے سامنے واضح کیا ہے کہ ہمارا ملک مستقبل میں اچھے تعلقات قائم کرنے کیلئے تیار ہے۔"

امریکی سینئر بے راک فیلر (Jay Rockefeller - D.WV) نے میں اپنی ایک تقریر میں مصدقِ قوم کا تختہ الٹنے کی امریکی کارروائی کو یوں یاد کیا:

"It was 53 years ago that the United States and the United Kingdom worked their way to overthrow the Prime Minister of Iran, Mossadegh. When you bring that up in a conversation these days, people say, "Who?" But that was 53 years ago. To understand Iran, you must understand that for Iranians, this event happened last night. It is of the moment. It defines us even for what we did so many years ago".

(Excerpt from a speech delivered at the 50th Anniversary Gala dinner of the Asia Society (available online).

ترجمہ: ”یہ آج سے تریپن سال پہلے کی بات ہے جب امریکہ اور برطانیہ نے ایران کے وزیرِ اعظم مصدق کا تختہ الٹنے کی کارروائی کی۔ مگر آپ آج بھی اس واقعہ کا تذکرہ کریں تو ایرانی عوام پوچھتے ہیں کہ امریکا کیا جواز تھا؟ ایرانیوں سے بات کر کے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی نظر ابھی یہ کل رات کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ جو کئی سال قبل ہوا تھا آج بھی ہماری شناخت بنا ہوا ہے۔“

ہندوچینی فوجی آپریشن

ہندوچینی علاقہ بحرِ اکاٹل کے اہم نکتہ پر واقع ہے۔ یہ شمال مشرقی ایشیا کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ علاقہ معدنیات، تیل اور گیس کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ معدنیات میں لوہا، سونا، چاندی، میزگانیز، باکسائٹ، کوئلہ، فاسفیٹ، کرومائیٹ، کاپر اور زنک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی سے ملحقہ بحرِ اکاٹل کے جنوبی سمندر (South Sea) کے اندر بے پناہ تیل اور گیس کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ امریکی انرجی انفارمیشن ایجنسی کے اندازہ کے مطابق ساؤتھ چائنا سمندر میں 190 ٹریلین کیوبک فٹ قدرتی گیس کے ذخائر اور 11 بلین بیرل تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق اس کے علاوہ بھی 160 ٹریلین کیوبک فٹ گیس اور 12 بلین بیرل تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہائڈروکاربن کے بھی بہت سے ذخائر متوقع ہیں۔

امریکہ دنیا کو اپنی چراگاہ سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پوری دنیا کے قدرتی وسائل اور دنیا کی منڈیوں پر قبضہ جمانا بھی اس کا استحقاق ہے۔ ہندوچینی کے اندر دو عشروں سے زیادہ عرصہ تک جاری رہنے والی امریکی

دہشت گردی تاریخ انسانی کا ایک کھلا باب ہے۔ نیپام بموں سے لیکر زہریلی گیسوں تک کو استعمال کیا گیا۔ انسانی ایذا رسانی اور برین واشنگ کے مجرمانہ افعال کا ارتکاب کیا گیا۔ اس سامراجی جنگ کا مقصد ان ممالک میں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنا تھا تا کہ اس علاقہ پر اس کی اجارہ داری قائم رہے اور سرمایہ دارانہ استحصال کا سلسلہ جاری رکھا جاسکے۔ ڈوگلس ویلنٹائن کی کتاب "The CIA as Organized Crime" میں سی۔ آئی۔ اے کے اذیت رسانی اور مائنڈ کنٹرول پروگرام میں تحریر کیا گیا ہے کہ ان گنت ویتنامیوں کو ایذا رسانی اور "مائنڈ کنٹرول" کے دردناک عمل سے گزارا گیا گویا کہ وہ انسان نہیں تھے۔ یہ امریکہ کا انسانی حقوق کا ریکارڈ ہے جو تاریخ کے سینے پر رقم ہے۔ ویتنام کے اندر دوسری جنگ عظیم سے زیادہ اسلحہ استعمال کیا گیا اور اس سے زیادہ بم مارے گئے۔ مغربی مفکر برٹریڈ رسل نے "ویتنام میں جنگی جرائم" کے نام سے ایک بین الاقوامی ٹریبونل تشکیل دیا۔ جس میں تحریر ہے:

"کھیتوں میں بکھری ہوئی لاشیں، بدھ مظاہرین کے کونکھ ہوئے بدن۔ یہ آج کا جنوبی ویتنام ہے۔" دو عشروں سے زائد تک جاری رہنے والی اس جنگ نے ویتنام کا سارا نظام زندگی برباد کر کے رکھ دیا۔ اس کا سارا انفراسٹرکچر تباہ ہو گا۔ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ لاکھوں گھر برباد ہو گئے۔ بیویوں سے ان کے شوہر اور والدین سے ان کے بچے چھن گئے۔ یہ سب کچھ عالمی سرمایہ داری کے محافظوں نے "امن" اور "جمہوریت" کے نام پر کیا۔

اس جنگ کے نتیجے میں بیس لاکھ سے زیادہ ویتنامی مارے گئے اور لاکھوں کی تعداد میں اپنا بیج بونگئے۔ امریکہ کے کیمیائی گیسوں کے حملوں کے نتیجے میں تیس لاکھ سے زائد ویتنامی مختلف مہلک بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ چالیس ہزار سے زیادہ ویتنامیوں کو جہازوں اور ہیلی کاپٹروں پر سے زندہ نیچے گرا کر مارا گیا۔ عالمی سرمایہ داری کے مفاد کیلئے شروع کی جانوالی اس جنگ کے نتیجے میں خود امریکی عوام نے بھی اس کی بھائی قیمت ادا کی۔ جنگ کے اندر نوے ہزار کے قریب امریکی فوجی مارے گئے۔ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ اپنا بیج بونگئے اور بہت سے لاپتہ پائے گئے۔ یہ عالمی سرمایہ داروں کے مفادات کیلئے شروع کی گئی امریکی سامراجی جنگ کا نتیجہ تھا۔ عالمی سرمایہ داری کی شروع کردہ اس جنگ کی قیمت ہندوچینی اور امریکہ کے عوام نے ادا کی۔

کانگو کے وزیر اعظم پیٹرس لومببا کا قتل

پیٹرس لومببا ڈیموکریٹک ریپبلک آف کانگو کا آزادی دہندہ اور ہر دلعزیز منتخب وزیر اعظم تھا۔ کانگو جون 1960 کو بلجیم سے آزاد ہوا اور محض سات ماہ بعد اس کے آزادی دہندہ اور منتخب وزیر اعظم کو قتل کر دیا گیا۔ پیٹرس لومببا چونکہ قوم پرست اور افریقی اتحاد کا حامی تھا اسلئے مغرب کی سرمایہ دار کمپنیاں اس سے خطرہ

موسوں سردی تھیں۔ ان کمپنیوں کو کانگو کی معدنیات پر اپنا قبضہ خطرہ میں نظر آ رہا تھا۔ امریکہ کانگو کے یورینیم کے ذخائر پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ پیٹرس لومبا کی موجودگی میں ان کی دال گنا مشکل تھی لہذا امریکی سی آئی اے نے اسکے خلاف سازشوں کے جال بنا شروع کر دیئے۔ اس کو زبردستی کی منصوبہ بندی کی گئی۔ اس کے خلاف باقاعدہ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت قبائلی بغاوت پیدا کی گئی۔ جب عوامی قوت کے ساتھ پیٹرس لومبا نے اس بغاوت کو کچل ڈالا تو امریکہ کی شبہ پر تحقیق نے وہاں اپنی فوجیں اتار دیں۔ مفاد پرست اوزیشیا اور فوجی جرنیلوں کو خرید لیا گیا۔ 14 ستمبر کو 1960 کو امریکی گماشتہ جنرل موبوتو اقتدار پر قابض ہو چکا تھا۔ پیٹرس لومبا کی منتخب حکومت کو برخاست کر دیا گیا۔ منتخب وزیر اعظم کو فوج نے گرفتار کر کے اس پر اور اس کے خاندان پر ہیمانہ تشدد کیا۔ اس کی بیوی اور میڈیا کے نمائندوں کی موجودگی میں پیٹرس لومبا کو تھپڑ مارے گئے۔ بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹا گیا اور مارا پینا گیا۔

قید کے دوران جنرل موبوتو اور بلجیم کے فوجی افسروں نے افریقہ کے اس بطل جلیل پر بے پناہ جسمانی تشدد کیا۔ 17 جنوری 1961 کو کانگو کے اس پچیس سالہ نوجوان انقلابی رہنما کو فائر سکوڈ کے سامنے کھڑا کر کے قتل کر دیا گیا۔ فوجی جنتا نے پہلے تو اسکی لاش کی بے حرمتی کی اور بعد ازیں اس کی لاش کو تیزاب کے اندر جلا دیا۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں کی زبانوں کو تالے لگ گئے اور کسی طرف سے کوئی احتجاج سامنے نہ آیا۔

یہ جانور نما شخص موبوتو تقریباً سینتیس سال تک اس ملک پر حکومت کرتا رہا۔ اس طویل عرصہ میں اس نے فوج کی مدد سے ملک پر شخصی آمریت قائم کئے رکھی اور اپنے عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اربوں کے ناب سے ملکی دولت لوٹی۔ آخر کار ایک بڑی عوامی بغاوت کے نتیجہ میں خوفزدہ ہو کر مئی 1997 میں ملک سے فرار ہو کر مراکش چلا گیا اور وہیں 24 ستمبر 1997 کو جلا وطنی کی حالت میں دنیا سے کوچ کر گیا۔

کیوبا سے لیکر گھانا تک، ہٹی سے لیکر سوڈان تک، الجزائر سے لیکر تیونس تک اور کانگو سے لیکر لیبیا تک ہر جگہ امریکہ اور عالمی ساہوکاروں کی درندگی کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے مقامی کٹھ پتلیوں اور فوجی جرنیلوں کے ساتھ ملکر پیٹرس لومبا اور اس کے خاندان کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا انسانی غیر ان پر کانپ اٹھتا ہے۔ اب اگر افریقہ سیاسی طور پر اہل رہا ہے اور اس کے اندر سے مسلح انقلاب کی ہوائیں بلند ہو رہی ہیں تو کیا اسے دہشت گردی کہا جائے گا؟

پیٹرس لومبا مذہبی طور پر ایک عیسائی تھا اور کمیونسٹ نہیں تھا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے مسائل کو عالمی قزاقوں کے قبضہ سے واگزار کروانا چاہتا تھا۔ پیٹرس لومبا کا آخری خط جو اس نے اپنی

بیوی کے نام لکھا گیا ملاحظہ فرمایا جائے:

"Dead or alive, free or in prison by order of the imperialists, it is not I myself who count. It is the Congo, it is our poor people for whom independence has been transformed into a cage from beyond whose confines the outside world looks on us, sometimes with kindly sympathy but at other times with joy and pleasure.

As to my children whom I leave and whom I may never see again, I should like them to be told that it is for them, as it is for every Congolese, to accomplish the sacred task of reconstructing our independence and our sovereignty. For without dignity there is no liberty, without justice there is no dignity, and without independence there are no free men. Neither brutality nor cruelty nor torture will ever bring me to ask for mercy, for I prefer to die with my head unbowed, my faith unshakeable and with profound trust in the destiny of my country, rather than live under subjection and disregarding sacred principles.

History will one day have its say, but it will not be the history that is taught in Brussels, Paris, Washington or in the United Nations. But the history which will be taught in the countries freed from imperialism and its puppets".

ترجمہ: ”مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں زندہ رہوں یا مارا جاؤں۔ میں آزاد رہوں یا سامراج کی جیل میں پابند سلاسل رہوں۔ یہ مسئلہ صرف میری ذات کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کانگوئے غریب عوام کا مسئلہ ہے۔ ہماری آزادی کو ایک قفس میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ عوام کو ایک پنجرے کے اندر بند کر کے آزادی دی گئی ہے۔ دنیا اس پنجرے کی بیرونی سمت سے ہمارے حالات کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ یہ مشاہدہ بعض اوقات ہمارے ساتھ ہمدردی کی غرض سے کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ہمارا تماشا دیکھنے کیلئے کیا جاتا ہے۔“

”جہاں تک میرے بچوں کا تعلق ہے جنہیں میں چھوڑے جا رہا ہوں اور انہیں دوبارہ کبھی نہ مل پائیں

مکھ میں اگوتا چاہتا ہوں کہ میں ان کیلئے اور کانگو کے ہر باشندہ کی خاطر کانگو کی تعمیر نو، آزادی اور اقتدار اعلیٰ کی مقدس جدوجہد کیلئے اپنی جان قربان کر رہا ہوں۔ قومی وقار کے بغیر کوئی آزادی نہیں ہے۔ انصاف کے بغیر کوئی قومی وقار نہیں ہے اور قومی آزادی کے بغیر کوئی فرد آزاد نہیں ہے۔ شقاوت، ظلم اور تشدد کے باوجود میں کبھی رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں موت کو سر جھکانے پر ترجیح دوں گا۔ مجھے اپنے ملک کے مستقبل پر ناقابل شکست یقین ہے۔“

”میں غلامی اور ذلت کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتا ہوں۔ تاریخ ایک دن اپنا فیصلہ صادر کرے گی۔ لیکن یہ وہ جھوٹی تاریخ نہیں ہوگی جو برسلز، پیئرس اور واشنگٹن میں پڑھائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ وہ تاریخ ہوگی جو ان ممالک میں پڑھائی جائیگی جو سامراجی تسلط اور کٹھ پتلی حکومتوں کے اثر سے آزاد ہونگے۔“

امریکی سینٹ کی انکوائری کمیٹی کے سامنے کانگو کے اندر امریکی مداخلت ثابت شدہ ہے۔ اس کے علاوہ ڈی کلاسیفائیڈ دستاویزات سے بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ پیئرس لومبا کے قتل کا حکم براہ راست امریکی صدر آئزن ہاور نے ہی آئی آر کے ڈائریکٹر ایلن ڈیلز کو ان الفاظ میں دیا تھا:

“Lumumba should be eliminated”.

پیئرس لومبا کے ایک دوست، ساتھی تھامس کانزانے پیئرس لومبا کی سیاست اور شخصیت کے بارے میں تاریخ ساز ریمارکس یوں دیئے:

“Despite his brief political career and tragic death—or perhaps because of them—Lumumba entered history through the front door. He became both a flag and a symbol. He lived as a free man, and an independent thinker. Everything he wrote, said and did was the product of someone who knew his vocation to be that of a liberator, and he represents for the Congo what Castro does for Cuba, Nasser for Egypt, Nkrumah for Ghana, Mao Tse-tung for China, and Lenin for Russia”.

ترجمہ: ”پیئرس لومبا کا سیاسی کیریئر مختصر اور المناک تھا مگر وہ تاریخ کے اندر سامنے والے دروازہ سے داخل ہوا۔ وہ افریقی وقار کا علمبردار اور مزاحمت کی علامت تھا۔ وہ ایک آزاد فرد کی طرح زندہ رہا اور ایک آزاد منش مفکر کی طرح جیا۔ اس نے زندگی میں جو کچھ لکھا، کہا اور کیا وہ سب ایک حریت پسند کا اثاثہ ہے۔ وہ کانگو کیلئے وہی کچھ تھا جو کاسٹرو کیوبا کیلئے، ناصر مصر کیلئے، نکرومہ گھانا کیلئے، ماؤزے تنگ چین کیلئے اور لینن

روس کیلئے تھا۔“

پیٹرس لومبا کو جس توہین آمیز اور پر تشدد طریقہ سے قتل کیا گیا اس کیلئے بلجیم کی ریاست، امریکی سی آئی اے اور انکے مقامی گماشتوں کو ہمیشہ ذمہ دار گردانا جاتا رہا۔ پیٹرس لومبا افریقہ کا عظیم بیٹا تھا اس کا خون تاریخ کا قرض ہے جو ان تمام مجرموں کی طرف بقایا ہے جنہوں نے پیٹرس لومبا کے قتل اور توہین میں حصہ لیا۔ پیٹرس لومبا کا قتل افریقی تاریخ کا قتل تھا جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ سامراجی جرم کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

پیٹرس لومبا قتل ہو گیا مگر انقلاب اور انتقام کی وراثت چھوڑ گیا۔ وہ مستقبل کے افریقی انقلاب کا نقیب اور وارث ہے۔ پیٹرس لومبا کو جسمانی طور پر ختم کر دیا گیا مگر اس کے نظریات ایک ”عظیم خواب“ بن کر افریقی انقلاب کی بنیاد بن گئے۔ بقول شاعر:

خواب مرتے نہیں، خواب مرتے نہیں
خواب تو حرف ہیں، خواب تو نور ہیں
خواب سقراط ہیں، خواب منصور ہیں
جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں
ظلم کے دوزخوں سے بھی پھکتے نہیں
روشنی اور نوا اور ہوا کے علم
مقتولوں میں پہنچ کر بھی جھکتے نہیں

کیوبا کے خلاف جنگی آپریشن (Operation Bay of Pigs)

کیم جنوری 1959 کو فیڈل کاسٹرو نے امریکہ کے حمایت یافتہ جنرل Fulgencio Batista کے خلاف گوریلا کارروائی کرتے ہوئے کیوبا کے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں پر عوامی حکومت قائم کر لی۔ اس پر امریکی سی آئی اے نے فیڈل کاسٹرو کی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے کیوبا کے خلاف مسلح شب خون مارنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلہ میں دستیاب اعداد و شمار کے مطابق کیوبا سے بھاگ کر آنے والے تقریباً 1700 افراد کا ایک فوجی سکواڈ تیار کیا گیا۔ اسے باقاعدہ جنگ کی تربیت دی گئی اور اس مسلح دستہ کا نام 2506 بریگیڈ رکھا گیا۔ 15 اپریل 1961 کو سی آئی اے کی سرپرستی میں اس بریگیڈ نے اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔ ان کی مدد کیلئے تین امریکی ساختہ جنگی جہازوں (جن کو جلا وطن کیوبائی پائلٹ چلا رہے تھے) نے کیوبا کے ہوائی اڈوں پر حملے کئے۔ کیوبا کے جنوب مغربی ساحل پر 1700 سو کے قریب مسلح تارکین وطن پر مشتمل مسلح بریگیڈ

اتارا گیا۔ کیوبا کی جانب سے فیڈل کاسٹرو نے خود اپنی مسلح افواج کی قیادت کی۔ تین دن کی مسلح لڑائی کے بعد فیڈل کاسٹرو کی فوج نے حملہ آوروں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں 118 سے زائد افراد مارے گئے۔ 360 زخمی ہو گئے اور 1202 کو گرفتار کر کے قیدی بنالیا گیا۔ باقی یا تو لاپتہ ہو گئے یا پھر فرار ہو گئے۔ فیڈل کاسٹرو کی حکومت نے گرفتار افراد کے بدلے امریکہ سے 53 ملین ڈالر جرمانہ کی رقم بشکل خوراک اور ادویات وصول کی گئی۔ گرفتار افراد کو کئی سال تک کیوبا کی جیلوں کی ہوا کھانی پڑی تب کہیں جا کر انہیں بمشکل رہائی مل سکی۔

سوئیکارنو کے خلاف آپریشن

سوئیکارنو انڈونیشیا کا آزادی دہندہ تھا۔ اس نے اپنے ملک کے اندر معیشت کا ترقی پسند سامراج مخالف ماڈل اپنانے کی کوشش کی۔ امریکہ کو یہ بات قابل قبول نہیں تھی۔ 1967 میں سی آئی اے نے جنرل سوہارتو کے ساتھ ساز باز کر کے انڈونیشیا کے نجات دہندہ سوئیکارنو کا تختہ الٹ دیا۔ سوئیکارنو انڈونیشیا میں معیشت کا چینی طرز کا سوشلسٹ ماڈل نافذ کرنا چاہتا تھا جو عالمی سرمایہ داری کیلئے قابل قبول نہ تھا۔ سی آئی اے کافی عرصہ سے سوئیکارنو سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اب جنرل سوہارتو کے ذریعہ اس نے کامیابی حاصل کر لی۔ سوہارتو نے پانچ سے دس لاکھ تک افراد مارے ڈالے۔ سوئیکارنو کو اس کی موت تک اسکے گھر میں نظر بند رکھا گیا۔

صدر چلی آلیانڈے کے خلاف آپریشن

افریقہ کے اندر امریکی سی آئی اے نے عالمی قانون اور اخلاقیات کی تمام دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ پہلے تو امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے 1970 کے الیکشن میں کھلے عام ”آلیانڈے“ کی مخالفت کی مگر جب اس تمام امریکی مخالفت کے باوجود آلیانڈے الیکشن جیت کر چلی کا صدر بن گیا تو اس کے خلاف فوج اور عوام کے اندر زہریلا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ اس مقصد کیلئے امریکی کمپنیوں اور میڈیا نے بھرپور کردار ادا کیا۔ امریکہ کا آلیانڈے کے ساتھ جھگڑا امریکی کمپنیوں کی نیشنلائزیشن پر شروع ہوا۔ آلیانڈے حکومت نے چلی کی کارپوریٹ صنعت کو نیشنلائز کر لیا اور امریکی کمپنیوں ”Kennecott“ اور ”Anaconda“ کو کارپوریٹ صنعت سے فارغ کر دیا۔ ان کو معاہدہ کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا اور ان سے 574 ملین ڈالر جرمانہ کی وصولی کا بھی اعلان کیا۔ اسی کے ساتھ آلیانڈے نے چلی کی ٹیلیفون انڈسٹری کو بھی نیشنلائز کر لیا۔ اس میں امریکی کمپنی ”International Telephone & Telegraph (ITT)“ کے ستر فیصد شیئرز تھے۔

اس کے علاوہ آلیانڈے حکومت نے پہلے تو امریکی کمپنی ”یونائیٹڈ انٹرنیشنل پریس“ کو بند کر دیا اور بعد ازیں انتہائی سخت شرائط کے تحت بحال کیا۔ ان تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں اور امریکی حکومت نے ایک مشترکہ اتحاد کے تحت آلیانڈے حکومت کا تنہا لٹنے کی سازش تیار کی۔

اس مقصد کیلئے آلیانڈے حکومت کی کردار کشی کیلئے مقامی میڈیا یا یجنسز کو خرید لیا گیا۔ بین الاقوامی میڈیا میں صدر آلیانڈے کے خلاف زہرا لگا گیا۔ چلی کی معاشی ناکہ بندی کی گئی کہ عوام تنگ آکر آلیانڈے کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ مفاد پرست طبقات اور دیگر پریشر گروپس کو خرید لیا گیا۔ امریکہ نواز سیاستدانوں اور میڈیا کو استعمال کیا گیا۔ ہڑتالیں اور نالہ بندی شروع کروائی گئی۔ مسلح افواج کو اکسایا گیا۔ غرض ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کیا گیا۔ امریکی حکومت چلی کے داخلی معاملات میں مداخلت کے بارے میں اس حد تک آگے چلی گئی کہ 30 نومبر 1971 کو وائٹ ہاؤس کے ڈائریکٹر ہربرٹ جی کلین نے چند افریقی ممالک کا دورہ کرنے کے بعد برملا اعلان کیا کہ ”چلی کی حکومت اب زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکے گی۔“ چلی کے دفتر خارجہ نے اس بیرونی مداخلت کے خلاف باقاعدہ احتجاج کیا مگر حسب دستور عالمی رائے عامہ خاموش رہی۔

آلیانڈے حکومت کے خلاف ایک پیرالمٹری فورس نے ایک کرنل کی سرکردگی میں 29 جون 1973 کو آلیانڈے کے خلاف بغاوت کی کوشش کی اور اپنی ٹینک رجمنٹ کے ساتھ آلیانڈے کے محل کو محاصرہ میں لے لیا لیکن فوج کے ایک قوم پرست دھڑے اور آلیانڈے کے حامی عوام نے اس فوجی بغاوت کو کچل دیا۔ پھر دوسری 11 ستمبر 1973 کو زیادہ منظم تیاری کے ساتھ فوجی بغاوت کروائی گئی جس میں صدر آلیانڈے کے محل کو مسلح افواج نے گھیرے میں لے لیا۔ آلیانڈے نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا۔ صدر آلیانڈے کو ملک چھوڑنے کی پیشکش کی گئی مگر اس نے یہ پیشکش یہ کہ کر ٹھکرا دیا کہ: ”چلی کا صدر راہ فرار اختیار نہیں کریگا۔“

صدارتی محل پر چلی کی فضائی افواج نے بمباری کی۔ پیادہ فوج نے براہ راست حملہ کیا۔ آلیانڈے نے آخر دم تک مقابلہ کرنے کی راہ اپنائی اور چلی کے عوام سے خطاب کیا۔ آلیانڈے کے آخری الفاظ تاریخ میں اس طرح رقم ہوئے:

”These are my last words, and I am certain that my sacrifice will not be

in vain. I am certain that, at the very least, it will be a moral lesson that will

punish felony, cowardice and treason“

ترجمہ: ”یہ میرے آخری الفاظ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری قربانی رائیگاں نہیں جائیگی۔ مجھے یقین ہے کہ اخلاقی اصول اس بجرمانہ فعل، بزدلی اور بغاوت پر غالب آئیں گے۔“
اس نے مزید کہا:

”Workers of my country, I have faith in Chile and its destiny. Other men will overcome this dark and bitter moment when treason seeks to prevail. Keep in mind that, much sooner than later, the great avenues will again be opened through which will pass free men to construct a better society. Long live Chile!”

ترجمہ: ”میرے ملک کے محنت کش عوام! مجھے چلی اور اسکے مستقبل پر یقین ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری جگہ دوسرے لوگ آئیں گے جو بغاوت اور تلخی کے ان تاریک لمحات کو شکست دیں گے۔ یقین رکھئے کہ جلد یا بدیر وہ لمحہ ضرور آئے گا جب آزادی دوبارہ چلی کے دروازہ پر دستک دیگی اور چلی کے حریت پسند بیٹے چلی کے اندر ایک نئے مستقبل کا آغاز کرتے ہوئے اس معاشرہ کی از سر نو تشکیل کریں گے۔ چلی سدا آباد رہنا!“
اسی کے ساتھ چلی کی مسلح افواج کی گولیاں صدر آلیانڈے کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور چلی کا یہ جوانرود بیٹا چلی پر قربان ہو گیا۔ امریکی سازش کامیاب ہو گئی۔ مسلح افواج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ نئے حکمران جنرل General Augusto Pinochet نے ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی قومیاں گئی صنعتیں انہیں واپس لوٹادی گئیں۔ چلی ایک مرتبہ پھر سے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور امریکی دلالوں کے قبضہ میں چلا ہو گیا۔

خود ساختہ اسلامی دہشت گردی

عرب بہار کے نام پر افریقہ اور عرب ممالک کے اندر ”عرب بہار“ کے نام پر جو ڈرامہ رچایا گیا جو جمہوریت کیلئے نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کو غیر محکم کر کے ان کی معدنی اور تیل کی دولت لوٹنے کیلئے تھا۔ میڈیا پر پروپیگنڈا کیلئے مغرب کے ذرائع ابلاغ کے ساتھ قطر کے الجزیرہ نیٹ ورک کا بھی بھرپور استعمال کیا گیا۔ الجزیرہ ٹیلیوژن نے خطرناک افراتفری اور خانہ جنگی کے اس ماحول کو جمہوری قوتوں کی فتح قرار دیکر دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ کام غیر ملکی اعانت اور فنڈز کے بے محابا استعمال کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ اس کیلئے بڑے بھاری فنڈز درکار تھے جو اس پراجیکٹ کے بین الاقوامی سرپرستوں نے فراہم کئے۔ یہ کئی بلین ڈالرز کا ”منصوبہ بند“ پراجیکٹ تھا۔ مقامی مافیاء گروہوں سے لیکر میڈیا اور انٹرنیٹ کی وسیع پیمانے پر خریداری، این جی اوز کا استعمال اور پیشہ ور تنظیموں کے بھرپور تعاون کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا۔

سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تنظیموں کے باہمی گٹھ جوڑ اور رابطوں سے یہ سیاہ کارنامہ انجام دیا گیا۔ مقامی لوگوں کے روپ میں غیر ملکی تربیت یافتہ گوریلوں اور جدید ترین اسلحہ کا استعمال اس ”عرب بہار“ کے بنیادی خصائص تھے۔ یہ افراتفری اور خانہ جنگی باہر سے برآمد کی گئی تھی۔ اس مقصد کیلئے خطہ میں موجود بہت سی اسلامی تنظیموں اور علاقائی طاقتوں کو استعمال کیا گیا۔ یہ کام سوائے بین الاقوامی کھلاڑیوں کے ممکن نہ تھا۔ سامراجی فیکٹری کے اندر یہ کوئی خود رو تحریک نہیں تھی بلکہ یہ ایک بین الاقوامی پراجیکٹ تھا جسے بین الاقوامی جنگی ماہرین نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ”مینیو فیکچر“ کیا تھا۔

سرد جنگ کے زمانہ میں امریکہ اپنی ریاستی پالیسی کے تحت اسلامی ممالک کے اندر عوام کے اندر اور مقامی ریاستوں پر دباؤ ڈالنے کیلئے مذہبی جماعتوں کی سرپرستی کرتا رہا۔ ڈاکٹر مصدق کا تختہ الٹنے کیلئے اس نے ایران کی مذہبی قیادت کو استعمال کیا۔ مصر کے اندر اخوان المسلمین کو ناصر کے خلاف استعمال کیا۔ تمام اسلامی ممالک کے اندر ”سینٹس کیو“ کی قوتوں اور سامراجی نظام کو برقرار رکھنے کیلئے مذہبی جماعتوں کی در پردہ امداد کی گئی۔ پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو اور انڈونیشیا میں سوہارٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے مذہبی جماعتوں کو فنڈنگ کی گئی جو مستند ریکارڈ سے ثابت شدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ روس کے خلاف لڑیں تو مجاہدین اور اگر امریکہ کے خلاف لڑیں تو دہشت گرد؟ یہ کیا دو برا معیار ہے؟ اگر شام، عراق اور لیبیا کی حکومتوں اور معاشروں کے خلاف لڑیں تو کھلی قبول اور اگر امریکہ اور اسرائیل کے خلاف لڑیں تو دہشت گرد۔ یہ کیا اخلاقی دیوالیہ پن اور بوالعجبی ہے؟

افغانستان کے اندر سویت روس کے روکنے کیلئے دنیا بھر میں اسلامی عسکریت پسندوں کو جمع کیا گیا۔ دنیا کے ہر کونے سے لڑائی کیلئے مذہبی رضا کار بھر بھر کر لائے گئے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا عسکری پراجیکٹ تھا جسے نان سٹیٹ کھلاڑیوں کی مدد سے لڑا گیا۔ یہ عالمی سطح کا پراجیکٹ تھا جس میں سوویت یونین کی سپر پاور کو شکست دینا مقصود تھا۔ اس مقصد کیلئے اسلحہ کی ایک بڑی سپلائی لائن قائم کی گئی اور ہزار باندہ بھی انتہا پسندوں کی اعلیٰ درجہ کی جنگی تربیت دی گئی۔ جو کلاشکوف رائفل سے لیکر ٹینک ٹرک اور طیارہ شکن میزائل اور مارٹر توپوں تک کے استعمال کے ماہر تھے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ ایک نڈر اور تربیت یافتہ نظریاتی قوت ہے جو کسی بھی قسم کے سامراجی عزائم رکھنے والی طاقت سے پیچھے آنا ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

افغانستان پر امریکی حملہ

افغانستان کے اندر طالبان کی حکومت کے خلاف اس وقت جنگ شروع کی گئی جب انہوں نے افغانستان سے تیل کی پائپ لائن گزارنے کے عوض بھاری مطالبات کئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا افغانستان پر

ہندو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کی وجہ سے کیا گیا؟ نیویارک کے اندر دو جڑواں ٹاور تباہ کرنے سے کیا امریکہ تباہ ہو گیا تھا؟ امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر تباہ ہونے کے نتیجہ میں اس سنٹر سے ملحقہ وال سٹریٹ شاک ایکسچینج صرف چار ان بند رہی۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی سے متعلقہ حقائق کچھ اور بیان کرتے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی تو محض ایک بہانہ تھی۔ خود امریکہ کے لوگ اس کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ محض افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک کے خلاف لشکر کشی کیلئے امریکہ اور دنیا کے عوام کو ایک جواز فراہم کرنے کیلئے ”منصوبہ بندی“ کے تحت رچایا گیا ایک ڈرامہ تھا وگرنہ افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی بہت پہلے سے کی جا چکی تھی۔ اسی طرح شام اور لیبیا کے اندر خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کی تیاری تقریباً ایک عشرہ قبل سے جاری تھی۔

معروضی حقائق کچھ اس طرح ہیں اس طرح ہیں کہ سوویت روس کے ٹکڑے ہونے کے بعد وسطی ایشیا کے اندر تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنے کیلئے امریکہ تیل کمپنیوں کی رال منگنے لگی۔ اس سلسلہ میں نمائندہ کردار تیل کمپنی ”یونی کال“ نے ادا کیا اور طالبان قیادت سے مذاکرات کا آغاز کیا۔ طالبان کے ایک اعلیٰ سطحی وفد کو امریکہ مدعو کیا گیا۔ وہ سنٹرل ایشیا کے تیل اور گیس تک پہنچنے کیلئے افغانستان سے بحیرہ عرب تک ایک محفوظ راستہ چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ افغانستان کے اندر موجود قیمتی معدنیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ وہ یہ سب کچھ کوڑیوں کے بھاء حاصل کرنا چاہتے تھے جو کہ طالبان نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس تیل کمپنیوں کے مفادات کی نگہبان امریکہ بہادر نے افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت بھی ایک غیر جانبدارانہ رائے یہ ہے کہ امریکی اور عالمی عوام کو قائل کرنے کیلئے امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دھماکہ کا ڈرامہ رچایا گیا اور اس طرح افغانستان پر حملہ کرنے کا اخلاقی جواز پیدا کیا گیا۔ اگر طالبان ”یونی کال کمپنی“ کی شرط پر افغانستان سے محفوظ راستہ دینے پر تیار ہو جاتے تو غالب امکان ہے کہ نہ تو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا دھماکہ ہوتا تھا اور نہ ہی افغانستان پر حملہ ہوتا تھا۔

ایک دوسری ماہر اندہ رائے یہ ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکے سی آئی اے اور موساد نے اپنے خفیہ آپریشنز کے ذریعہ کروائے اور 9/11 کا سانحہ کروایا وگرنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ اتنی بڑی ریاستی مشینری کی موجودگی میں القاعدہ کے چند افراد آ کر اتنی بڑی کارروائی کر جاتے۔ اسلحہ کے بین الاقوامی فراز تک ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کئی سو منزلہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر محض دو تین ہوائی جہاز گرانے سے زمین بوس نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس کیلئے سنٹر کی زمینی سطح پر بھاری بارود کا نصب کیا جانا ضروری تھا۔ اسامہ بن لادن کے خلاف آج تک ایک بھی شہادت موجود نہیں ہے۔ اسی بہانے افغانستان کے اندر ہزار ہائے گناہ انسانوں کا قتل عام کر دیا گیا

ہے۔ گزشتہ انیس سال سے افغانستان کے اندر قتل و غارتگری کا یہ کھیل جاری ہے۔ کیا یہ بھی اسلامی دہشت گردی ہے؟

عراق پر حملہ

امریکہ نے 19/20 مارچ 2003 کو 460,000 فوج کے ساتھ عراق پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں اسے 2000 آسٹریلیا اور کچھ فوج پولینڈ، سپین، پرتگال اور ڈنمارک کی شامل تھی۔ عراق پر اس حملہ کا نام ”خوف اور دہشت“ (Shock and Awe) رکھا گیا۔ جنگ کے پہلے پانچ ہفتوں میں امریکی فوج نے 29,200 بم اور میزائل استعمال کئے۔ دس لاکھ سے زیادہ افراد قتل کر دیئے گئے۔ کئی ملین لوگوں کے گھریلو مال و اسباب تباہ کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ عراقی عوام کو صدام حسین کے ظلم سے نجات دلانے کے نام پر کیا گیا۔ لانسٹ جرنل (Lancet Journal) 2006 میں شائع ہونے والے ایک اندازہ کے مطابق اس وقت تک عراق میں 654,965 افراد مارے جا چکے تھے جس میں سے 601,027 جنگی تشدد کے نتیجے میں مارے گئے تھے۔ جنگ آج بھی جاری ہے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اب تک کتنے اور لوگ مارے جا چکے ہیں اور کتنے بے گھر ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایجنسی UNCHR کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق عراق میں سات لاکھ چالیس ہزار کے قریب بیوہ عورتیں ہیں۔ 4.5 ملین یتیم بچے ہیں جن میں سے چھ لاکھ کے قریب سڑکوں پر سوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا قتل عام ہے جو انصاف اور آزادی کے نام پر کیا گیا۔ انسانی تاریخ کا یہ ناقابل معافی جرم صرف یہودی ریاست اسرائیل کو توسیع اور عراق کے تیل پر قبضہ کرنے کیلئے کیا گیا۔ یہ جرم امریکی ریاست اور فوج نے عالمی سرمایہ داری اور صیہونی ریاست کی خوشنودی کیلئے کیا گیا۔

یہ ایک ایسے ملک پر بمباری تھی جسکی کل آبادی تیس ملین تھی۔ اور اس میں سے سات ملین لوگ یعنی ایک چوتھائی کے قریب آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی تھی۔ جنگ میں دس لاکھ سے زائد لوگ مارے گئے۔ امریکی صدر مقام واشنگٹن ڈسٹرکٹ آف کولمبیا کی کل آبادی چھ لاکھ ہے۔ ایک ملین افراد کا قتل ایسے ہی ہے جیسے کہ امریکی صدر مقام واشنگٹن کی ساری آبادی کو قتل کر دیا جائے اور اس کے علاوہ بھی ملحقہ علاقوں جیسے میری لینڈ اور ورجینیا کی چار لاکھ آبادی کو بھی قتل کر دیا جائے۔ عراق کا پورا تعلیمی، صحت اور شہری سہولیات کا نظام تباہ کر دیا گیا۔ عراق کو تباہ کر کے مٹی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔

امریکہ کے سابق وزیر دفاع کولن پاول نے امریکی جرم کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ کسی دوسرے ملک پر حملہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ تم کسی دوسرے کے مٹی کے بنے برتنوں کو طاقت کیساتھ توڑ ڈالو۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو پھر تمہیں اس کی ذمہ داری بھی قبول کرنی چاہیے۔ اس کے اپنے الفاظ میں:

"If you break it, you own it." The sad fact is that we broke Iraq and may be breaking Afghanistan, but we don't "own it." We scarcely recall that we ever had anything to do with it. As the U.S. withdraws from Iraq, the season of forgetting is upon us"

ترجمہ: ”اگر تم کسی کے گھر کے مٹی کے بنے برتن توڑتے ہو تو اس کی ذمہ داری بھی قبول کرو۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم نے عراق اور افغانستان کے اندر سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا مگر ہم اس کی ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم اس بات کو کبھی بھی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے کہ یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے۔ یونہی ہم عراق سے باہر نکلیں گے ہم ہر چیز کو بھول جائیں گے۔“

افغانستان

افغانستان بظاہر سمندر سے کٹا ہوا ایک بے آب و گیاہ پہاڑی علاقہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وسطی ایشیا اور بحر ہند کے درمیان ایک پل کا کام دیتا ہے۔ یہ ملک بدھ مت کے پیر و کاروں کیلئے دنیا کا سب سے بڑا آرکیالوجیکل سیاحتی مقام ہے۔ اس اعتبار سے اسے دنیا کے بہت بڑے سیاحتی مقام میں تبدیل کرنے کے مواقع بھی موجود ہیں۔ یہ دنیا کا وہ سنگلاخ ترین علاقہ ہے یہاں سے عالمی تاریخ جنم لیتی ہے۔ یہ دنیا کے عظیم جنگجوؤں کا علاقہ ہے جنہیں عالمی سامراج اور اس کی فوجیں آج تک سرنگوں نہیں کر سکیں۔ زمانہ قبل از تاریخ سے لیکر آج تک کوئی بڑے سے بڑا جنگجو اسے فتح نہیں کر سکا۔ یہاں سے اٹھنے والی عسکری لہروں نے ان گنت مرتبہ ہندوستان کی تاریخ کو جھٹکے دئے ہیں۔ یہ شہاب الدین غوری اور محمود غزنوی کا دیس ہے۔ سکندر اعظم، ظہیر الدین بابر اور تیمور جیسے فاتحین کو بھی افغانوں سے کچھوٹہ کر کے گزرنہ پڑا ہے۔ تاریخی طور پر درہ خیبر سے لیکر دریائے آمو تک یہ ایک ہی علاقہ ہے۔ یہ تاریخ کی جنم بھومی اور عالمی جغرافیہ کا سنگ بنیاد ہے۔ افغانستان دنیا کی تاریخ کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسلئے یہ اہم ہے۔ بقول شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال:

آسیا یک پیکر آب و گل است

ملت افغان آں پیکر دل است

در کشاد او کشاد آسیا

در فساد او فساد آسیا

ترجمہ: ”ایشیاء ایک جسم کی مانند ہے اور افغان قوم اس کے اندر دل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر افغانستان کے اندر امن ہے تو ایشیاء بھی پر امن ہے اور اگر افغانستان کے اندر فساد برپا ہے تو پورے ایشیاء

کے اندر فساد برپا ہو جائیگا۔“

افغانستان کی سرزمین معدنیات کا سمندر ہے۔ یہاں دنیا کی نایاب ترین معدنیات پائی جاتی ہیں۔ ”دی انڈیپنڈنٹ“ کی 14 جون 2010 کی اشاعت (دوبارہ 7 مئی 2017 کو اشاعت) کے مطابق ہیناگان اور امریکی جیالوجیکل سروے کے مطابق افغانستان کے اندر 3 ٹریلین کی معدنیات موجود ہیں۔ اس میں مزید لکھا گیا ہے کہ:

"Afghanistan's resources could make it the richest mining region on earth however due to the war lasting over 30 years their mining has failed".

(The Independent. 14 June 2010. Retrieved 7 May 2017)

ترجمہ: ”افغانستان اپنے معدنی ذرائع کے حوالہ سے روئے زمین کا سب سے امیر ترین خطہ ہے مگر تیس سالہ جنگ کی وجہ سے ان کی معدنیات میں پیشرفت نہیں ہو سکی۔“

لیتھیم دنیا کی قیمتی ترین دھات ہے جو کہ موبائل فون، لیپ ٹاپ اور الیکٹرونک کار وغیرہ کی مینوفیکچرنگ میں ایک بنیادی دھات ہے۔ یہ افغانستان کے صوبہ ہرات، نمرود، غزنی بدخشاں، بنگر ہار، نورستان اور اورگزان میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ایٹمی ٹیکنالوجی میں استعمال ہونے والی قیمتی دھات یورینیم صوبہ ہیلمند میں پائی جاتی ہے۔ افغانستان کے اندر 1400 سو مختلف مقامات پر معدنیات پائی جاتی ہیں۔ جن میں سونا، کاپر، کوبالٹ، یورینیم، لیتھیم، قیمتی پتھر، کوند، لوہا، قدرتی گیس، تیل، نمک، سلفر، زنک اور ماربل جیسی قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں جو اسے دنیا کا معدنیات کے اعتبار سے امیر ترین خطہ بناتی ہیں۔ افغانستان کے بہت سے صوبوں مثلاً ہرات، فرج، کپسیا، قندھار، زابل وغیرہ کے اندر کاپر کے وسیع و عریض ذخائر پائے جاتے ہیں۔ 2007 میں امریکی جیالوجیکل سروے رپورٹ کی روشنی میں افغان صدر حامد کرزئی نے کہا تھا:

"Whereas Saudi Arabia is the oil capital of the world, Afghanistan will be the lithium capital of the world"

ترجمہ: ”اگر سعودی عرب دنیا کے تیل کا صدر مقام ہے تو افغانستان دنیا میں لیتھیم دھات کا صدر مقام ہوگا۔“

2007 میں چائنا میٹلر جیکل گروپ کو لوگر صوبہ کے اندر کاپر کی کانیں تیس سالہ لیز پر 3 بلین امریکی ڈالر کے عوض دی گئیں۔ ملک کے دیگر حصوں میں کاپر کی کانوں کی مالیت کا اندازہ 88 بلین امریکی

اگر لگایا گیا ہے۔ لوگر کے اندر کا پرکی کانوں کی مالیت کا اندازہ 43 بلین ڈالر ہے۔ اس کے علاوہ غزنی میں کا پر اور سونے کے نئے ذخائر دریافت ہوئے ہیں جنکی مالیت کا اندازہ 30 بلین ڈالر ہے۔ اب تک اس میں کا پر کی بارہ کانیں دریافت ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ہیلند صوبہ میں بیریلیم (جو کہ ایلونیم سے وزن میں ہلکی اور خالص سٹیل سے مضبوط ہوتی ہے) ذخائر ملے ہیں۔ یہ دھات جہازوں، ہلکی کا پٹرز، بحری جہازوں، میزائل اور خلائی جہازوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کی مالیت کا اندازہ 88 بلین ڈالر لگایا گیا ہے۔

2007 میں یونائیٹڈ سٹیشن جیالوجیکل (USGS) کی سروے کی رپورٹ کے مطابق افغانستان میں 6000 ٹن کرومائیٹ، 444 بلین کیوبک میٹر قدرتی گیس، 2000 میٹرک ٹن باریٹ، 3.8 بیرویل تیل اور صوبہ غزنی کے اندر دنیا کا سب سے بڑا کیتھیم کا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ چائنا نیشنل پٹرولیم کورپوریشن (CNPC) نے 2012 میں دریائے آمو کے علاقہ میں تین مختلف فیلڈز سے 15 بلین بیرویل سالانہ کے حساب سے تیل نکالنا شروع کر دیا ہے۔ وادی پنجشیر اور ہلمند صوبہ کے اندر سونے کے ٹیس سے کچھ میٹرک ٹن ذخائر پائے جاتے ہیں۔ 2006 میں وہاں سے سونا نکالا بھی جا چکا ہے۔ غزنی صوبہ میں پچاس بلین ڈالر کی مالیت کے سونے اور کا پر کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔

یونی کول آئل کمپنی نے 1996 میں قندھار کے اندر اپنا دفتر بھی کھول لیا تھا۔ یہ مذاکرات 1998 تک چلتے رہے۔ اس میں اعلیٰ امریکی عہدیدار اور سی آئی اے کے نمائندگان بھی شامل تھے۔ غیر ملکی پریس نمائندوں کے مطابق افغانستان میں طالبان کی حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے یونی کول اور سی آئی اے اس غرض میں طالبان کو اسلحہ اور رقومات بھی فراہم کرتے رہے۔ طالبان اس معاملہ میں سخت جان ثابت ہوئے۔ انہوں نے کمپنی کی شرائط پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے بعد امریکی میزائل اور جنگی قوت حرکت میں آ گئے۔

1998 میں امریکی بحری جہازوں سے افغانستان پر کروڑوں میزائلوں کی بارش کی گئی مگر وہ اپنی بات پر اترے رہے۔ اس کے بعد کاؤرامہ رچایا گیا اور افغانستان پر قبضہ کیلئے برو راست فوجی حملہ کر دیا گیا۔ 17 اکتوبر 2001 کو امریکہ نے برطانیہ کے ساتھ ملکر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ مقامی طور پر اس نے طالبان کے مخالف دھڑوں اور افغانستان کے طول و عرض میں پھیلے نشیات فروش جنگی سرداروں کا تعاون حاصل کیا۔ 17 دسمبر 2001 تک افغانستان کے اندر طالبان کی حکومت ختم کر دی گئی اور امریکی فوجیں کابل پر قابض ہو گئیں۔ امریکہ نے طالبان کو شکست دینے کیلئے میزائلوں اور ڈیزل کنزربوں کی بارش کر

دی۔ طالبان پسپائی اختیار کر کے بکھر گئے مگر جلد ہی افغان طریقہ جنگ کے مطابق دوبارہ منظم ہو کر گوریلا جنگ شروع کر دی جو آج کی تاریخ تک جاری ہے۔

دسمبر 2001 میں اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے افغانستان کے اندر جنگ کی نگرانی اور افغان سرکارے فوجوں کی تربیت کیلئے انٹرنیشنل سیکورٹی اسسٹنس فورس (ISAF) قائم کر دی۔ اگست 2003 میں نیٹو فورسز بھی اس جنگ میں شریک ہو گئیں۔ وائسن انسٹیٹیوٹ براؤن یونیورسٹی کے مطابق امریکہ 2001 سے لیکر فروری 2019 تک امریکہ عراق، افغانستان اور شام میں 5.9 ٹریلین ڈالر خرچ کر چکا ہے۔

ایک غیر جانبدارانہ تجزیہ کے مطابق افغانستان میں 76 فیصد لوگوں کو اپنا گھریا چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ 43 فیصد لوگوں کے گھریا اور زمینیں جلا ہو گئیں۔ نئی ایک لوگوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ گھریا چھوڑنے پڑے۔ افغانستان کے اندر بلا امتیاز سویلین آبادیوں کو نشانہ بنایا گیا اور اسے ”اجتماعی نقصان“ (Colateral Damage) کا نام دیا گیا۔ گویا سامراج کے نزدیک وہ انسان نہیں بلکہ مٹی کے بنے ہوئے برتن تھے جو توڑ دیئے گئے۔ اگرچہ مرنے اور زخمی ہونے والوں صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے مگر کچھ مبصرین کے مطابق جنگ میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ افغان مارے گئے جن میں بوزھے، بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ 2001 سے لیکر اب تک تقریباً ایک کروڑ سے زائد افغان جنگی نقصانات کی وجہ سے اپنا گھریا چھوڑ کر ایران اور پاکستان نقل مکانی کر چکے ہیں۔

شام پر حملہ

شام کے اندر بغاوت کا آغاز 15 مارچ 2011 میں عرب بہار کے حوالہ سے چھوٹے چھوٹے احتجاج مظاہروں کی شکل میں سامنے آیا۔ شروع میں اس بات کا اندازہ نہ ہوا کہ ان چھوٹے چھوٹے مظاہروں کا مقصد محض عوام کو موبلائز کرنا تھا وگرنہ (جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا) اس کے پیچھے ایک بڑی بین الاقوامی سازش کا فرما تھی۔ یہ مظاہرے آہستہ آہستہ زور پکڑتے چلے گئے اور جولائی 2011 تک ان مظاہروں نے پرتشدد شکل اختیار کر لی۔ ستمبر 2011 میں یہ ”پرامن“ مظاہرے ایک کھلی خانہ جنگی کی شکل اختیار کر گئے۔ اس میں علاقائی اور عالمی قومیں شامل ہو گئیں اور اصل منصوبہ کھل کر سامنے آ گیا۔ مظاہرین نے براہ راست قانون نافذ کرنے والے اداروں پر بڑے ہتھیاروں سے حملے شروع کر دیئے اور فسادات کو مذہبی فرقہ پرستی کا رنگ دیدیا گیا۔ بعد ازیں اس میں ایران نواز شیعہ تنظیم حزب اللہ بھی شامل گئی۔ داعش تو شروع سے ہی اس جنگ کا حصہ تھی۔ اب یہ بہت سے ممالک اور علاقائی عسکری تنظیموں کے درمیان پراکسی جنگ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

اس جنگ میں امریکہ کا دہرا کردار بھی سامنے آیا۔ اب تک امریکہ جن اسلامی گروہوں کو ”دہشت گرد“ قرار دیتا آیا تھا اب انہی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اس نے یہ جنگ شروع کی تھی اور انہیں پر کسی کے طور پر استعمال کر کے اس جنگ کو طویل دے رہا ہے۔ بشار الاسد کی سرکاری فوجوں کے خلاف باغیوں کو بھاری اسلحہ کی سپلائی امریکہ اور اسکے ملاقاتی سٹریٹجک پارٹنرز کر رہے ہیں ورنہ بھاری اسلحہ کی متواتر سپلائی کے بغیر باغی فوجیں اپنے طور پر یہ جنگ چند ہفتوں سے زیادہ جاری نہیں رکھ سکتیں۔ پچھلے نو سال سے یہ جنگ جاری ہے اور مستقبل قریب میں اس کے ختم ہونے کے کوئی واضح امکانات بھی نظر نہیں آرہے۔ پورا ملک اسلحہ خانہ اور بارود کے ذخیر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ملک کا پورا انفراسٹرکچر ملے کا ذخیر بن چکا ہے۔ ملک کی سوادو کروڑ آبادی میں سے شاید ہی کوئی محفوظ رہا ہو۔ ہر شخص خوف اور دہشت کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلہ کے اندر سانس لے رہا ہے۔ تقریباً ایک کروڑ سے زائد افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کے جمع کئے گئے اعداد شمار کے مطابق اس وقت مختلف ممالک کے اندر شامی پناہ گزینوں کی اعداد کچھ یوں ہے:

مصر:	110,000
عراق:	168,000
اردن:	515,000
لبنان:	716,000
ترکی:	460,000

اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی جنوری 2019 کی ایک رپورٹ کے مطابق 5.6 ملین لوگ بے گھر ہو کر بیرون ملک مہاجر بن چکے ہیں اور 6.2 ملین لوگ اندروں ملک بے گھر ہو کر کمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ شام کی کل آبادی دو کروڑ پچیس لاکھ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سوادو کروڑ میں سے تقریباً ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ یعنی نصف سے زیادہ آبادی بے گھر ہو چکی ہے۔ شام کی ایک تہائی (33.9%) چودہ سال سے کم عمر کے لوگوں کی ہے۔ اس تناسب سے اگر دیکھا جائے تو ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ بے گھر ہونے والوں میں سے تقریباً چالیس لاکھ کی تعداد چودہ سال سے کم عمر بچوں اور بچیوں کی ہے اور قتل کئے جانے والے چھ لاکھ میں سے دو لاکھ متوہلین چودہ سال سے کم عمر کے بچے اور بچیاں تھیں۔ ان چالیس لاکھ بے گھر بچوں، بچیوں میں سے نوے فیصد سے بھی زیادہ بچے تعلیم، خوراک اور میڈیکل سہولیات سے محروم اذیت ناک زندگی گزار رہے ہیں۔ امریکی مداخلت نے پورے مشرق وسطیٰ کے اندر خون خرابے کا ایک بڑا ماحول پیدا کیا ہوا ہے اور اس فائدہ اٹھا کر مغربی تیل کمپنیاں عراق اور شام کا تیل چوری کر رہی ہیں۔ تو کیا اسے اسلامی دہشتگری کہا جائیگا؟

2013 میں فرانس کے وزیر خارجہ رومانو لدوئوس نے فرانس کے ایک ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے

ہوئے اس بات کا انکشاف کیا کہ برطانیہ نے 2009 میں ہی شام کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اس نے کہا:

"I was in England two years before the violence in Syria on other business," he told French television: "I met with top British officials, who confessed to me that they were preparing something in Syria. This was in Britain not in America. Britain was preparing gunmen to invade Syria."

ترجمہ: "میں شام میں پر تشدد واقعات شروع ہونے سے دو سال قبل میں برطانیہ کی اعلیٰ عہدیداروں سے ملا جنہوں نے میرے سامنے اعتراف کیا کہ وہ شام کے خلاف کارروائیوں کی تیاری کر رہے ہیں۔" شام کے خلاف یہ کارروائی اسلئے کی گئی کہ شامی صدر بشار الاسد ان کے کام کا آدمی نہیں تھا اور اسکی موجودگی میں شام سے تیل کی چوری ممکن نہیں تھی۔ بشار الاسد کی حکومت کے خاتمہ کا ایک مقصد وہاں اپنی مرضی کی نئی حکومت قائم کر کے شام کو اسرائیلی لابی کا حصہ بنانا تھا۔

لیبیا کی خانہ جنگی

لیبیا کی تباہی کا آغاز 16-17 فروری 2011 کو ہوا۔ بغاوت کا آغاز بن غازی سے ہوا جو چند ہی روز میں تریپولی اور پورے ملک کے اندر پھیل گیا۔ 17 فروری 2011 بن غازی کے ایک فوجی کیمپ پر باغیوں کے حملہ سے ہوا جس میں باغیوں نے بہت سے فوجیوں کو قتل کرنے کے بعد وہاں سے مختلف النوع کا اسلحہ لوٹ لیا۔

ہوائی جہازوں کے ذریعہ نیو فورسز نے فضا سے لاکھوں کی تعداد میں انتہائی مہلک اسلحہ زمین پر گرایا جو باغیوں کے علاوہ عام عوام کے ہاتھ بھی لگا اور لیبیا بارود کا ڈھیر بن گیا۔ 2014 انٹرنیشنل کرائسٹس گروپ کی ایک رپورٹ کے مطابق قذافی کے خلاف لڑنے والے ملیشیا گروہوں کی تعداد ایک سو سے تین سو تک تھی جو 2014 تک بڑھ کر سولہ سو تک پہنچ چکی تھی۔ ہر گروہ کے پاس جدید ہتھیاروں سے لیکر راکٹ لانچرز اور میزائل تک کا اسلحہ ہے۔ ہر گروہ بارود ڈپو میں تبدیل ہو چکا ہے۔ زندگی کے انداز بدل گئے ہیں۔ معمول کے کاروبار کی جگہ اب اسلحہ فروشی، قتل و غارتگری، ڈکیتی اور غواہ برائے تادیب جیسے مجرمانہ "کاروبار" نے لے لی ہے۔ کچھ گروہوں کے پاس دور مار توپیں اور ٹینک تک موجود ہیں۔ لیبیا کے اندر جگہ جگہ علاقائی گروہوں میں تقسیم سینکڑوں کے حساب سے متوازی حکومتیں بن گئی ہیں۔

قذافی کی سرکاری فوجوں نے باغیوں کو شکست کے قریب کر دیا۔ اس پر امریکہ، فرانس اور نیٹو نے

قذافی کی سرکاری فوجوں پر بے پناہ بھیمانہ فضائی بمباری کر کے ان کو تباہ کر دیا۔ اس سٹیج پر غیر ملکی جنگجو بہت بڑا تعداد میں لیبیا کے اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے قذافی کی سرکاری فوجوں کو شکست دیدی۔ قذافی 26 اکتوبر 2011 کو لیبیا میں سیرت کے قصبہ سے گرفتار کر کے اذیت ناک طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔ جس غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق قتل سے قبل زخمی حالت میں اس کے ساتھ انسانییت سوز سلوک کیا گیا۔ اس کے بعد نومبر 2011 میں نیٹو فورسز نے اعلان کر دیا کہ ان کا لیبیا کے اندر مشن مکمل ہو گیا ہے۔

لیبیا اب غیر ملکی قوتوں کا اکھاڑہ بن چکا ہے جس میں مقامی جنگی سرداروں کے علاوہ علاقہ کے بہت سے دیگر ممالک بھی براہ راست ملوث ہو گئے ہیں۔ لیبیا اب ایک ”ناکام ریاست“ کے ساتھ ساتھ ایک قتل زدہ اور اذیت کدہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ غیر ملکی مداخلت اور نیٹو کی بمباری نے لیبیا کو دہشت زدہ ملک میں تبدیل کر دیا ہے۔ جگہ جگہ نجی نارچر سیل (اذیت کدے) کھلے ہوئے ہیں جن میں بے گناہ شہریوں اور خلف سیاسی کارکنوں کو بدترین غیر انسانی سلوک سے گزارا جا رہا ہے۔ لیبیا میں ہر طرف خوف اور دہشت کا مہل ہے۔ ہر شخص سہا ہوا اور خوف میں مبتلا ہے کہ اسے یا اس کے خاندان کے کسی فرد کو کسی بھی وقت قتل یا اغوا کیا جاسکتا ہے۔ قتل، اغوا، تاوان اور عورتوں کی عصمت دری روزمرہ کے معمولات بن چکے ہیں۔ چیختی ہوئی مائیں اور دہشت زدہ باپ یہ آج کا لیبیا ہے۔ یہ وہی لیبیا ہے جو افریقہ کے امیر ترین ممالک میں سے ایک تھا۔ یہ عالمی قزاق ہیں جنہوں نے لیبیا کا تیل لوٹنے کیلئے قتل و غارتگری کا سارا خونیں کھیل رچایا ہے۔ آج یہ عشرہ ہونے کو ہے اور قتل عام کا یہ عمل رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ اب تک لاکھوں کے حساب سے لوگ قتل اور بے گھر ہو چکے ہیں جکے دکھوں کا کوئی درماں نہیں ہے۔ اس وقت انٹرنیشنل اور انسانی حقوق کی دیگر تنظیمیں کہاں ہیں؟ اصل دہشت گرد کی شناخت کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ کیا قتل و غارتگری کے اس غلیظ ترین کھیل کے بعد بھی امریکہ، فرانس اور نیٹو ممالک اپنے آپ کو دہشت گردی کے الزامات سے بری الذمہ قرار دے سکتے ہیں؟

کرئل قذافی کی خفیہ ایجنسیاں اس سازش کی تہہ میں کارفرما عوامل اور اسکے پیچھے بیٹھی قوتوں کا اندازہ لانے میں بری طرح ناکام رہیں۔ قذافی کے وہم و گمان میں بھی ایسی کوئی بین الاقوامی سازش نہ تھی۔ کرئل قذافی نے حالات کو سمجھنے میں شدید غلطی کھائی۔ اس نے مغرب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنا ایٹمی پروگرام بھی ختم کر دیا۔ اس نے گوریلا اندہی تنظیموں بشمول القاعدہ کی قیادت اور اسامہ بن لادن کے خلاف بازی کی اور اسے گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے اخوان المسلمین کے ساتھ بھی مخالفت مول لے لی۔ مشرق وسطیٰ کے اندر امریکی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بعض عرب ممالک سے بھی خصامت مول لے

لی۔ مگر اس کے باوجود بھی صیہونی سرمایہ دار اس سے خوش نہ ہوئے۔ گویا اسے غربت بھی راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ قذافی نے امریکی اور صیہونی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے جن اسلامی طاقتوں سے مخالفت مول لی تھی امریکہ نے انہی طاقتوں کو استعمال کرتے ہوئے اسے عبرتناک انجام سے دوچار کر دیا۔ اسلامی عسکری پسندی اور دہشت گردی کے خلاف نعرے بلند کرنے والی امریکی اور عالمی اسٹبلشمنٹ نے لیبیا کے اندر انہی قوتوں کے ساتھ درپردہ اتحاد کر کے کمرل قذافی کا تختہ الٹا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اضافی قوت کے طور پر قذافی مخالف قبائلیوں کو اسلحہ اور مالی امداد کے ساتھ متحرک کیا گیا۔ سی آئی اے اور موساد نے سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور قطر کی ریاستی ذرائع کو درون خانہ استعمال کیا گیا۔ جب اس سے بھی بات بنتی دکھائی نہ دی تو نیٹو اور فرانس نے لیبیا کے معاملات میں براہ راست مداخلت کی اور قذافی کی سرکاری فوجوں پر اندوھناک فضائی بمباری کر کے قذافی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ کیا یہ بھی اسلامی دہشت گردی ہے؟

طاقت کے گھمنڈ اور تیل کی ہوس نے عالمی سامراج کو اندھا کر دیا۔ ڈاکٹر مصدق کے تختہ الٹنے سے لیکر شیعنی کے انقلاب تک کے طویل چھبیس سالہ عرصہ میں ایران کے اندر شہنشاہ اور اسکے چند حواریوں کے علاوہ امریکہ کو کوئی ہمدرد نہ مل سکا۔ آخر کار شہنشاہی استبداد کے پریشگر کے اندر بند کی گئی بھاپ اس پہنی ڈھکن کو توڑ کر باہر آ گئی۔ ایرانی عوام کے مسلح جم غفیر سڑکوں پر نکل آئے۔ امریکہ کا پروردہ شہنشاہ ذلیل و رسوا کر کے ایران سے نکالا گیا اور امریکہ کو ایران میں ٹھہرنے کیلئے کوئی جگہ میسر نہ آ سکی۔ یہ نتیجہ تھا بے جا تکبر اور طاقت کے غلط استعمال کا۔ دنیا امریکہ اور عالمی سامراج سے کہیں زیادہ بڑی اور طاقتور ہے۔ یہ بات انقلاب ایران نے دنیا پر ثابت کر کے دکھادی۔ اسلامی دنیا کے اقدامات دفاعی نوعیت کے ہیں۔ جب آپ کسی کے گھر پر حملہ کریں گے اور اس کے گھر کا مال و اسباب لوٹیں گے تو دفاعی رد عمل پیدا ہوگا۔ کیا آپ اسے دہشت گردی کہیں گے؟

جب غیر ملکی مداخلت کے ذریعہ عوام کی ہرلعزیز قیادت کا فوجی طریقہ سے تختہ الٹ کر وہاں اپنے کھ پتے بٹھائے جائیں گے تو اس سے مزاحمتی کلچر تو پیدا ہوگا۔ عوام کی عین خواہشات کے مطابق جب ایران میں امریکہ اور برطانیہ نے عربیاں جاہلیت کے ذریعہ ڈاکٹر مصدق کا تختہ الٹا تو اس کے رد عمل میں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف رد عمل تو پیدا ہونا ہی تھا اور اس کا جلد یا بدیر اظہار بھی ہونا تھا۔ تو کیا ایسے کسی رد عمل کو دہشت گردی کہا جائیگا۔ آپ اندھی طاقت کے زور پر فلسطین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور وہاں کے مکین خیر بستیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دئے جاتے ہیں۔ آپ مسلمان عورتوں کی آبروریزی کرتے ہیں۔ پوری کی

پوری آبادیوں کو اذیت کی ایک لامتناہی عمل سے گزارتے ہیں تو کیا اس کے خلاف ردِ عمل پیدا نہیں ہوگا؟ کیا اپنے کسی بھی جائز اور فطری ردِ عمل کو دہشت گردی کہا جائیگا؟

جب آپ منتخب عوامی حکومتوں کو سازشوں اور طاقت کے بل بوتے پر ختم کر کے اپنے کٹھ پتلی دلالوں کی حکومتیں قائم کریں گے تو لازمی طور پر ردِ عمل پیدا ہوگا۔ سیاسی پابندیوں کے نتیجہ میں سیاسی خلا بھی پیدا ہوگا جو مسلح جتھوں کو جنم دے گا۔ جب آپ پرامن سیاسی جدوجہد کا راستہ بند کر دیں گے تو متبادل راستے اختیار کئے جائیں گے۔ عوامی سطح پر مسلح جدوجہد ظلم، نا انصافی اور سیاسی گھٹن کا لازمی نتیجہ ہے۔ ایسی صورت حال پیدا کرنے کے ذمہ دار عناصر ہی اصل دہشت گرد ہیں۔

کیا جنوبی چینی سمندر (South China Sea) کے اندر بھی اسلامی دہشت گرد ہی رہائش پذیر ہیں؟ کیا اسے بھی اسلامی دہشت گردی ہی کہا جائیگا؟ اس سمندر کے متعلقہ جھگڑا دو قومی ریاستوں کے درمیان "انا" کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تیل اور گیس کا مسئلہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس سمندر میں 23 بلین ٹن سے 30 بلین ٹن تک تیل اور 16 ٹریلین کیوبک میٹر قدرتی گیس موجود ہے جو کہ چین کے تیل اور گیس کے کل ذخائر کا تیسرا حصہ ہیں۔ یہ عالمی تفریق لوگ دوسروں کے گھروں پر حملے کرتے ہیں اور جب وہ دفاع کرتے ہیں تو انہیں دہشت گرد کہتے ہیں۔ یہ بے حیائی اور بے شرمی کی سب حدود پھلانگ چکے ہیں۔ اس ساری سازش کے پیچھے عالمی سرمایہ دار کمپنیاں اور امریکہ کے ریاستی گماشتے ہیں جنہوں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ان سرمایہ کار کمپنیوں کے پاس رہن رکھ دیا ہے۔ وہ امریکی ریاستی مشینری کو ان سرمایہ دار کمپنیوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے عالمی سطح پر استعمال کر رہے ہیں۔ گویا امریکہ ان سرمایہ دار کمپنیوں کے ایمپرائیک بدست ہاتھی کی مانند پوری دنیا کے امن کو روندنے پر تلا ہوا ہے۔ دنیا امریکہ کے خلاف جنگ نہیں چاہتی بلکہ امریکہ نے پوری دنیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔

2018 کے ایک سروے کے مطابق شام کے پاس مشرق وسطیٰ میں سعودی عرب کے پاس 297 بلین بیرل ایران کے 155 بلین بیرل عراق کے پاس 147 بلین بیرل اور شام کے پاس 2.5 بلین بیرل تیل کے ذخائر ہیں۔ پورے خطے کے اندر اسرائیل اور امریکی تیل کمپنیوں نے باہم اکٹھے ہو کر ایک غیر مقدس احماد کر لیا ہے۔ ان اخلاق باختہ گروہوں نے امریکی حکومت کی سرپرستی میں اس خطے کے اندر ایک اہل دہناک جنگ چھیڑ رکھی ہے جس میں کئی ملین مسلمانوں کو شہید اور کئی ملین مسلمانوں کو بے گھر کیا جا چکا ہے۔ صیہونی درندے اور ان کے ہمنوا مسلمانوں کو ٹارچر کمپوں کے اندر بند کر کے تشدد کر رہے ہیں۔ مسلمان عورتوں کی بے دریغ عصمت دری کی جا رہی ہے۔ مشرق وسطیٰ کی صیہونی منصوبہ بندی کے مطابق

از سر نو تقسیم کرنے کی مجرمانہ سازش کی جا رہی ہے۔ یہ جنگ اسلامی انتہا پسندی یا اسلامی دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں ہے بلکہ یہ مسلمان ممالک کے تیل پر قبضہ کرنے اور اسرائیل کی صیہونی ریاست کی توسیع کی جنگ ہے۔ یہ صیہونی تیل کمپنیوں کیلئے تیل لوٹنے کے موقع فراہم کرنے کی جنگ ہے۔ مغرب کے عیسائی عوام کو اسے اسلامی دہشت گردی کی جنگ کا روپ دیکر بیوقوف بنایا جا رہا ہے تاکہ عیسائی دنیا کے مذہبی سیاسی رد عمل سے بچا جاسکے۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے برملا اعتراف کیا ہے کہ امریکی فوجوں کی موجودگی کی وجہ سے امریکہ کو اربوں ڈالر کا فائدہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت یہ فائدہ صیہونی تیل کمپنیوں کو ہو رہا ہے اور امریکی سیاسی قیادت اس منافع میں حصہ دار ہے۔ شامی صدر بشار الاسد نے امریکی کمپنیوں پر شام کا تیل چوری کرنے کا الزام لگایا ہے۔ شامی عوام اس امریکی لوٹ مار کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ یہ جنگ اسلامی دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں ہے بلکہ یہ مشرق وسطیٰ کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کرنے اور مفت میں تیل لوٹنے کیلئے جھگڑا ہے۔ شام اور عراق کے اندر وہاں کی مقامی حکومتوں کا تیل کے کنوؤں پر کنٹرول ختم ہو چکا ہے۔ اب عالمی تیل کمپنیاں وہاں اپنی پرائیویٹ فوجوں اور مقامی لوگوں کے ساتھ اشتراک کے ذریعہ وسیع پیمانے پر تیل چوری کر رہی ہیں۔ عراق اور شام کی خانی جنگیاں باہر سے برآمد کی گئی ہیں تاکہ ان ممالک کا تیل چوری کیا جاسکے۔

2003 سے قبل عراقی حکومت نے عراق کی تمام تیل کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا جس پر عالمی تیل کمپنیاں صدام حسین کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں اور اسے عبرت کا نشان بنانا چاہتی تھیں۔ ایک عشرہ کی جنگ کے بعد یہ سارا تیل پرائیویٹ تیل کمپنیوں کی تحویل میں چلا گیا ہے اور یہی اس عالمی دہشت گردی کا مقصد تھا۔ امریکی سیاسی قیادت بشمول اس وقت کے امریکی صدر جارج ڈبلیو بوش، امریکی نائب صدر اور قومی سلامتی کی مشیر کنڈولیزا رائس جیسے سب لوگ عالمی تیل کمپنیوں کے حصہ دار ہیں۔ بوش حکومت (جس نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا) کی کابینہ کے آٹھ سیکرٹری اور تیس دیگر بڑے عہدیدار براہ راست تیل کی صنعت کے ساتھ وابستہ تھے۔ بوش حکومت کا حصہ بننے سے قبل ڈک چین کی امریکی تیل کمپنی ہالی برٹن کا منتظم تھا۔ عراق میں صدام حسین کی فوج کو شکست دینے کے فوری بعد تیل کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ تیل لوٹ کے مغرب کے آئل ڈپوزٹوں میں منتقل کیا جاسکے۔ امریکی سرپرستی میں بننے والی عراقی حکومت کو مجبور کر کے اسے تیل کی صنعت کو پرائیویٹائز کرنے اور انتہائی کم شرائط پر عالمی تیل کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کرنے پر مجبور کیا گیا اور یوں عراق کی تیل کی صنعت پر قبضہ کر لیا گیا۔

بھری کسٹھ، حامد کرزئی، رچرڈ آرمیٹج اور زلے خلیل زاد عالمی تیل کمپنی "یونی کول" کے تسلط رہے ہیں۔ "یونی کول" کمپنی نے طالبان کے نمائندوں کو اپنے ہیڈ کوارٹر ٹیکساس میں دعوت کیا مگر مذاکرات ناکام ہو گئے۔ طالبان قیادت نے امریکی حکومت اور "یونی کول" کمپنی کی شرائط پر معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد 9/11 جیسے ڈرامے رچائے گئے اور افغانستان پر عالمی جارحیت کیلئے راستہ ہموار کیا گیا۔ 7 اکتوبر 2001 کو افغانستان پر باخدا ایلے حملہ کر دیا گیا۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم کرنے کے فوری بعد حامد کرزئی جیسے عالمی تیل کمپنیوں کے دلال کو افغانستان کی حکومت سونپی گئی۔ افغانستان کے اندر پہلا امریکی سفیر مسٹر جان ماریکا "یونی کول" کمپنی کا نائب صدر تھا۔ اس کے بعد تعینات ہوئیوالا امریکی سفیر خلیل زاد اسی "یونی کول" کمپنی کا مشیر تھا۔

غیر ملکی مداخلت اور اجتماعی توہین کے خلاف ردِ عمل ایک فطری عمل ہے۔ نفرت اور انتقام کا جذبہ اندر ہی اندر چمکا رہا۔ شاہ ایران کی خفیہ پولیس ساداک ایک عرصہ تک عوامی جذبات و تشدد کے زور پر روکتے میں کامیاب رہی مگر بالآخر طوفان اٹھ آیا۔ ایران کے عوام نے 1978 میں امریکہ اور شاہ دونوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔ ایران اگر اب عسکریت پسندی راہ پر چل نکلا ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پہل کس نے کی؟ امریکہ اور برطانیہ کو یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ ایران کے اندر آکر مداخلت کرتے اور اسکی تیل کی تنصیبات پر قبضہ کرتے۔ کیا یہ اسلامی عسکریت پسندی ہے یا برطانوی اور امریکی عسکریت پسندی؟ جیمز ائرن نے اس انتقامی سیاست پر نیویارک ٹائمز 16 اپریل 2000 کے شمارہ میں یوں تبصرہ کیا۔

"With their devotion to radical Islam and their eagerness to embrace even the most horrific kinds of violence, Iran's revolutionary leaders became heroes to fanatics in many countries. Among those who were inspired by their example were Afghans who founded the Taliban, led it to power in Kabul, and gave Osama bin-Laden the base from which he launched devastating terror attacks. It is not far-fetched to draw a line from Operation Ajax through the Shah's repressive regime and the Islamic Revolution to the fireballs that engulfed the World Trade Center in New York"

James Risen, "How a Plot Convulsed Iran in '53 (and '79)," New York Times, 16 April 2000,

The New York Times at

www.nytimes.com/library/world/mideast/041600iran-cia-index.html;

and the National Security Archive's at

www.gwu.edu/~nsarchiv/NSAEBB/NSAEBB28/index.htm

ترجمہ: ”ریڈیکل اسلام کے ساتھ اپنی جی داسٹگی اور انتہائی پر تشدد رویوں کے باوجود ایران کی انقلابی قیادت بہت سے ممالک کے مذہبی انتہا پسندوں کیلئے ہیروز کا درجہ رکھتی ہے۔ ان سے متاثر ہونے والوں میں افغانستان کے طالبان بھی شامل ہیں جنہوں نے کابل کے اقتدار پر قبضہ کر کے اسامہ بن لادن کو اپنے ہاں اڈے فراہم کئے جہاں سے اس نے تباہ کن دہشت گرد حملے کئے۔ شاہ ایران کے ظالمانہ دور اور آپریشن ”آجیکس“ سے لیکر اسلامی انقلاب اور اسلامی انقلاب سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر لگی آگ کا آپس میں رابطہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں جوڑنے کے مترادف ہے۔“

اسی طرح ڈیوڈ نیلے (David Nalle) جو کہ 1960 سے 1963 تک ”بائی نیشنل سنٹر تہران“ کے ڈائریکٹر رہے، نے بھی مصدق کے خلاف امریکی اقدام کو اسلامی عسکریت پسندی کی جانب اہم اقدام تصور کیا ہے اور آیت اللہ خمینی کے انقلاب کا رشتہ ڈاکٹر مصدق کے انقلاب کے ساتھ جوڑا ہے۔ انکے خیال میں اگر امریکہ نے اس وقت ایران کے اندر مداخلت کر کے مصدق حکومت کا تختہ الٹا ہوتا تو آج اسے ”بڑا شیطان“ ہونے کا طعنہ نہ سننا پڑتا۔ وہ لکھتے ہیں:-

”The removal of Mossadegh was, in my estimation, a tragic mistake on the part of the United States

We caused, in effect, the Khomeini revolution by doing that. There were additional causes added along the way that made it turn out the way it has turned out. But essentially, the seeds of that revolution were planted then, because we insulted the Iranians nationally, as a nation. Who knows what might have happened had Mossadegh stayed on, if we and the other forces that removed him had not come into play?”

ترجمہ: ”میری رائے میں مصدق کی معزولی امریکی حکومت کی ایک شدید غلطی تھی۔ ہم نے مصدق کا

کے الٹ کر فتنی انقلاب کی بنیاد رکھ دی۔ اگرچہ بعد ازیں اس انقلاب کے برپا ہونے میں کچھ دوسرے اہل بھی شامل ہو گئے مگر یہ بات حتمی ہے کہ فتنی انقلاب کا بیج اسی واقعہ کی وجہ سے بویا گیا۔ ہم نے ایرانی فتنہ کی بحیثیت ایک قوم کے توہین کی۔ اگر ہم نے اور دوسری اتحادی طاقتوں کے ساتھ مل کر ایسا نہ کیا ہوتا تو نہ کہ آج ایران کا مستقبل کچھ اور ہوتا؟۔

اسی طرح جب امریکہ کو روس کے خلاف اسلامی دنیا اور پاکستان کی ضرورت تھی تو اس وقت پوری اسلامی دنیا سے لوگ اکٹھے کر کے پاکستان اور افغانستان میں لے آیا۔ ان کو جنگی تربیت دی اور دس سال تک انہیں روس کے خلاف استعمال کیا۔ جب انہوں نے امریکہ کی وکٹ پر کھیلنے سے انکار کیا تو ان پر بہشت گردی کا لیبل چسپاں کر دیا۔ فلسطین کے اندر یہودیوں کی ایک نئی ریاست قائم کر دی اور وہاں پر مدیوں سے آباد مسلمانوں کو جبری طور پر ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کیا اپنے گھروں کی بازیابی اور اندرا علی کی واپسی کیلئے کی جانے والی جنگ دہشت گردی کے زمرہ میں آتی ہے؟

مشرق وسطیٰ کے اندر باقاعدہ ایک سازش کے تحت القاعدہ، طالبان، حزب اللہ اور داعش کو آپس میں لا دیا گیا۔ یہ ساری تنظیمیں اپنے منشور کے اعتبار سے امریکہ اور سامراج دشمن تھیں مگر ایک بڑی منصوبندی کے تحت ان سب کو فرقہ پرستی کے تنازعہ میں الجھا کر آپس میں لڑوا دیا اور اس طرح ان کی طاقت کو زائل کیا گیا۔ اس لڑائی کے اندر ایران اور سعودی عرب براہ راست اور بہت سے دیگر عرب ممالک بلا واسطہ شریک ہو گئے اور یوں سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر سامراج کے مبرہ کے طور پر کھیلنے لگے۔

خانہ جنگی کے ذریعہ عراق اور شام کو تباہ کر دیا گیا اور پھر اسی بات کو عراق اور شام کے اندر مزید فوجی کارروائی کا جواز بنا کر پیش کیا گیا۔

ان دو اسلامی ممالک کو تباہ کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ان کا تیل چرایا جا رہا ہے۔ تو پھر دہشت گرد امریکہ ہے یا مسلمان؟ اسرائیلی حکومت ہر روز فلسطینیوں اور شام کے علاقوں پر حملے کر رہی ہے۔ تو پھر دہشت گرد اسرائیل یا مسلمان؟ امریکی حکومت، اقوام متحدہ یا کسی بھی مغربی ملک نے آج تک اسرائیل کو دہشت گرد ملک قرار نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نے صیہونی سرمایہ دار کے زیر اثر آکر اسلامی دنیا کے خلاف دنیا کی بدترین دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے۔

امریکی سی آئی اے پوری دنیا کے اندر ایف بی آئی سے لیکر جی سی سی کے لیکر ایف بی آئی اور اعلیٰ ریاستی عہدیداروں اور ایڈیا کی خرید و فروخت سے لیکر سیاسی بلیک میلنگ تک ہر قسم کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکات میں ملوث ہے۔ سیاستدانوں کی خرید و فروخت سے لیکر سیاسی قتل تک، انویسٹمنٹ سے لیکر معاشی افراتفری تک غرض

ہر شعبہ زندگی کے اندر امریکی سی آئی اے ملوث نظر آتی ہے۔ امریکہ اور دیگر ممالک کے اندر مخالفین کے قتل کیلئے سی آئی اے نے ذہنی سکواڈ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ادارہ اپنے آپکو پردہ کے پیچھے چھپا رکھنے اور عوامی ردِ عمل سے بچنے کیلئے کرایہ کے قاتلوں کی خدمات تک حاصل کرنے تک سے بھی نہیں چوکتا۔ تو پھر دہشت گرد کون ہے؟

گوئے مالا کے منتخب رہنما جیکب اربنز کے خلاف فوجی بغاوت کروا کر اس کا تختہ الٹنے میں سی آئی اے نے نہایت فعال کردار ادا کیا۔

کیونکہ اس نے راک فیلر گروپ کی ”یونائیٹڈ فروٹ کمپنی“ (جس میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ایلن ڈیلز کے بھی حصص تھے) کو قومیانہ کی دھمکی دی تھی۔ جیکب اربنز کی جگہ ایک جابر فوجی آمر عوام پر مسلط کیا گیا جس نے اس ملک پر چالیس سال حکومت کی اور اس دوران ایک لاکھ کے قریب سیاسی کارکنوں کا قتل کیا۔

یہ تو ایک مختصر روئیداد ہے مگر نہ عالمی ساہوکاروں اور ان کی آلہ کار سی آئی اے کی چیرہ دستیوں کی داستان بڑی طویل ہے۔ تاریخ بیگانہ انسانوں کے خون سے بھری ہوئی ہے۔ جو اپنے عوام کی سیاسی اور معاشی خود مختاری کی جنگ لڑتے ہوئے اس ادارہ کے قاتلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان حریت پسند مفکروں اور سائنسدانوں کی ایک طویل فہرست ہے جو اس انسانیت دشمن ادارہ کی قاتلانہ کارروائیوں کا شکار ہوئے۔ سی آئی اے کی سازشوں کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس نے اندونیشیا کے سویکارنو، چلی کے آلیانڈے، الجزائر کے احمد بن بیلہ کی حکومتوں کا تختہ الٹنے کے علاوہ برازیل، ہٹی، پیراگوئے، غرض افریقہ اور ایشیا کا ہر ملک کے اندرونی معاملات میں اپنے پٹھو اور عوام دشمن حکومتیں قائم کرنے کیلئے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کیا ہے۔ یہ سب کے سب فوجی ڈکٹیٹرز تھے اور ان سب نے اپنے عوام کا بھیانہ قتل کیا۔ یہ سب کچھ امریکہ اور عالمی ساہوکاروں کی مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔

تیل اور معدنیات کیلئے جنگ

بنیادی سوال یہ ہے کہ جنگ کس نے شروع کی اور جارح کون ہے؟ حقائق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ افغانستان، عراق اور لیبیا پر حملہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا۔ اسلامی دہشت گردی کو محض جواز بنایا گیا ورنہ اصل وجہ ان ممالک کے تیل اور معدنیات پر قبضہ کرنا تھا۔ امریکی سپہ سالار سنٹرل کمانڈ اینڈ مٹری آپریشنز جنرل جان اہل زید سے 2007 میں جب عراق جنگ کی وجوہات کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے برجستہ جواب دیا:

"Of course it's about oil; we can't really deny that."

ترجمہ: "یقیناً یہ تیل کیلئے تھی اور ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔"

اسی طرح جب سابقہ چیئر مین فیڈرل ریزرو امریکہ نے اپنی یادداشتوں میں عراق پر حملہ کی وجوہات کے بارے میں کچھ یوں لکھا:

"I am saddened that it is politically inconvenient to acknowledge what everyone knows: the Iraq war is largely about oil."

ترجمہ: "اگرچہ یہ تسلیم کرنا سیاسی طور پر سودمند نہیں ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جنگ تیل کیلئے ہی تھی۔"

اسی طرح امریکہ کے ڈیفنس سیکرٹری چوک ہیگل (Chuck Hagel) نے سال 2007 میں تسلیم کیا:

"People say we're not fighting for oil. Of course we are."

ترجمہ: "لوگ کہتے ہیں کہ ہم تیل کیلئے نہیں لڑ رہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہم تیل کیلئے لڑ رہے ہیں۔"

سال 1998 میں شیڈرن (Chevron) تیل کمپنی کے چیف ایگزیکٹو کینیٹھ ڈرر (Kenneth Derr)

نے عراق کے تیل کے بارے میں کہا:

"Iraq possesses huge reserves of oil and gas-reserves I'd love Chevron to have access to."

ترجمہ: "عراق کے پاس تیل اور گیس کے وسیع ذخائر ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہ ہماری تحویل میں

آجائیں۔"

بش کے سیکرٹری خزانہ پال اونیل (Paul O' Neill) نے 2004 میں عراق کے خلاف لشکر کشی کے

بارے میں بتایا کہ اس کا فیصلہ بہت پہلے ہو چکا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"Already by February (2001), the talk was mostly about logistics. Not the why (to invade Iraq), but the how and how quickly."

ترجمہ: "فوری (یعنی عراق پر حملہ کرنے سے کافی پہلے) ہماری گفتگو عراق پر حملہ کے جواز کے

بارے میں نہیں بلکہ فوجی سامان کی نقل و حمل کے بارے میں ہو رہی تھی۔ اس بات پر کوئی بحث نہیں تھی کہ

عراق پر حملہ کیوں ضروری ہے بلکہ زیر بحث موضوع یہ تھا کہ عراق کے خلاف جنگ کیسے لڑی جائے۔"

اس ساری جنگ کا مقصد عراق کے اندر ایسی کٹھ پتلی حکومت قائم کرنا تھا جو عراقی تیل کے کنوؤں کو غیر

ملکی سرمایہ کار کمپنیوں کیلئے پرائیوٹائز کر دے یا پھر ایک طویل عرصہ کیلئے غیر ملکی کمپنیوں کو انتہائی آسان شرائط پر ٹھیکہ پر دے دے۔ مقصد ہر شکل میں عراق کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کرنا تھا۔ اسلامی دہشت گردی یا عراقی ریاست کے پاس مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کے ساتھ اس کا سرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ محض ایک بہانہ تھا۔

اس میں کلیدی بات یہ ہے کہ یہ سب بھیانک جرائم امریکہ یا کسی یورپی ریاست یا اس کے عوام کے مفادات کیلئے نہیں بلکہ عالمی ساہوکاروں کے مفادات کو تحفظ اور پھیلاؤ دینے کیلئے کئے گئے۔ عوام الناس اور عالمی دانشوروں کو یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ امریکہ اب ایک آزاد ریاست نہیں رہی بلکہ عالمی ساہوکاروں اور ان کی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے ہاتھوں میں یرغمال بن چکی ہے۔ کارپوریٹ مفادات کی جنگیں لڑتے لڑتے امریکہ اپنی معیشت اور جمہوری شناخت دونوں ہی کھو بیٹھا ہے۔ امریکہ اس وقت بائیس ٹریلین ڈالر کا مقروض ہو کر دنیا کا سب سے بڑا مقروض ملک بن چکا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ امریکہ پوری دنیا کے خلاف مختلف محاذوں پر حالت جنگ میں ہے جو ایک بڑی تباہی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس وقت امریکہ عسکری اور معاشی میدان میں بڑی تیزی کے ساتھ نیچے کی جانب لڑھک رہا ہے۔ مشہور فنڈ مینجر (Hedge Fund Manager) بل ایلکمن نے یہ کہہ کر امریکہ کے مستقبل کو ایک فقرہ میں یوں بند کر دیا ہے:

"Hell is coming. America will end as we know it."

(Bill Ackman, Famous Hedge Fund Manager)

ترجمہ: "ایک بہت بڑی تباہی آرہی ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں امریکہ اس تباہی کے نتیجہ میں ختم ہو جائے گا۔"

(Bill Ackman, Famous Hedge Fund Manager)

ملٹی نیشنل کارپوریشنز بمقابلہ ریاستی اقتدار اعلیٰ

کوکا کولا کے معمولی مشروب سے لیکر پیرسا تک جہازوں تک، توپ کے ایک ادنیٰ گولہ سے لیکر بین الہر اعظمی ایٹمی میزائل تک، عام انسانی ادویات سے لیکر زرعی اجناس کے بیج تک، زرعی مشینری سے لیکر زرعی ادویات تک، کچن کے ادون سے لے کر ایک معمولی واشنگ مشین تک، کوٹ پتلون سے لیکر بنیان نظر روئیر تک غرض ہر چیز پر ملٹی نیشنل کارپوریشنز نے قبضہ کر رکھا ہے۔ درمیانے اور چھوٹے درجے کے کاروبار تباہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ میگا گروسری سنورز نے ہزار ہا چھوٹے دکانداروں کا کاروبار ختم کر دیا ہے۔ بین الاقوامی فوڈ سنورز نے فوڈ اور بیوریج کی مقامی صنعت تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ پاکستان دنیا کا چھنا بڑا دودھ پیدا کرنے والا ملک ہے مگر یہاں بھی بچوں کے دودھ تک پر ملٹی نیشنل کارپوریشنز نے اجارہ داری حاصل کر لی ہے۔ قومی ریاستوں نے مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اس کے اعلیٰ عہدیداروں نے بڑی بھاری رشوتوں کے عوض غیر ملکی کمپنیوں کو اپنی مقامی صنعت کو تباہ کرنے کے پرمٹ جاری کر رکھے ہیں۔ اس سے ایک جانب تو مقامی صنعت اور کاروبار تباہ ہو کر رہ گئے ہیں اور دوسری جانب بیروزگاری کا ایک ہولناک سمندر عوام کے روزگار کو نگلے جا رہا ہے۔ درمیانے اور چھوٹے درجے کے کاروبار سکڑنے کے نتیجے میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کا معیار زندگی تیزی سے گر رہا ہے۔ گویا ملٹی نیشنل کارپوریشنز کا مسئلہ صرف ایک کتابی یا افسانوی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہماری روزمرہ زندگیوں سے ہے اور یہ ہماری معیشت سے جڑا ہوا ایک اہم ایسا مسئلہ ہے کہ جو حیاتیاتی، سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی کے ہر پہلو کو براہ راست متاثر کر رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا تعلق ہماری انفرادی اور اجتماعی بقا سے ہے۔

دنیا کی 100 بڑی معیشتوں میں سے 71 ملٹی نیشنل کارپوریشنز ہیں اور 29 مختلف قومی ریاستیں ہیں۔ دنیا کی 200 بڑی معیشتوں میں 157 سے ملٹی نیشنل کارپوریشنز ہیں اور صرف 43 قومی ریاستیں ہیں۔ وال مارٹ کا سالانہ ریونیو دنیا کے 188 ممالک سے زیادہ ہے۔ اسی طرح رائل ڈچ کا سالانہ ریونیو دنیا کے

184 ممالک، یون کا رکھنی کا سالانہ ریونیو دنیا کے 183 ممالک، ایٹل کا سالانہ ریونیو دنیا کے 182 ممالک، ایگزون موئل کا سالانہ ریونیو دنیا کے 182 ممالک اور سام سنگ کمپنی کا سالانہ ریونیو دنیا کے 175 ممالک سے زیادہ ہے۔ ہنڈاموٹر، کارگل، امارون، جنرل الیکٹرک اور نسلے کا سالانہ ریونیو پاکستان سے زیادہ ہے۔ وال مارٹ سنورز کا سالانہ ریونیو 480 بلین امریکی ڈالر، امارون کا 280.5 بلین امریکی ڈالر، سام سنگ کا 206 بلین امریکی ڈالر، کارگل کا 114.7 بلین امریکی ڈالر اور جنرل الیکٹرک کا 95.214 بلین امریکی ڈالر ہے۔ جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سالانہ ریونیو 36 بلین امریکی ڈالر ہے۔ دودھ بیچنے والے نسلے کمپنی کا سالانہ ریونیو 93.46 بلین امریکی ڈالر ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ نسلے جیسی دودھ اور دھبی بیچنے والی کمپنی کا سالانہ ریونیو بھی پاکستان کے سالانہ ریونیو سے کئی گنا زیادہ ہے پیپسی کولا اور کولا کمپنی کا سالانہ ریونیو بھی پاکستان سے زیادہ ہے۔ پیپسی کولا کا سالانہ ریونیو 67.16 بلین ڈالر اور کولا کمپنی کا سالانہ ریونیو 37.27 بلین ڈالر ہے جبکہ ریاست پاکستان کا سالانہ ریونیو 36 بلین ڈالر ہے۔

اب ذرا معیشت کے حجم کے حوالہ سے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کی کل معیشت کا حجم 360.6 ٹریلین امریکی ڈالر ہے۔ اس میں سے امریکی معیشت کا حجم 105.99 ٹریلین ڈالر اور چینی معیشت کا حجم 63.9 ٹریلین ڈالر ہے۔ یہ دونوں بالترتیب دنیا کی پہلی اور دوسری نمبر کی معیشتیں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی معیشت کا حجم 0.37 ٹریلین ڈالر ہے۔ اب اندازہ کیجئے کہ پاکستان کے مقابلہ میں مانگرو سافٹ (1.35 ٹریلین ڈالر)، ایٹل (1.28 ٹریلین ڈالر)، (امازون) (1.23 ٹریلین ڈالر) فیس بک (0.58 ٹریلین ڈالر) علی بابا (0.54 ٹریلین ڈالر) کی معیشت کا حجم کئی کئی گنا زیادہ ہے۔ ایک یا دو نہیں بلکہ سینکڑوں ملٹی نیشنل کی معیشت کا حجم پاکستان جیسے ممالک کی معیشت کے حجم سے زیادہ ہے۔

دنیا کی پہلی 100 بڑی ملٹی نیشنل کارپوریشنز میں سے 27 امریکی اور 14 چینی ہیں۔ 105.99 ٹریلین کے حجم کی معیشت کا ساتھ امریکہ کے اندر دنیا کی 30% دولت ہے۔ امریکہ میں مقیم ملٹی نیشنل کارپوریشنز امریکی ریاست کی بجائے پرائیویٹ سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح امریکی ریاست کا دیا گیا حجم بھی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی معیشت کو شامل کر کے دیا گیا ہے۔ لیکن امریکہ اس وقت عالمی سرمایہ داروں کی پناہ گاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے پچاس فیصد کے قریب ادب پتی امریکہ کے اندر رہائش پذیر ہیں۔ باقی سرمایہ دار بھی زیادہ تر مغربی ممالک میں ہی رہائش پذیر ہے۔ دستیاب معلومات کے مطابق دنیا کے 70% ادب پتی نیویارک، واشنگٹن ڈی سی، لاس اینجلس، سان فرانسسکو، شکاگو، لندن، ہانگ کانگ، پیرس، ٹوکیو اور اوسا کا میں رہائش پذیر ہیں۔

عالمی سرمایہ داری کی تاریخ انسانی خون سے بھری پڑی ہے۔ سامراج کے غلبہ کی تاریخ کسی صحتمند تجارتی مقابلہ کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اجارہ داری، سٹ بازی، دھوکہ دہی، چوری، رہزنی اور انسانی قتلوں کی تاریخ ہے۔ قوموں کے صدیوں پرانے زرعی اور ادویاتی نظام کو تباہ کر کے انہیں عالمی منڈی کا محتاج کر دیا ہے۔ مقامی انڈسٹری کو ایک منظم سازش کے تحت مرحلہ وار تباہ کیا گیا ہے۔ یورپ تو ابھی تک صنعتی دور کی دہلیز پر کھڑا تھا جب ہندوستان کاشن انڈسٹری اور علم طب میں پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ بلکہ اس سے کئی سو سال قبل اسلامی طب اور کپڑے کا کاروبار پوری یورپی اقوام کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دنیا پر سرمایہ دارانہ سامراجی تسلط کے بعد پوری دنیا کی انڈسٹری پر شب خون مارا گیا۔ بڑی فاما سیونیکل کمپنیوں نے اپنی پٹیتھک ادویات کی مارکیٹ قائم کرنے کیلئے مقامی علم طب کے تمام مقامی اداروں کو تباہ کر دیا۔ کئی ایک کو بھاری رشوت دیکر کاروبار اور تحقیقی کام بند کرنے پر راضی کر لیا۔ کئی ایک کو مارکیٹ کے اندر قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی مار دیکر کاروبار بند کرنے پر مجبور کر دیا اور جو ان تمام تر فریب کاریوں اور لالچ سے بچ نکلے انہیں مافی طور پر قتل کر دیا گیا اور ان کے وارثان کو کاروبار بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ سامراجی قزاقوں نے مظلوم اقوام کے کاریگروں اور ماہرین کے ہاتھ تک کاٹ دیئے اور انہیں دریائے شور عبور تک کی سزائیں دیکر ملک بدر کر دیا تاکہ مقامی صنعت اور ٹیکنالوجی کے علم کو ختم کیا جاسکے۔

ملٹی نیشنل کارپوریشنز نے زندگی کے ہر شعبہ پر قبضہ کرنے کی منظم منصوبہ بندی اور مہارت حاصل کر لی ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ملٹی نیشنل کارپوریشنز نے نہایت عیاری کے ساتھ فصلات کے مقامی بیج ختم کر دیا اور دنیا بھر کی بیج انڈسٹری پر قبضہ کر لیا ہے۔ مقامی جزی بوٹیوں پر مشتمل علم جراثیم کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ صدیوں سے کاشت ہونیوالی فصلات کا بیج (Gene Pool) بھی ختم کرنے کے درپے ہے۔ اب دنیا کے کاشتکاروں کی ایک بڑی تعداد اپنی فصلات کی کاشت کیلئے ان ملٹی نیشنل کارروائیوں سے بیج خرید کر اپنی فصلات کاشت کرنے کی محتاج ہوتی جا رہی ہے اسلئے کہ ان کے پاس اپنا روایتی بیج کا صدیوں پرانا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اور ہا ہر ڈیج دوبارہ کاشت کرنے اور اگنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا کاشتکار ہر مرتبہ ان ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے بنائے ہوئے بیج کو خریدنے کا محتاج ہے۔ مقامی تحقیقاتی اداروں کے برابرا ان ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے مقامی کارندوں کے ذریعہ خرید لیا ہے لہذا وہ سوائے زبانی جمع فرج کرنے اور حکومت سے اپنی تنخواہیں کھری کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ ایک مجرمانہ فعل ہے مگر یہ جاری ہے۔

ایک دفعہ مارکیٹ پر اجارہ داری قائم کرنے کے بعد اب یہ ملٹی نیشنل کارپوریشنز دس روپے کی چیز ایک

ہزار روپے میں فروخت کر کے قوموں کی معیشت پر ڈاکہ زنی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ عالمی مارکیٹ میں سے نوے فیصد باہر ڈیٹیجوں پر صرف چند بڑی کمپنیوں کی براہ راست یا بلا واسطہ اجارہ داری ہے۔ جن میں کارگل (Cargil)، منسکو (Monsanto)، سنجنا (Syngenta)، بائیر (Bayer)، ڈاؤ (Dow) ڈوپونت (Dupont)، کیم چائنا (Chem China) اور BASF وغیرہ شامل ہیں۔ اب منسکو کا ہائز کے ساتھ الحاق اور سنجنا کا کیم چائنا کے ساتھ الحاق ہو گیا ہے۔ ڈاؤ اور دوپونت نے آپس میں ادغام کر کے کار ویتو Corveto کے نئے نام سے کام شروع کر دیا ہے۔ گویا اب ہر گزرنے والے دن کے ساتھ کارپوریشن الحاق اور ادغام کے نتیجہ میں عالمی سرمایہ داروں کی اجارہ داری مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان میں صرف ”کیم چائنا“ چین کے پبلک سیکٹر کے اندر چلنے والی واحد کمپنی ہے جبکہ دیگر تمام پرائیویٹ کمپنیاں ہیں۔ ان تمام کا سالانہ ریونیو بلین ڈالرز میں ہے اور سوائے چند ایک کے تمام کے ملازمین کی تعداد لاکھوں میں اور کاروبار عالمی سطح پر ہے۔

بیج انڈسٹری دنیا کی حساس ترین انڈسٹری ہے اسلئے کہ مقامی بیجوں کے خاتمہ اور باہر ڈیٹیجوں پر بیجوں کے بعد عالمی خوراک کا سارا انحصار ان ہی بیج پیدا کرنے والی کمپنیوں پر ہے۔ سوائے چین کے کسی بھی ملک نے بیجوں کی انڈسٹری (Gene Pool Industry) پر اپنا کنٹرول برقرار نہیں رکھا ہے۔ یہ سیکٹر تو اسلحہ سازی سے بھی زیادہ اہم ہے اسلئے کہ بغیر اسلحہ یا کمتر اسلحہ کے ساتھ تو لڑا جاسکتا ہے مگر بھوکا آدمی تو چند روز سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکتا اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ عالمی اجارہ داروں کی اس ”فوڈ سیکورٹی“ کے اسلحہ پر پوری پوری نظر ہے اور انہوں نے درر پردہ اس پوری انڈسٹری پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کمپنی کا ہیڈ کوارٹر چاہے کسی بھی ملک میں سوائے پبلک سیکٹر کمپنی کے، وہ عالمی ساہوکار ہر کمپنی کے حصص خرید کر اس کے مالک ہو جاتے ہیں۔ ای ٹی سی گروپ (ETC GROUP) کینیڈا کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر پیٹ موونی (Mooney) نے اس موضوع پر کما حقہ تحقیق کر کے یہ لکھا ہے کہ بڑی تیل کمپنیوں کے مالکان نے بہت پہلے ان بیج پیدا کرنے والی کمپنیوں پر قبضہ کرنے کیلئے ان کے اندر سرمایہ کاری شروع کر دی تھی۔ وہ لکھتا ہے:

“Companies like Standard Oil of New Jersey, which is now Exxon Mobil, got into buying seed companies and looking at ways they could use their fossil fuel industry interest – which, of course, is linked to fertilizers, and pesticides as well – to become a one-stop retail shop for agricultural inputs of different type”

ترجمہ: ”نوجرہ کی سٹینڈرڈ آئل جیسی کمپنیوں، جسے اب ایگزون موبیل کہا جاتا ہے، نے بیجوں کی کمپنیاں خرید کر تاشروع کر دیں تاکہ وہ اپنی ایندھن کی صنعت کے مفادات کا تحفظ کر سکیں جن کا غالباً کھادا اور کیزے مارادویات کے ساتھ تعلق ہے، تاکہ وہ زرعی مدخل کی ایک ہی جگہ پر دستیابی کی ایک کریانہ دکان کھول سکے۔“

یہ محض بہانہ سازی، مذاق اور دوسروں کو بیوقوف بنانے والی بات ہے تاکہ عالمی اجارہ داروں کے اصل عزائم (یعنی دنیا کی خوراک پر قبضہ کرنا) کو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھا جاسکے۔ گرن تیل کی صنعت کا کھادیا کیزے مارادویات کی تیاری کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ بیج کمپنیاں خرید کرنے کا مقصد دنیا کی فوڈ انڈسٹری پر براہ راست قابض ہونا ہے تاکہ اپنے عالمی اقلہ اریکلے لوگوں کی خوراک (Gene Pool) اور معیشت پر قبضہ کر کے انہیں عالمی استعمار کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا جاسکے۔

انسانی زندگی کے ساتھ ادویات کی فراہمی کا گہرا تعلق ہے۔ یہ سونے کی کانیں ہیں۔ ان کمپنیوں نے پوری دنیا کے طب کے نظام تباہ کر کے ایلو پیٹھک فارمیسی کی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ مارکیٹ میں اپنی اجارہ داری کی بنا پر یہ دس روپے کی چیز دس ہزار روپے میں فروخت کر کے پوری دنیا کو لوٹ رہے ہیں۔ دنیا کی فارماسیونیکل کمپنیوں کے سالانہ ریونیو سے ان کی لوٹ مار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دنیا کی دس بڑی فارما کمپنیوں کا سالانہ ریونیو 487.96 بلین ڈالر ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل دی جا رہی ہے:

NAME OF CORPORATION	ANNUAL REVENUE (In Billions)
Johnson & Johnson	\$82.6
Roche	\$63.85
Pfizer	\$51.75
Bayer	\$48.02
Novartis	\$47.45
Merck	\$46.84
GlaxoSmithKline	\$43.54
Sanofi	\$39.28
AbbVie	\$33.27
Abbot Lab.	\$31.90

تقریباً تین درجن سے زائد ایسی فارما کمپنیاں ہیں جن کا سالانہ ریونیو دس بلین امریکی ڈالر سے زیادہ ہے۔ ایسی ہی دیگر سیکٹروں فارما کمپنیاں ہیں جو ادویات اور طبی تحقیق کے شعبہ میں اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں۔ صحت کے شعبہ میں ان کی عالمی اجارہ داری کسی بڑے خطرے سے کم نہیں ہے۔ یہ کسی وقت بھی دنیا کو عالمی سطح یا علاقائی سطح پر کسی بڑی بیماری کا شکار کر سکتے ہیں یا کوئی ایسی ویکسین لا کر بازار میں فروخت کر سکتے ہیں جو نسل انسانی کو ذہنی یا نفسیاتی طور پر عدم توازن کا شکار کر سکتی ہے یا پھر ان کی نسلی افزودگی کی صلاحیت کو کم یا یکسر ختم کر سکتی ہے۔ اسی طرح حیوانات کی ادویات پر ان عالمی کمپنیوں کی مکمل اجارہ داری ہے۔ صدیوں سے لوگ مختلف علاقوں میں مقامی طریقہ علاج کے ذریعہ اپنی لائیو سٹاک کا علاج اور پرورش کرتے چلے آئے ہیں۔ ان ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بڑے ہی منظم طریقہ سے اس شعبہ پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے حیوانات کے اندر نئی قسم کی بیماریاں پیدا کر دی ہیں اور اپنی ادویات بچ کراربوں ڈالر کا رہے ہیں۔ دستیاب معلومات کی روشنی میں 2015 کی ایک رپورٹ کے مطابق اس کی مارکیٹ 34.5 ڈالر ہے جو کہ 2025 تک 58 بلین ڈالر تک پہنچ جائیگی۔

زندگی کے اہم شعبہ جات کے علاوہ بڑے سرمایہ دار نے زندگی کے سب چھوٹے بڑے شعبہ جات کو اپنی تحویل لے رکھا ہے۔ فوڈ اینڈ بیوریج کے شعبہ میں بھی ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری ہے۔ ذیل میں دنیا کی دس بڑی فوڈ اینڈ بیوریج کمپنیوں کی فہرست اور ان کا سالانہ ریونیو دیا جا رہا ہے:

NAME OF CORPORATION	ANNUAL REVENUE (In Billions)
Nestle.	\$ 93.46 billion
Pepsi Co. Inc	\$ 63.53 billion
Anheuser-- Busch InBev	\$ 56.44 billion.
JBS	\$46.2 billion
Tyson Foods	\$38.26 billion
The Coca Cola Company	\$ 35.4 billion
Mars	\$ 35 billion.
Archer Daniels Midland Company.	\$ 34.2 billion
Cargill.	\$ 30.5 billion
Danone	\$ 27.88 billion.

جانب منتقل ہو گیا ہے۔ چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے سارے کاروبار بند ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ای کامرس کے ذریعہ صرف برانڈڈ اشیاء کی ہی مانگ ہے۔ عام کاروباری لوگوں کے سنور بند ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس وقت یورپ اور امریکہ کے اندر دس بیس، پچاس نہیں بلکہ ہزاروں کے حساب سے چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار بند ہو کر دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ یہی ٹرینڈ اب تیسری دنیا کے ممالک میں بھی پھیل رہا ہے۔ ای کامرس کے نتیجے میں تیسری دنیا کے اندر چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار بند ہونے سے بیروزگاری قابو سے باہر ہو جائے گی اور بھوک سے مرنا شروع ہو جائیں گے۔ دنیا کی ساڑھے نو فیصد آبادی دنیا کے 84% وسائل پر قابض ہے۔ یہ دنیا کی 360.6 ٹریلین ڈالر کل دولت میں سے 266.7 ٹریلین ڈالر پر قابض ہے۔ دنیا کی نصف سے زیادہ دولت پر دنیا کی صرف ایک فیصد آبادی قابض ہے۔

دنیا کی دس فیصد آبادی دو ڈالر یومیہ سے کم کمائی ہے۔ دنیا کی شہری آبادیوں کا ایک تہائی شہری مضافاتی علاقوں میں تمام سہولیات سے محروم زندگی گزار رہا ہے۔ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی بجلی کی سہولت سے محروم ہے۔ دنیا کی اسی فیصد آبادی دس ڈالر یومیہ سے کم کماتی ہے۔ دنیا کے 750 ملین لوگ پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں۔ اوکسفوم کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی دس کارپوریشنز کارپوریٹ دنیا کے ایک سو اسی ممالک سے زیادہ ہے۔ دنیا کے چھ بڑے میڈیا ہاؤسز نے دنیا کی 90% خبروں پر قبضہ ہے۔ اس روئے زمین کے وسائل پر دنیا کے ساڑھے سات ارب انسانوں کا حق ہے۔ اگر اس پر چند سو خاندان قابض ہو جائیں گے (جو کہ اس وقت قابض ہو چکے ہیں) تو باقی دنیا فاقی کشی کا شکار ہو کر مر جائے گی یا پھر ان نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے انسانیت کی سرفرازی کیلئے ایک بڑی مقدس جنگ شروع کرے گی۔

اسی طرح بڑے سرمایہ داروں کے دنیا کے طویل عرض میں قائم کردہ سپر سنور درمیانہ درجہ کا دکانداروں اور چھابڑی فروشوں کے روزگار کو تباہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں وال مارٹ (Walmart) دنیا کا سب سے بڑا سپر سنور شمار کیا جاتا ہے۔ اسکے ملازمین کی تعداد 2.3 ملین بیان کی جاتی ہے اور اس کا سالانہ ریونیو 480 ملین امریکی ڈالر سے زیادہ بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ستائیس ممالک میں اسکی شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اسی طرح سیون الیون (7-Eleven) کے 46000 آؤٹ لیٹ دنیا کے سولہ ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ صرف امریکہ میں اسکی 7800 جاپان میں 15000 تھائی لینڈ میں 6800 شاخیں کام کر رہی ہیں۔ کیئر فور (Carrefour) اس کا سالانہ ریونیو 91.2 ملین امریکی ڈالر سے زیادہ اور اس کے ملازمین کی تعداد 364.9969 اس کے دنیا کے تقریباً دو درجن ممالک (بشمول پاکستان) کے اندر سپر سنور کام کر رہے ہیں۔ سپار (SPAR) کی دنیا کے اڑتالیس ممالک کے اندر 12,777 شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اس کا سالانہ

یونیو 40 بلین امریکی ڈالر اور اس کے ملازمین کی تعداد 350,000 ہے۔ ایملڈ کی (ALDI) کا کاروبار دنیا میں ممالک کے اندر کام کر رہا ہے۔ دنیا میں اس کے 10,363 آؤٹ لیٹ کام کر رہے ہیں۔ اس کا سالانہ یونیو 34.8 بلین امریکی ڈالر اور اس کے ملازمین کی تعداد 162,579 ہے۔ لڈل (LIDL) کی دنیا کے ان ممالک میں 10,000 شاخیں قائم ہیں۔ اس کا سالانہ یونیو 28.2 امریکی ڈالر اور اس کے ملازمین کی تعداد 315,000 ہے۔ ٹیسکو (TESCO) کی دنیا کے تیرہ ممالک میں 6800 شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اس کا سالانہ یونیو 75.4 بلین امریکی ڈالر سے زیادہ ہے۔ اور اس کے ملازمین کی تعداد 445,311 ہے۔ آہولڈ ڈیلہائی (Ahold Delhaize) کا کاروبار دنیا کے گیارہ مختلف ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے 6,637 شاخیں ہیں۔ اس کا سالانہ یونیو 70.9 بلین امریکی ڈالر ہے اور اس کے ملازمین کی تعداد 370 ہے۔ اسی طرح کے اور درجنوں ملٹی نیشنل سپر سٹور دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں۔

اب ذرا اندازہ کیجئے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی سپر سٹور پاکستان کے کسی کرپٹ حکمران کو بھاری دیکر (جو پاکستان کے موجودہ حالات کے مطابق کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے) ملک کے بڑے وں کے اندر پانچ سات سو شاخیں کھول دیتا ہے تو پھر یہاں کے چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے دکانداروں ان کے ملازمین کے روزگار کا کیا بنے گا؟ تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کے اندر حکومت نے ان میگا سٹورز اجازت دیکر سرمایہ داروں کو خوش کر دیا مگر اپنے ملک کے کروڑوں چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے دیواری لوگوں اور ان کے ملازمین کو معاشی طور پر تباہ کر دیا ہے۔ کیا یہ سرمایہ دارانہ معاشی دہشت گردی نہیں

بڑے سپر سٹورز نے پہلے یورپ اور امریکی کے اندر درمیانی درجہ کا کاروبار ختم کئے مگر چونکہ وہاں پر ادارے مضبوط تھے لہذا انہوں نے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت بڑی صنعتوں کے پھیلاؤ کے درمیانہ طبقہ کے کاروبار سکڑنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی معاشی ابتری اور بے روزگاری پر قابو پالیا اور کیٹ سیکٹر کے اندر روزگار کے مواقع پیدا کر کے عوام الناس کو متبادل روزگار فراہم کر دیا۔ اس سلسلہ میں دیغسل کمپنیوں نے بھی مغربی حکومتوں کا بھرپور ساتھ دیا اس لئے کہ وسیع پیمانہ پر پھیلنے والی سیاسی عدم موہاں کپیٹلزم کے خلاف ایک رد عمل پیدا کر کے کمیونسٹ قوتوں یا عیسائی مذہبی قوتوں کو مضبوط کر کے ازم کو لٹا کر سکتا تھا اور عالمی استعمار کی قابض صیہونی قوتوں کیلئے خطرہ بن سکتا تھا، جیسا کہ پہلی جنگ عظیم بعد جرمنی میں ہوا۔ اگرچہ اس بات کو کپیٹلزم اور صیہونیت کے حامی مسلسل چھپا رہے ہیں کی نازی ازم کی بنیاد پرستانہ پالیسی کا سبب محض آریانس کی برتری کے یقین پر ہی نہیں تھا بلکہ پہلی جنگ عظیم کی شکست

کے نتیجہ میں جرمنی کو اندر برپا ہونے والی تباہی اور بیروزگاری کے ساتھ بھی اس کا بہت ہی گہرا تعلق تھا۔ تیسری دنیا کے اندر ہونے والی معاشی تباہی اور بیروزگاری سے نمٹنے میں نہ تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی یہاں کوئی محب وطن فعال حکومتیں کام کر رہی ہیں۔ یہاں تو بین الاقوامی اسٹبلشمنٹ کی قائم کردہ کچھ چنی حکومتیں کام کر رہی ہیں۔ یہ بھوکے ننگے عوام کو معاشی ریلیف اور روزگار فراہم کرنے کی بجائے ان پر ریاستی تشدد کی آگ برسائیں گے۔ مالیاتی ادارے مفلوک الحال عوام کو پہلے تو ”ریلیف“ کے نام پر ”کنزیومر کریڈٹ“ کی ”سہولت“ فراہم کریں گے پھر نادہندگان کے خلاف ریاستی اداروں کی قوت استعمال کر کے ان کی جمع پونجی اور دستیاب املاک اور گھر بار قرق کریں گے۔ یہ عالمی معاشی غارتگر پوری دنیا کو رواں دواں اور بوسنیا ہرزیگووینا میں تہذیب کے پتے پر تلے ہوئے ہیں۔

ریاستی اقتدار اعلیٰ کو کیسے بحال کیا جائے؟

ہمارے معاشی اور سیاسی اقتدار اعلیٰ پر اس وقت سامراجی قوتوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ہمارا وزیر خزانہ اور سٹیٹ بینک کا گورنر عالمی اداروں کی منظوری سے مقرر ہوتا ہے۔ ہمارا سالانہ بجٹ عالمی اداروں کی منظوری سے بنتا ہے۔ سامراج ہمارے ہر شعبے زندگی پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تک کی منظوری عالمی اداروں سے لی جاتی ہے تو پھر ریاستی اقتدار اعلیٰ کہاں ہے؟ پاکستان اس وقت تجارتی خسارہ کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی باہر سے درآمد کی جا رہی ہے۔ یہ بات کتنی المناک اور محسوس خیز بھی ہے کہ جو ملک ایٹم بم تو بنا سکتا ہے وہ سرور کی گولی نہیں بنا سکتا۔ وہ اپنی فصلوں پر چھڑکنے کیلئے زرعی ادویات اور چوہ مار دوائی نہیں بنا سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا اس مجرمانہ غفلت کی انکوائری نہیں ہونی چاہئے؟ اس وقت پاکستان اربوں ڈالر کی زرعی اور انسانی ادویات بیرونی ممالک سے درآمد کر رہا ہے۔ کیا یہ چیزیں ملکی سطح پر تیار کر کے قیمتی زرمبادلہ بچایا نہیں جاسکتا اور تجارتی خسارہ کو کم نہیں کیا جاسکتا؟ اصل حقیقت یہ ہے ملک پر مسلط سامراجی ٹولہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس وقت مسئلہ عالمی اداروں کے چنگل سے آزاد ہونے کا ہے۔ اس کیلئے ایک مربوط اور منظم حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ اس کیلئے اختیار کئے جانے والے طریقوں میں سے چند ایک حسب ذیل ہو سکتے ہیں:

مقامی صنعتوں اور ٹیکنالوجی کی بحالی

عالمی سرمایہ دار ٹولے نے ایک ایک کر کے دنیا کی ساری مقامی صنعتوں اور تباہ کیا۔ ہر معاشرہ کا

اس اپنا خود کفالت پر مبنی معاشی نظام تھا۔ وہ صدیوں سے اپنی زندگیاں گزارتے چلے آ رہے تھے۔ ان کی انسانی ادویات بھی تھیں اور لائیو سٹاک کی ادویات بھی تھیں۔ اس وقت بیماریوں کے نتیجے میں انسانوں اور جانوروں کے اندر اموات کی شرح بھی آج کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ جعلی اعداد و شمار کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ پرانے وقتوں میں شرح اموات بہت زیادہ تھی اور انسان کی اوسط عمر بہت کم تھی۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف واقعہ اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ آج سے صرف پچاس سال پہلے انسانوں کی عمریں سو سو سال تک تھیں اور انہیں کسی بیماری نے چھوا تک نہ تھا۔ مگر آج انتہائی پیچیدہ بیماریاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ پہلے وقتوں میں جنگیں بھی ہوتی تھیں اور لوگ زخمی بھی ہوتے تھے۔ ہر معاشرہ کے اندر حکیم اور جراح موجود تھے۔ انتہائی شدید زخموں کا بھی کامیاب علاج کیا جاتا تھا۔ جدید فاموسیونیکل کمپنیوں نے باقاعدہ ایک مذموم مہم کے ذریعہ ان تمام مقامی ادویات اور جراحوں کے خلاف ریاستی نہیں شروع کر کے ان کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب دنیا ان بڑی سرمایہ دار فاموسیونیکل کمپنیوں کے رحم و کرم پر چل رہی ہے۔ پاکستان کے اندر لے دے کے صرف ”اجمل دواخانہ“، ”ہمدرد دواخانہ“، ”قرشی دواخانہ“، ”مرحبا دواخانہ“، ”اشرف دواخانہ“، ”لائانی دواخانہ“ یا پھر چند دیگر چھوٹے موٹے دواخانے بچ گئے ہیں۔ نجانے دیکھے بچ گئے ہیں؟

فصلیات پر پے در پے زہریلے کیڑوں کے حملے بھی ملٹی نیشنل زرعی کمپنیوں کے آنے کے بعد ہی شروع ہوئے ہیں۔ ان زرعی ادویات نے کسان کے دوست کیڑے مار دیے تاکہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کاروبار ترقی کرتا رہے۔ ہمارے تحقیقاتی ادارے نہ جانے کس کے اشارے پر سوئے ہوئے ہیں اور عرصہ ہوا کہ وہ سوائے حکومت سے بھاری بھر کم تنخواہیں لینے کے اور کچھ بھی نہیں کر رہے۔ زرعی یونیورسٹیز کا کوریج انتہائی ناقص اور غیر عملی نوعیت کا ہے۔ یہی حال لائیو سٹاک اور جنگلات کا ہے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ سالہا سال سے ان اداروں کی کارکردگی صفر چل رہی ہے۔ سوائے زبانی جمع خرچ کے کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ زرعی سائنسدان کہاں سوئے ہوئے ہیں اور حکومت کہاں سوئی ہوئی ہے؟ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ کسی بیرونی ایجنڈے کا حصہ ہے۔

خود ہمارے ملک پاکستان میں ہر قسم کے ماہرین موجود ہیں جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور نسلی تجربہ کی بنیاد پر مہارت حاصل کی ہے مگر بیرون ملک سے ”ڈگری یافتہ جاہل“ انہیں کام کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔ سوشل میڈیا پر یہ بات چلتی رہی ہے کہ جب ہمارے ایٹمی سائنسدان سنٹری فیوگل مشین جس کے ذریعہ یورینیم افزودہ کیا جاتا ہے (کو بنانے میں ناکام ہو گئے تو مشہور ہے کہ گوجرانوالہ کے

ایک معمولی کاریگر ”بابو لوہار“ نے چشم زدن میں وہ کام کر دکھایا اور ایٹمی سائنسدانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اگر حکومت ان مختلف شعبوں کے مایہ ناز کاریگروں کیلئے قومی اور مقامی سطح پر تحقیقاتی سنٹرز قائم کر دے اور انہیں مالی امداد فراہم کرے تو یہ روایتی کاریگر ہماری درس گاہوں کے ”رٹوٹلوٹوں“ سے کہیں بہتر کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ درہ آدم خیل کے لوہار اسلحہ سازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اگر انہیں اسلحہ سازی کا کوئی مناسب ماسک دیا جائے تو شاید وہ جدید ترین اسلحہ میں کوئی نیا کارنامہ انجام دے دیں۔

ڈسک اور گوجرانوالہ کے مستری اپنی مثال آپ ہیں۔ ضلع پاکپتن تحصیل عارفوالہ کے ایک خوانچہ فروش نے مقامی سطح پر انتہائی کم قیمت میں طیارہ تیار کر کے اسے اڑانے کا کامیاب تجربہ کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔ اسی طرح پشاور کے مضافاتی علاقے لنڈی ارباب سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں قاضی سجاد احمد اور قاضی طفیل احمد نے اپنی ذاتی کاوش سے لائٹ ویٹ (ہلکا ترین) ہیلی کاپٹر تیار کر کے اور اس کی کامیاب پرواز کر کے سب کو حیران کر دیا۔ اگر ہم ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں اور ایک ”نیشنل ٹیلنٹ پول“ تشکیل دیں تو یہ لوگ ایسے کارہائے نمایاں انجام دے سکتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جائے۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے زیر زمین فن ہوئے علمی خزانوں کو تلاش کر کے مقامی صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجیز کو از سر نو بحال کیا جائے۔ کسی وقت اسلامی طب دنیا میں اپنے عروج پر تھی۔ مغرب نے آہستہ آہستہ اس علم کو ختم کر کے اپنی فارمیسیوٹیکل انڈسٹریز قائم کیں۔ ہمیں فوری طور پر ایسی تحقیقی لیبارٹریز قائم کرنی چاہئیں جو ہماری طب کو از سر نو زندہ کر کے مغرب کی فارمیسیوٹیکل انڈسٹریز کو خیر باد کہنے کا راستہ ہموار کر سکیں۔ کرم کش ادویات کے معاملہ بھی قومی سطح پر تحقیقاتی کام کو فروغ دیا جائے تاکہ ریاستی سطح پر اپنی ادویات تیار کر کے قیمتی زر مبادلہ بچایا جاسکے اور اپنے کسانوں کو سستی کرم کش ادویات فراہم کی جاسکیں۔ اسی طرح الیکٹرونکس، اسلحہ سازی اور دیگر صنعتوں کو بھی چھوٹے اور بڑے پیمانے پر شروع کر کے ملک کو خود کفالت کی راہ پر گامزن کیا جائے تاکہ قومی خود مختاری کا تحفظ کیا جاسکے۔

مصنوعی اور غیر نمائندہ قیادت کا مسئلہ

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندوستانی مسلمانوں کے اندر بیداری کی لہر پیدا کر کے ایک زرخیز سیاسی کلچر پیدا کیا اور ہندو اور انگریز کی مخالفت کے باوجود پاکستان حاصل کر لیا۔ قائد اعظم کے پاس کوئی فوج نہیں تھی۔ قائد اعظم نے محض ایک مضبوط سیاسی کلچر کے زور پر انگریز اور ہندو کی مشترکہ سیاسی اور عسکری قوت کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ریاست صرف اسلحہ اور بارود کی طاقت سے نہیں بلکہ سیاسی کلچر کی طاقت سے وجود میں آتی ہے۔ ایک مضبوط

یہاں ٹیچر کسی ریاست کو زندہ رکھنے کی ضمانت ہو سکتا ہے اور یہ سیاسی کلچر عوام کی ریاستی معاملات میں براہ راست شمولیت سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی قوم کی قوتِ ارادی اس کے سیاسی کلچر کا ہی داخلی مظہر ہوتی ہے۔ سیاسی کلچر جتنی قوم پھوڑ سے ریاست بھی توڑ پھوڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔ سیاسی کلچر پیدا کرنے کیلئے اقلیتی اشرافیہ کی جانب غائب الناس کی ریاستی معاملات میں شراکت داری ضروری ہے۔ کسی قوم کی قوتِ ارادی اس کے سیاسی کلچر کا ہی داخلی مظہر ہے۔

آزادِ پاکستان کی مثال سامنے رکھیں تو قائدِ اعظم کی وفات کے فوری بعد ریاستِ پاکستان پر مصنوعی قیادت قبضہ کر لیا۔ افسر شاہی اور مصنوعی سیاستدانوں کی بھرمار ہو گئی۔ عوامی جمہوریت کی جگہ محلاتی دہشتوں نے لے لی۔ قومی سیاسی جماعتوں کو پینے کا موقع نہیں دیا گیا۔ سیاسی جماعتوں کے خاتمہ سے پیدا ہونے والے خلا کو افسر شاہی اور مصنوعی سیاستدانوں کے ذریعہ پر کرنے کی کوشش کی گئی۔ غلام محمد، چوہدری محمد علی، محمد علی بوگرہ، سکندر مرزا اور جنرل ایوب جیسے سرکاری ملازمین نے ایک منظم سازش کے ذریعہ اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ افسر شاہی کے کارندے یہ بات سمجھنے سے یکسر عاری تھے کہ ریاست ایک سیاسی کلچر کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور سیاسی کلچر کے مرنے سے مر جاتی ہے۔ قومی وفاقی کلچر کی جگہ بلدیاتی کلچر متعارف کروایا گیا جس سے قومی سطح پر ایک بڑا گہرا سیاسی اور آئینی خلا پیدا ہو گیا۔ اس سیاسی خلا میں مرکز گریز قوتیں زور پکڑ گئیں اور سیاسی بے چینی قابو سے باہر ہو گئی اور پاکستان دو ٹکٹ گیا۔ افسر شاہی اور مصنوعی سیاستدان اس بات کو سمجھ ہی نہ سکے کہ سیاسی کلچر کیا ہوتا ہے اور ریاست کی بقا کے لئے یہ کیوں ضروری ہے؟

تاریخی افسر شاہی چونکہ علمِ سیاسیات کی حروفِ ابجد سے بھی واقف نہیں تھی لہذا وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہی کہ سیاسی کلچر کے بکھرنے سے ریاست بکھر جایا کرتی ہے اور ملک ٹوٹ جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں جمہوریت اعتبار سے اتنے کمزور نہیں تھے مگر بنگالی عوام کی مخالفت نے ہندوستان کے حق میں پانسہ پلٹ دیا۔ مشرقی پاکستان کی شکست فوجی نہیں بلکہ سیاسی تھی۔ فوجی شکست سیاسی شکست کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی اور سیاسی شکست سیاسی کلچر کے خاتمہ کی وجہ سے عمل میں آئی۔ ایک عظیم سیاسی کلچر ہی ایک عظیم عوامی فوج کو جنم دیتا اور اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیتا ہے۔

علمِ سیاسیات کا یہ طے شدہ اصول ہے کہ سیاسی جماعتوں کے کارکنان اور قائدین چونکہ ملک کی ہر گلی گھر پر بندہ پر موجود ہوتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا مستقل رابطہ ہوتا ہے اس لئے سیاسی جماعتیں ملکی نمائندگی اور وفاقی اتحاد کی علامت بھی ہوتی ہیں۔ سیاسی جماعتیں سیاسی کلچر پیدا کرتی ہیں جبکہ مصنوعی قیادت اور افسر شاہی اس سیاسی کلچر کا خاتمہ کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں مصنوعی قیادت اور افسر شاہی کی حکومت ملکی

سلامتی پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔

نئے سامراجی انتظامات کے تحت مقامی مافیا اور عالمی مافیا کے مفادات ایک دوسرے کے ساتھ واسطہ دیوہ واسطہ ہیں۔ کوئی بھی قومی حکومت جب مقامی یا عالمی مافیا کے مفادات کا رروائی کی کوشش کرے تو یہ دونوں قسم کے مافیا فوری طور پر اس حکومت کیخلاف سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ قومی مافیا مقامی جاگیرداروں، جنگلی سرداروں، پیشہ ور مذہبی رہنماؤں، میڈیا کے نمائندوں، سرمایہ داروں، سمگلروں، عالمی سرمایہ داروں کے فرنیچرزی لوگوں این جی اوز کے ملازمین اور ریاستی افسر شاہی کے کارندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سامراج نے تیسری دنیا کے تمام مقتدر اداروں اور بااثر گروہوں کے اندر اپنے مراعات یافتہ ایجنٹ بھرتی کر رکھے ہیں۔ یہ سامراج کا پالتو گردہ ہے جو عالمی مافیا کی سرپرستی میں کام کرتا ہے۔ یہ گروہ کسی بھی عوامی ایجنڈا رکھنے والی قیادت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس سلسلہ میں ایران کے ڈاکٹر مصدق، انڈونیشیا کے سویکارنو، کانگو کے پیئرس لومبا، الجزائر کے احمد بن بیلہ، چلی کے آلیانڈے اور پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو کی مثالیں بطور ثبوت موجود ہیں جہاں سیاسی ابتری کے ذریعہ فوجی مداخلت کا جواز پیدا کیا گیا۔ ان تمام ممالک میں متذکرہ بالا قیادت کے خلاف مقامی اشرافیہ کے ذریعہ سیاسی ابتری پیدا کر کے فوجی مداخلت کا جواز پیدا کیا گیا۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ان مافیاز نے موروثی روایات کی حامل سیاسی اور مذہبی جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ یہ گروہ عالمی سامراج کو تیسری دنیا کے ممالک پر معاشی اور سیاسی حملہ گیری کیلئے ایک غیر مقدس رابطہ کار کا کام دیتا ہے۔ یہی وہ 'غیر مقدس پل' ہے جس پر سے گزر کر عالمی سامراج تیسری دنیا پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ملکی سلامتی اور عوامی فلاح کیلئے عوامی طاقت کے زور سے اس پل کو توڑنا ہی وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اس پل کو توڑے بغیر ملک کے اندر نہ تو کوئی عوامی جمہوری حکومت قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی سامراجی مداخلت سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

عالمی مافیا عالمی ساہوکاروں، میڈیا اور عالمی ساہوکاروں کی آلہ کار امریکی اور مغربی ریاستوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اگر ان مافیا گروہوں کے مفادات کو ضرب لگائی جائے تو مقامی اور عالمی مافیا باہم متحد ہو کر ملک کے اندر انتشار اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ سیاسی کلچر کی ابتری پیشہ ورافواج کو سیاست کے خارزاروں میں کھینچ اٹتی ہے۔ فوج ایک قومی اثاثہ ہے۔ فوج کی سیاسی معاملات میں شرکت نہ صرف فوج کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو متاثر کرتی ہے بلکہ اسے سیاسی طور پر متنازعہ بھی بنا دیتی ہے۔ اس سے قومی وحدت اور قومی تحفظ کے مضبوط بندھن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔

غیر جمہوری اور افسر شاہی کی زنگ آلود ذہانت سے چلائی جانے والی آمرانہ حکومتوں کے نتیجہ میں پیدا

ہونے والے سیاسی خلا سے مصنوعی قیادتیں جنم لیتی ہیں جو اپنے عوام اور ریاستی مفادات سے۔ سرف نا آشنا اور نا بلند ہوتی ہیں بلکہ قومی وژن سے محروم محض بلدیاتی سطح کے ذہن کی مالک ہوتی ہیں۔ مصنوعی قیادتیں پونہ خود مافیا گروہوں کا مجموعہ ہوتی ہیں لہذا وہ ملکی مفادات کو پس پشت ڈال کر اپنی جیبیں بھرنے میں لگی رہتی ہیں۔ ایسے میں معاشی تباہی مقدر بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں عوامی نمائندگی رکھنے والی جماعتیں اور قومی کچھر میں منظر میں چلے جاتے ہیں۔ عوام اور حکومت کا رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ غیر سیاسی قوتیں سرگرم عمل ہو جاتی ہیں اور ملکی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ عوام کو بیوقوف بنانے کیلئے بسا اوقات جعلی انتخابات کروائے جاتے ہیں۔ ان انتخابات کو کروڑوں کی سرمایہ کاری کے کھیل میں تبدیل کر کے درمیانہ اور غریب طبقہ کو الیکشن لڑنے کی صلاحیت سے عملی طور پر محروم کر دیا جاتا ہے۔ جرائم پیشہ اور سامراجی دلالوں کی حکومت قائم ہو جاتی ہے جو جمہوریت کے مقدس نام پر ایک سیاسی دھوکہ اور شعبد بازی ہے۔ پاکستان ایسی مصنوعی قیادتوں کی بدترین مثال ہے جہاں ان مصنوعی قیادتوں نے اپنے ذاتی مفادات اور اپنے سامراجی سرپرستوں کی ردیل خواہشات کی تکمیل کیلئے ملک کو کرپشن کی آماجگاہ بنا دیا۔ صرف کمیشن کمانے کی غرض سے غیر ضروری طور پر اربوں ڈالر کے قرضے لے کر کے ملک کا معاشی مستقبل داؤ پر لگا دیا گیا۔ اس معاشی تباہی کے نتیجے میں پاکستان کی سیاسی آزادی اور خود مختاری محض ایک تماشہ بن کر رہ گئی ہے۔ پاکستان کو عالمی قوتوں کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ عوام کو بھاری بھر کم ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبا کر ان کے اندر حسب الوطنی کے جذبات کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی وہ سیاسی اور معاشی قیمت ہے جو پاکستان ان مصنوعی قیادتوں کے منک پر قابض ہونے کے نتیجے میں ادا کر رہا ہے۔ اس وقت پاکستان کی سیاسی اور معاشی خود مختاری داؤ پر لگی ہوئی ہے۔

سامراج اور اس کے مالیاتی اداروں سے جان چھڑانا اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا کہ ملک کی غدار قیادت سے جان چھڑانا مشکل ہے۔

ان سامراجی دلالوں کی ایک بڑی اکثریت کی جائیدادیں، کاروبار، رہائشیں اور بچے امریکہ یا برطانیہ سے اندر رہائش پذیر ہوتے ہیں اور ان کے سارے مفادات عالمی طاقتوں کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ جب تک اس سامراجی گروہ کو سیاسی طور پر غیر فعال نہیں کیا جاتا سامراج کے خلاف مورچہ بند ہونا ناممکن عمل بات ہے۔ اس کام کیلئے عوام کا ”متحدہ محاذ“ بنا کر ان کے اندر سامراجی گماشتوں کے خلاف سیاسی شعور پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ عوامی جمہوری قوتیں ملک کی کمان سنبھال کر اپنے ملک کے وسائل کا دفاع کر سکیں اور اسے معاشی غلامی سے نجات دلا سکیں۔

پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت میگا پراجیکٹس کا اجرا

ملک کے اندر ریاست کی معاشی عملداری قائم کرنے اور ریاستی خزانہ کو بھرنے کیلئے پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت بہت سے شعبے قائم کئے جانے چاہئیں۔ ان شعبہ جات میں کلیدی اور حساس نوعیت کی صنعتیں جیسا کہ اسلحہ سازی، معدنیات کی کھدائی، فارماسیوٹیکل، پتھری سائینڈ وغیرہ کی میڈیو فیکچرنگ اور تجارتی کاروبار ہونا چاہئے۔ اس سے ملک کو اربوں ڈالر کا منافع حاصل ہوگا اور عوام کو بہتر اور معیاری پرائیویٹ کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے گی۔ ہمارے ہمسائیہ ملک بھارت میں پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت بڑی بڑی فیکٹریاں اور ایر پورٹس تک تعمیر کئے گئے ہیں جس سے ریاست اور عوام دونوں کو بیش بہا فائدہ پہنچا ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جس میں ہمیں بطور خاص غیر ممالک میں آباد پاکستانیوں کو شراکت کی دعوت دینی چاہئے تاکہ بڑے میگا پراجیکٹ مکمل کر کے نہ صرف از سر نو ملکی صنعت کی بنیاد رکھی جاسکے بلکہ عوام اور ریاست کی فلاح کیلئے بڑے پیمانے پر یونیڈ انکٹھا کیا جاسکے۔

نئے شہروں کی آباد کاری

اسلامی تعلیمات کے مطابق جب شہروں کی آبادی ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو نئے شہر آباد کئے جائیں۔ نئے شہر آباد کرنے سے نہ صرف پرانے شہروں پر آبادی کا بوجھ کم ہو جاتا ہے بلکہ ان پرانے شہروں میں جرائم اور شہری سہولتوں کا انفراسٹرکچر بھی متاثر ہونے سے بچا جاتا ہے۔ نئے شہر آباد کرنے سے نہ صرف روزگار اور کاروبار کے نئے مواقع پیدا ہوتے ہیں بلکہ سستے مکانات کی سہولیات بھی میسر آتی ہیں۔ حکومتی سرپرستی میں نئے شہر آباد کرنا منافع کمانے میں ایک قسم کی سونے کی کانیں ہیں جن سے بیش بہا منافع کما کر کے قومی خزانہ بھرا جاسکتا ہے۔ حکومت پر لازم ہے کہ ملکی معیشت کو فائدہ دینے کیلئے پرائیویٹ ہاؤسنگ سوسائٹیز پر مکمل پابندی عائد کرے۔ پرائیویٹ سرمایہ کاروں کی جگہ ریاست اپنی ریاستی انجینئریوں کے ذریعہ ان کا ترقیاتی کام مکمل کروا کر عوام کو سستی رہائش کی سہولت فراہم کرے اور سرکاری خزانہ کو اس سے بھرے۔ اس پر خرچہ بہت ہی معمولی آئے گا جبکہ آمدنی اربوں روپیوں کی ہوگی اور عوام کو بغیر کسی دھوکہ کے سستے پلاٹ اور شہری سہولیات میسر ہوں گی۔

ٹورازم انڈسٹری

پاکستان اس اعتبار سے دنیا کا خوش قسمت ترین ملک ہے کہ اس کے پاس وادی سندھ اور نیکسلا کے تاریخی نوادرات کی شکل میں دنیا کے عجائبات موجود ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے دنیا کے سیاحوں کی توجہ حاصل کی

جاسکتی ہے۔ پاکستان کی سر زمین میں دلوں پر ہیبت طاری کر دینے والے وسیع و عریض لقمہ و دق صحرا ہیں جنہیں سیاحوں کے سامنے قدرت کی دلفریبیوں اور شکار گاہ کے روپ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے پاس سکرو بلتستان میں دنیا کے خوبصورت ترین برف پوش پہاڑی سلسلے اور ان سے بہتے چشمے اور گنگناتے دریائی سلسلے موجود ہیں۔ پاکستان کے پاس ہزار میل کے قریب دلکش نوعیت کا سمندری ساحل موجود ہے۔ ہم اس پر بیسیوں جگہ دنیا کے دلفریب مناظر سیاحوں کو پیش کر سکتے ہیں اور اس سے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری ملک میں لا کر روزگار کے مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ حکومت پرائیویٹ۔ پبلک شراکت داری کی بنیاد پر اربوں روپے کے محصولات اکٹھے کر سکتی ہے۔

پاکستان فطری حسن کے اعتبار سے دنیا کا خوبصورت ترین ملک ہے۔ پاکستان کے پاس کے۔ ٹو، ٹانگا پر بت اور را کا پوشی جیسی فلک پوش بریلے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں۔ پبلک۔ پرائیویٹ میگا پراجیکٹس کے تحت یہاں درجنوں کے حساب سے سیاحتی مقامات تیار کئے جاسکتے ہیں جو اپنی دلکشی کے اعتبار سے ڈزنی لینڈ اور سوئزر لینڈ سے زیادہ سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہیں۔ حکومت نے صرف اجازت نامہ جاری کرنا ہے۔ باقی سارا کام پرائیویٹ سرمایہ کار خود ہی کر لیں گے۔ حکومت مفت میں منافع کے اندر شراکت دار بن جائے گی۔ اس صنعت سے حکومت کو کچھ سرمایہ کاری کئے بغیر کروڑوں بلکہ اربوں روپوں کی آمدنی ہو سکتی ہے۔

دنیا کے اندر نور ازم کی صنعت ریونیو پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مثال کے طور پر اس صنعت سے سالانہ کی بنیاد پر امریکہ میں 244,708 ملین ڈالر، سپین 60,605 ملین ڈالر، برطانیہ 55,558 ملین ڈالر، تھائی لینڈ 53,465 ملین ڈالر، جرمنی 52,129 ملین ڈالر، فرانس 50,883 ملین ڈالر، جھن 44,432 ملین ڈالر، اٹلی 40,373 ڈالر، ہانگ کانگ 37,976 ملین ڈالر اور آسٹریلیا میں 34,475 ملین ڈالر ریونیو پیدا کیا جا رہا ہے۔ سوئزر لینڈ میں سالانہ اس صنعت سے 17.4 بلین سوئس فرانک (CHF) کمائے جاتے ہیں۔ سوئزر لینڈ میں 170,000 لوگ اس انڈسٹری میں کام کرتے ہیں۔

کینیڈا کی مصنوعی طور پر تیار کی گئی جھیل ”نیا گرافالز“ کی صرف ٹکٹوں کی فروخت کی سالانہ آمدنی 400 ملین ڈالر ہے۔ اس جھیل سے سالانہ 4.9 ملین کلو واٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ایک سال میں تقریباً 30 ملین لوگ اس جھیل کی سیر کیلئے آتے ہیں۔ اسی طرح فرانس میں صرف ”بافل ٹاور“ کی سیر کیلئے ہر سال سات ملین لوگ آتے ہیں اور اس کی داخلہ ٹکٹوں کی فروخت سے سالانہ ایک سو ملین ڈالر کے قریب آمدنی ہوتی ہے۔ ان اعداد و شمار سے اس صنعت کے حجم اور سالانہ منافع کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سرکاری زمینوں کی لیزنگ

حکومت کے پاس مختلف شہری علاقوں اور قصبوں میں انتہائی قیمتی سرکاری زمینیں خالی پڑی ہیں۔ شہروں کے اندر مختلف سرکاری دفاتر، کالجز، سکولوں اور دیگر جگہوں سے منسلک سرکاری زمینیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ضلعی اور تحصیل کی سطح پر بڑے سرکاری عہدیداران کی کئی کئی ایکڑ میں رہائش گاہیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر زمینیں شہروں کے وسط یا کمرشل جگہوں پر واقع ہیں۔ ان جگہوں پر کمرشل پلازے بنائے جاسکتے ہیں۔ یہ جگہیں مختلف کاروباری حضرات کو ایک معقول پگڑی اور ماہانہ کرایہ پر دی جاسکتی ہیں۔ تعمیر کی ذمہ داری لیز ہولڈر پر ڈالی جاسکتی ہے۔ اس طرح حکومت کوئی رقم خرچ کئے بغیر اربوں روپے کا سالانہ ریونیو اکٹھا کر سکتی ہے۔

ڈیموں کی تعمیر

پانی پاکستان کی بقا کیلئے از حد ضروری ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی صنعت اور شہری آبادیوں کو بھی پانی کی اشد ضرورت ہے۔ سندھ طاس معاہدہ کے تحت پاکستان راوی، ستلج اور بیاس کے پانیوں سے پہلے ہی دستبردار ہو چکا ہے۔ ہندوستان چناب، جہلم اور سندھ کے پانیوں پر بھی رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ افغانستان دریائے کابل کا پانی روکنے کیلئے ڈیم تعمیر کر رہا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو آنیوالے دنوں میں پانی کی شدید قلت کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ہمارا لاکھوں کیوسک پانی ہر سال سمندر کی نذر ہو رہا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ حکومت خود اپنے فنڈز سے یا پھر پبلک۔ پرائیویٹ شراکت داری کی بنیاد پر فوری طور پر جنگلی بنیادوں پر درجنوں کے حساب سے چھوٹے بڑے پختہ یا مٹی کے بنے ڈیموں کی تعمیر شروع کر دے جس میں کہ سیلاب اور بارشوں کے دنوں میں ضائع ہونے والے زائد پانی کو ذخیرہ کیا جاسکے۔ تمام تر ذاتی اور سیاسی مفادات کو بلائے طاق رکھتے ہوئے کالا باغ ڈیم کی فوری تعمیر شروع کروائی جائے۔

جنگلات کی کاشت میں اضافہ

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو وسیع و عریض زرخیز اور قابل کاشت زمینوں سے نوازا ہے لیکن جہالت اور نا کبھی کی وجہ سے پاکستان میں جنگلات کی کاشت کل قابل کاشت رقبہ کے 4% فیصد سے بھی کم ہے۔ درخت نہ صرف صحت مند آب و ہوا اور انسانی صحت کے لئے ضروری ہیں بلکہ ایک بہت بڑی اضافی آمدنی کا بھی ذریعہ ہیں۔ حکومتی مشینری اور سیاسی قیادت نے سوائے زبانی جمع خرچ کے اس جانب کبھی توجہ نہیں دی۔ اگر حکومت ہر بستے گھر کے اند یا باہر ایک درخت اور ہر قابل کاشت ایکڑ زمین کیلئے دس درخت لگاتا

لازمی قرار دیدے تو نہ صرف ملکی آب و ہوا پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہو گئے بلکہ شخصی اور ملکی آمدنی میں بھی بے حد و بے حساب اضافہ ہو گا بشرطیکہ حکومت ایک منظم پالیسی کے تحت فرنیچر کو گھریلو صنعت کا درجہ دیدے اور بیرون ملک فرنیچر کی فروخت میں اپنے شہریوں کی مدد کرے۔ اگر حکومت اپنی زمینوں پر جنگل کاشت کروانے میں سنجیدگی سے دلچسپی لے تو نہ صرف ملکی بجٹ کیلئے اس شعبہ سے خاطر خواہ آمدنی ہو سکتی ہے بلکہ موسمی تبدیلیوں کے مہلک اثرات سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ حکومت کی سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ جنوبی پنجاب کے چند اضلاع میں ایک لاکھ ایکڑ سے زیادہ قابل کاشت محکمہ جنگلات کی زمین کئی عشروں سے خالی پڑی ہے۔ شہباز شریف حکومت نے پبلک۔ پرائیویٹ شراکت داری بنیاد پر اس زمین کے قطعے بنا کر جنگل پھشت کرنے کیلئے ”جنوبی پنجاب فاریسٹ کمپنی“ تشکیل دی۔ اس کی ساری کاغذی کارروائی مکمل ہو گئی مگر عمران حکومت میں بیٹھے چند لینڈ مافیا گروہوں نے یہ سکیم ہی ختم کروادی کہ بعد ازیں اسے اپنے ذاتی مفاد کے مطابق استعمال میں لایا جاسکے۔ حالانکہ اس سکیم پر حکومت کا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں ہوتا تھا۔ یہ امر ارج کے گماشتوں کی نااہلی حکومتوں کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

لایو سٹاک پرائیکٹس کا اجراء

پاکستان دنیا کا پانچواں بڑا دودھ پیدا کرنے والا ملک ہے۔ پاکستان کے دودھ اور دودھ سے بنی اشیا دنیا برآمد کیلئے پورا مشرق وسطیٰ اور بہت سے دیگر ممالک کھلے پڑے ہیں۔ نسلے اور چند دیگر پرائیویٹ کمپنیاں کسانوں سے بہت ہی سستی قیمت پر دودھ خرید کر لے جاتی ہیں اور اسکے اندر معمولی ویلیو ایڈیشن (Value Addition) کر کے کئی گنا زیادہ منافع کماتی ہیں۔ ہماری حکومتیں اتنی خال ہیں کہ وہ اپنے لایو سٹاک فارمرز کو دودھ کے محفوظ کرنے یا اس میں معمولی ویلیو ایڈیشن کرنے اور اس کیلئے مناسب مارکیٹنگ کی سہولیات فراہم کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتیں اور کروڑوں کی تعداد میں لایو سٹاک فارمرز انتہائی غربت اور کمپیری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

پاکستان زرعی ملک ہونے کے ناطے اپنے مال مویشیوں کیلئے ہر قسم کے چارہ جات کیلئے مکمل طور پر خود کفیل ہے۔ پاکستان کے پاس ساہیوال نسل کی گائے اور راوی۔ نیلی کی بھینس کی شکل میں دنیا کی سب سے زیادہ دودھ دینے والا لایو سٹاک موجود ہے جس کا سیمن (Siemen) ہم آہستہ آہستہ مضائع کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے کسانوں کو اس بات کا شعور دیں کہ وہ ویسی نسل کے گھنیا لایو سٹاک کی جگہ اعلیٰ نسل کی ساہیوال نسل کی گائے اور راوی۔ نیلی نسل کی بھینس کی پرورش کریں۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں میں بھی اعلیٰ نسل کو ترجیح دیں۔ گھنیا اور ویسی نسل کے لایو سٹاک کی پرورش پر قانونی

پابندی عائد کی جائے۔ دودھ کی بیرون ملک برآمد کیلئے اور مارکیٹنگ خاطر خواہ انتظامات کئے جائیں تاکہ ہمارے کسانوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے اور دودھ اور اس سے بنی اشیا کی برآمد سے ملک کیلئے زرمبادلہ میں اضافہ کیا جاسکے۔

ہائیڈل اور پن چکی منصوبوں کے ذریعہ بجلی کی پیداوار

پاکستان کے پاس سارا سال بہنے والے دریا اور نہروں کا ایک مربوط نظام ہے۔ سرگنگرام (جو کہ ایک ہندو سول انجنیر تھا) نے 1925 میں لاہور سے تقریباً سو کلومیٹر کے فاصلہ پر رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ میں لوئر باری دو آب کینال کے پانی کو ربائن کے ذریعہ ایک آبشار کی شکل میں استعمال کر کے ایک بجلی گھر تعمیر کیا جو آج تک نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ یہ بجلی گھر ایک میگا واٹ بجلی پیدا کر رہا ہے۔ یہاں بجلی پیدا کرنے کی لاگت آج (2020) کے حساب سے ایک روپیہ فی یونٹ سے بھی کم ہے۔ اس وقت اس چھوٹے سے پراجیکٹ کے ذریعہ گرد و نواح کو بجلی فراہم کر کے 55000 ہزار ایکڑ زرخیز مین آباد کی گئی اور لوگوں کو گھریلو استعمال کیلئے بھی بجلی فراہم کی گئی جب پورے علاقہ میں بجلی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہ ایک ہندو کار فاد عامہ کا پراجیکٹ تھا۔ عوام کو بجلی بغیر کسی نفع کے اصل نرخوں پر فراہم کی گئی۔ یہ نہر لوئر باری دو آب ہیڈ بلوکی سے نکل کر کئی سو میل کا فاصلہ طے کر کے ضلع ملتان کے علاقہ میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ صرف اس ایک نہر سے ہزاروں میگا واٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس جیسی کئی درجن سے زیادہ نہریں پاکستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں جن سے ایک روپیہ فی یونٹ سے کم خرچ میں بجلی پیدا کی جاسکتی ہے اور عوام سے دو تین گنا وصول کر کے بھی حکومت کو سالانہ اربوں کے حساب سے منافع ہو سکتا ہے۔

اسی طرح 1937 میں مالاکنڈ میں دریائے سوات کے پانی کو ایک سرنگ سے گزار کر بجلی پیدا کی گئی اور اس سے آگے بھی دریائے سوات پر کئی دیگر مقامات پر اسی طریقہ سے بجلی پیدا کی گئی۔ اس وقت اس پراجیکٹ سے 120 میگا واٹ بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔ اس کو درگئی پراجیکٹ کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں پر بجلی پیدا کرنے کی لاگت بھی ایک روپیہ فی یونٹ سے کم ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق صرف اس ایک چھوٹے سے دریا پر 25000 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ (بحوالہ بی بی سی نیوز ڈاکومنٹری اسلام آباد)

اسی طرح پن بجلی منصوبوں میں بھی بجلی کی پیداوار پر چند ٹکوں سے زیادہ خرچ نہیں آتا ہے۔ پوری دنیا کے اندر پن بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔ یہ بھی پانی سے چلنے والا ایک پراجیکٹ ہے مگر پاکستان میں اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نہروں پر پانی کا تھوڑا سا رخ تبدیل کر کے ماضی میں پن چکیاں لگا کر بجلی

پیدا کی جاتی رہی ہے اور اس سے گھریلو استعمال کے علاوہ آٹا پیسنے والی چکیاں تک چلائی جاتی رہی ہیں۔ برطانیہ میں اس وقت ایسی ہی پن چکیوں کے ذریعہ کل قومی پیداوار کا 20% اور پاکستان میں محض 6% پیدا کیا جا رہا ہے جبکہ پاکستان رقبہ اور پانی کی فراوانی کے لحاظ سے برطانیہ سے کہیں بڑا ملک ہے۔

اس ملک کے جرائم پیشہ کمیشن مافیا حکمرانوں نے اس سستی ترین ہائیڈل بجلی پیدا کرنے کی بجائے انتہائی مہنگی تھرمل بجلی پیدا کی اور غیر ملکی کمپنیوں سے انتہائی مہنگے سودے طے کئے جن کی قیمت پاکستان کے عوام اور خود ریاست پاکستان ادا کر رہی ہے۔

کان کنی کے شعبہ پر توجہ

پاکستان ریگزاروں، چٹیل میدانوں دریاؤں اور پہاڑوں کی سرزمین ہے۔ اس میں قدرت نے بے بہا خزانے چھپا رکھے ہیں۔

بلوچستان اور وزیرستان میں سونے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ بلوچستان کے ضلع چاغی میں سونے کے ذخائر دریافت ہوئے جو ہماری جرائم پیشہ بددیانت قیادت نے ضائع کر دیئے۔ کراچی میں تیل کے ذخائر دریافت ہوئے جنہیں عالمی دباؤ اور ذاتی کرپشن کی وجہ سے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔ جہلم کے قریب سالٹ رینج میں دنیا کا قیمتی ترین خالص نمک پایا جاتا ہے جسے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ سوات میں دنیا کے قیمتی ترین پتھر پائے جاتے ہیں جنہیں مٹی کے بھاؤ خام حالت میں فروخت کیا جا رہا ہے۔ پنجاب کے شہر چنیوٹ میں سونا اور چاندی کے ذخائر دریافت ہوئے مگر سامراج کے دلالوں نے ہر چیز پر پانی پھیر دیا۔ علاوہ انہیں پاکستان میں کاپر، کرومائیٹ، بکسائیٹ، یورینیم اور کوئلہ کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گیس، تیل، ٹانگیم، لوہا، ایلومینیم، جیسم اور قیمتی ترین گرینائٹ ماربل پایا جاتا ہے۔ اگر منافع کی شراکت داری کی بنیاد پر ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں کے اشتراک سے اس شعبہ پر کام کیا جائے تو پاکستان دنیا کا خوشحال ترین ملک بن سکتا ہے۔

سمندری خوراک کے شعبہ پر توجہ

سمندر اپنے دامن میں انسانی خوراک کا لامحدود ذخیرہ سمیٹے ہوئے ہے۔ سمندر کے اندر پائی جانے والی انواع و اقسام کی مچھلی انسانی خوراک اور توانائی کا ایک اصول ذریعہ ہے۔ پاکستان کے ساتھ کئی ہزار کلو میٹر سمندر لگتا ہے جس میں دنیا کی مہنگی ترین مچھلی پائی جاتی ہے۔

اگر سائنسی اور منظم طریقہ سے اس پر کام کیا جائے تو نہ صرف اس سستی سمندری خوراک سے ملکی

ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں بلکہ پھل کی برآمد سے کروڑوں ڈالر زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔ یہ شعبہ پاکستان میں مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔

کانچ انڈسٹری کا عامۃ الناس کی سطح (Grass Root Level) تک اجرا

کانچ انڈسٹری ہی وہ امرت دھارا ہے جو معاشرہ سے غربت اور بیروزگاری کا خاتمہ کرتی ہے۔ کسی بھی معاشرہ کے سیاسی استحکام کیلئے ایک مضبوط درمیانہ طبقہ کا وجود ضروری ہے جو بغیر چھوٹی صنعتوں کے ایک مربوط جال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چھوٹی صنعتیں کسی ملک کی معیشت اور روزگاری فراہمی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو غربت کم کی جاسکتی ہے اور نہ ملٹی نیشنلز کی تیار کردہ عالمی منڈی کی پراڈکٹس پر انحصار کم کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ یہ بہت زیادہ پھل اور سبزیاں پیدا کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے مگر مناسب سنورینج اور پراسسنگ سہولتوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہمارا اربوں روپے مالیت کا پھل اور سبزیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پاکستان دنیا میں چھنا سب سے زیادہ دودھ پیدا کرنے والا ملک ہے۔ نیسلے جیسی سرمایہ دار کمپنیاں یہ دودھ نکلے سیر خرید کر اربوں ڈالر کا منافع کما رہی ہیں۔ یہ کوئی بہت بڑی سرمایہ کاری کا کام نہیں ہے اسے آسانی چھوٹے سنورینج اور پراسسنگ یونٹ نصب کر گھریلو صنعت کے طور پر چلایا جاسکتا ہے۔ حکومت کو صرف اپنے کسانوں کی تربیت، چھوٹے صنعتی قرضے اور عالمی منڈیوں میں مارکیٹنگ کا بندوبست کرنا ہے جو قطعی طور پر کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ پورا مشرق وسطیٰ ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ پھل، سبزی اور دودھ کی پراسسنگ کا کام ہر جگہ پھیلی گھریلو صنعت کے سپرد ہونا چاہئے۔ اس کو برآمد کر کے نہ صرف اربوں ڈالر زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔

بلکہ ہمارا کسان اور زرعی شعبہ بھی انتہائی خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور ملک کے اندر سے بیروزگاری کا بھی سو فیصد خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح دیگر شعبہ جات میں بھی گھریلو صنعتوں کو رواج دیکر ملک کو خوشحال کیا جاسکتا ہے۔ محدود پیمانے پر لوگ پہلے بھی ایسا کام کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈسکہ، میانچوں اور اوکاڑہ کے اندر زرعی مشینری کی تیاری اور اسی طرح چنیوٹ اور گجرات میں بین الاقوامی معیار کے فرنیچر کی تیاری، سیالکوٹ میں آلات جراحی، لیڈر جیکٹس، اور کھیلوں کے سامان کی تیاری، گوجرانوالہ میں فینسی لائنس، سرائیکس، سینی ٹیشن اور بہت سادہ گھریلو سامان گھریلو صنعت کے طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ ان جیسی صنعتوں کو وسعت دے کر ملک میں روزگار اور سرمایہ کے مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ قالین سازی، ریڈی میڈ کارمنٹس، چمڑی کرافٹ، ایمر نیڈری، گھریلو سجاوٹ کی اشیاء، فینسی آئینز، سرائیکس، سینی ٹیشن کا سامان اور ظروف سازی جیسی درجنوں

صنعتیں ایسی ہیں جنہیں گھریلو صنعت کے طور پر ترقی دی جاسکتی ہے۔ ان تمام صنعتوں کیلئے خام مال اور انفرادی قوت وافر مقدار میں موجود ہے صرف سست تبدیل کرنے اور تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

کانچ انڈسٹری کے بغیر کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ کانچ انڈسٹری ایک مضبوط مڈل کلاس کو جنم دیتی ہے جو معاشرتی اور سیاسی توازن کے ساتھ عوامی خوشحالی کی بھی ضمانت ہے۔ کانچ انڈسٹری کے نتیجہ میں ملک کے اندر اضافی دولت پیدا ہوتی ہے اور غربت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کانچ انڈسٹری کے نتیجہ میں مقامی سطح پر بے پناہ روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور ملک سے بیروزگاری کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کانچ انڈسٹری کے نتیجہ میں ضرورت کی اشیاء مقامی سطح پر تیار اور دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ملٹی نیشنل اور بیرونی منڈیوں پر انحصار ختم ہو جاتا ہے۔ درآمدات میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ملک کا "بیلنس آف ٹریڈ" متوازن ہو جاتا ہے۔ کانچ انڈسٹری کے نتیجہ میں ملک کے مختلف علاقوں اور قومیتوں کا ایک دوسرے پر انحصار بڑھتا ہے جس سے قومی وحدت کا ایک مضبوط تصور جنم لیتا ہے۔

کانچ انڈسٹری کو قومی سطح پر کامیاب کرنے کیلئے صرف مندرجہ ذیل چار کام کرنے کی ضرورت ہے جو آسانی سے کئے جاسکتے ہیں:

(i) مختلف دیہی آبادیوں اور میونسپل حدود کے اندر ہزاروں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی سال انڈسٹریز کے قیام کو ممکن بنایا جائے۔ ان صنعتوں کی کامیابی کیلئے ضروری افراسٹرکچر اور دیگر سہولیات کی فراہمی کو ممکن بنا کر عوام کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔ امداد باہمی کی انجمنوں کے ذریعہ ان بنیادی چھوٹی صنعتوں کی تیار کردہ اشیاء کی اندرون اور بیرون ملک فروخت کیلئے "مارکیٹنگ کسٹمر سنٹرز" قائم کئے جاسکتے ہیں۔

(ii) کانچ انڈسٹری کو کامیاب بنانے کیلئے متعلق حکومت کی جانب سے متعلقہ شعبہ جات میں اعلیٰ معیار کی ٹیکنیکل تربیت کا انتظام کیا جائے تاکہ کاروباری حضرات (Enterpreneuers) اپنے متعلقہ شعبہ جات میں ضروری مہارت حاصل کر سکیں۔

(iii) حکومت کانچ انڈسٹری کی حوصلہ افزائی کیلئے چھوٹے اور بلا سود قرضہ جات کے اجرا کو یقینی بنائے۔ (یاد رہے کہ پاکستانی بنکار بہت مہنگی شرح سود پر قرضے جاری کر رہے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں مغربی ممالک اور جاپان کے نجی بنک بہت کم شرح سود پر قرضے جاری کرتے ہیں۔ حکومت اس سلسلہ میں غیر ملکی بنکوں سے مذاکرات کر کے ان سے انتہائی سستی شرح سود پر قرضے حاصل کر کے اپنے غریب عوام کو سہڈی کی بنیاد پر بلا سود قرضے جاری کر سکتی ہے)۔

(iv) حکومت ریاستی سطح پر تیار شدہ اشیاء کی ملکی اور غیر ملکی مارکیٹنگ کے ایک مربوط اور خود کار نظام کا

انتظام کرے تاکہ تیارہ کردہ اشیا کی فوری اور مناسب قیمت پر فروخت کو یقینی بنایا جاسکے۔

افراد کی قوت کی بیرون ملک کھپت

پاکستان میں افرادی قوت وافر تعداد میں موجود ہے۔ مغربی دنیا اور جاپان جیسے ممالک کے اندر آبادی میں کمی کی وجہ سے لاکھوں کی تعداد میں چھوٹے بڑے ہر سطح کے کاریگروں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہنرمندوں کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے کم پڑھے لکھے لوگوں کو بھی چھ ماہ یا ایک سال کی ٹیکنیکل اور ووکیشنل تربیت دیکر ان کے کیلئے بیرون ملک روزگار کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ ان کے کمائے ہوئے زر مبادلہ سے ملک کو بھی فائدہ ہوگا اور عوام میں بھی خوشحالی آئے گی۔

لازمی فوجی تربیت

پاکستان کا اپنے روانتی دشمن بھارت سے مقابلہ ہے جو پاکستان سے چھ گنا بڑا ملک ہے۔ اسی طرح پاکستان کو افغانستان، اسرائیل اور دیگر کچھ ممالک سے بھی ہر وقت حملہ کا خطرہ رہتا ہے۔ ان حالات کے اندر اپنی داخلی سلامتی اور خود مختاری کو برقرار رکھنے کیلئے ایک بڑی فوج کی ضرورت ہے۔ اپنی معاشی حالت کے پیش نظر پاکستان ایک بہت بڑی فوج رکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر مرد و عورت کو لازمی فوجی تربیت حاصل کرنے کا پابند کیا جائے۔ اس سے ایک تو عوام کے اندر حب الوطنی کا جذبہ راسخ ہوگا دوسرے فوج کیلئے عوام کے ذہنوں میں محبت پیدا ہوگی۔ اس سے ایک جانب قومی صحت کا معیار بہت بہتر ہو جائے گا اور دوسری جانب کسی بھی ایمر جنسی کی صورت میں یہ تربیت یافتہ افرادی قوت پاکستان کی ریگولر فوج کیلئے ایک بہت بڑی مدد ثابت ہوگی اور ملک کا دفاع ناقابل تسخیر ہو جائیگا۔

خصوصی ایکسپورٹ زونز (Export Zone) کا قیام

یہ بات ریاست پاکستان اور ہر پاکستانی کیلئے باعین شرم ہے کہ نیسلے اور کوکا کولا جیسی معمولی کمپنیوں کا سالانہ ریونیو بھی پاکستان کی مجموعی برآمدات سے زیادہ ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں پرائیویٹ سرمایہ داروں کو اعتماد میں لے کر ان کے ساتھ پبلک۔ پرائیویٹ شراکت داری کے اصولوں کے تحت مختلف شعبہ جات کی صنعتوں کیلئے پرائیویٹس وضع کئے جائیں اور ان پرائیویٹس کی کامیابی کے لئے ایکسپورٹ زونز قائم کئے جائیں۔ ان ایکسپورٹ زونز میں ہر قسم کی بنیادی سہولتوں کے علاوہ ہمہ وقت بجلی اور سوئی گیس کا ابھام کیا جائے۔ ان صنعتوں کیلئے انتہائی کم ریٹ پر بجلی اور گیس کی فراہمی کو یقینی بنایا

جائے۔ ٹیکس کی شرح بہت مناسب رکھی جائے تاکہ عالمی منڈیوں میں دیگر کمپنیوں کے مقابلہ میں سستی اور معیاری اشیاء کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے۔ اگر مطلوبہ سہولیات فراہم کر دی جائیں تو صرف گوجرانوالہ یا فیصل آباد کے ایک ڈویژن سے ہی اتنی برآمدات ہو جائیں گی کہ اکیلا ایک ڈویژن ہی ملک کے تجارتی خسارہ کو ختم کرنے کیلئے کافی ہوگا۔

پرائیویٹائزیشن کا خاتمہ

بین الاقوامی مافیا یعنی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے مالکان نے پوری دنیا کی صنعت پر قبضہ کرنے کیلئے ایک عظیم سازش کے تحت دنیا کے اندر پرائیویٹائزیشن اور فری مارکیٹ اکانومی کا جال بچھایا گیا۔ اس سے ایک طرف تو انہوں نے قومی ریاستوں کو ان کی کلیدی صنعتوں سے محروم کر کے مستقل طور پر اپنا دست نگر بنالیا ہے، اور دوسری جانب ان صنعتوں کے اندر کچھ حصص مقامی سرمایہ کاروں کو دیکر انہیں مستقل طور پر اپنا ہتھیار بنالیا جائے۔ حکومت کو پرائیویٹائزیشن کے فوائد کے سنہرے خواب دکھانے کے لئے خود ہر حکومت کی کابینہ اور افسر شاہی میں عالمی سرمایہ داروں کے زر خرید دلال بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کا بھی دباؤ ڈلوایا جاتا ہے کہ خسارہ میں چلنے والے یونٹ پرائیویٹائز کئے جائیں ورنہ آئندہ قرضے نہیں دئے جائیں گے۔ اس کا طریقہ واردات بڑا ہی سادہ سا ہے۔ پہلے اس قومی صنعت کو ایک سازش کے تحت خسارہ میں لا کر اس کی بھاری خسارہ کی بیلنس شیٹس تیار کی جاتی ہیں۔ اس ادارہ کو اہل اصلاح قرار دیا جاتا ہے۔ پھر میڈیا پر اسکے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر کے اسے سفید ہاتھی قرار دے کر اس کی اونے پونے داموں پرائیویٹائزیشن کا راستہ ہموار کیا جائے۔ چہ جائیکہ خسارہ میں چلنے والی ان صنعتوں کو پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت یا ایک مخصوص شرح منافع پر صنعتکاروں کو لیز پر دے کر از سر نو فعال کیا جائے۔ حکومتی کابینہ اور افسر شاہی میں بیٹھے سامراجی ایجنٹ انہیں کوڑیوں کے بھادو غیر ملکی کمپنیوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال کراچی کی ”کے۔ الیکٹرک“ ہے جس نے اب کراچی کے عوام کا جینا دو بھر کیا ہوا ہے اور کراچی کے اندر خانہ جنگی جیسے حالات پیدا کرنے کی مجرمانہ سازش میں ملوث ہے۔

علاقائی تجارتی منڈیوں کا قیام

سرمایہ ایک بین الاقوامی طاقت ہے اور اسے صرف بین الاقوامی اتحاد کے ذریعہ شکست دی جاسکتی ہے۔ عالمی سرمایہ داری کا سارا انحصار منڈی کی معیشت اور عالمی استحصال پر ہے۔ جس دن سامراج کی بین

الاقوامی منڈیاں بند ہو گئیں نظام سرمایہ داری اسی دن دھڑام سے زمین پر آ گرے گا۔ جس دن یہ منڈیاں بند ہو گئیں اور سامراج کو ان منڈیوں سے نکال دیا گیا عالمی سرمایہ داری کا اسی دن جنازہ نکل جائے گا۔ سامراج ان ممالک کی منڈیوں پر اپنے مقامی گماشتوں کی حکومتیں قائم کر کے عالمی استحصال کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ از حد ضروری ہے کہ اپنے دوست اور نظریاتی ہمسایہ ممالک کے ساتھ بلکہ ایک علاقائی تجارتی منڈی قائم کی جائے اور وہاں سے ”بارٹر سسٹم“ کے تحت درآمدات اور برآمدات کی تجارت کو فروغ دیا جائے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مکمل بائیکاٹ

ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے آزادانہ آپریشنز پر پابندی عائد کی جائے۔ جن چیزوں کی ملٹی نیشنل کارپوریشنز سے خرید ضروری ہو وہ حکومت خود انٹر نیشنل ٹینڈر کے ذریعہ ریاستی سطح پر خرید کر کے نیچے عوام تک پہنچانے کیلئے ڈیلر نیٹ ورک کو تھوک نرخوں پر فراہم کرے اور ہر چیز کا فکس ریٹ مقرر کرے تاکہ عام شہری کو اس سے فائدہ پہنچے۔ جب اشیاء کی خرید عالمی منڈی سے بذریعہ ٹینڈر کی جائے گی تو اشیاء کے نرخ انتہائی کم ہو جائیں گے جس میں سے ایک معقول منافع ریاست اپنے پاس رکھ کر انتہائی سستے داموں وہ اشیاء ڈیلر حضرات کو فروخت کر سکتے ہیں جو حکومت کے مقرر کردہ نرخوں پر عوام کو فروخت کرنے کے پابند ہوں گے۔

عالمی تجارت کے اس دور میں آپ اپنے ملک کیلئے ضرورت کی اشیاء دنیا میں کہیں سے بھی سستے مسابقتی نرخوں پر اجتماعی سودا کاری کے اصولوں کے تحت تیار کروا کر اپنے عوام کو انتہائی سستے داموں فراہم کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی ٹینڈرز کے ذریعہ کوئی بھی ملک اپنے عوام کیلئے زرعی ادویات سے لیکر فاما سیونیکل اور دیگر اشیاء ضرورت تک با آسانی تیار کروا سکتا ہے۔ مارکیٹ سے یہ چیزیں ادھار قیمت پر بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ فارماسیونیکل، ایگری کیمیکلز، کنزیومر آئٹمز وغیرہ کا مال دوسری فیکٹریوں سے آؤٹ سورسنگ (Outsourcing) کی بنیاد پر ہی تیار کروا کر تھوک ریٹ پر ڈیلر نیٹ ورک کو فروخت کیا جائے۔ یہ منافع بروکرز اور صنعتکاروں کی بجائے خزانہ سرکار میں آنا چاہئے۔ اس میں حکومت خود امپورٹر کا کردار ادا کر کے اربوں روپے منافع کما سکتی ہے اور اپنے عوام کو بھی خاطر خواہ ریلیف بھی دے سکتی ہے۔ اس طریقہ کار سے ہمیں اور بھی کئی طرح کے مفادات حاصل ہوں گے۔ مثال کے طور پر:

(1) ملک کے اندر سے ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (2) عوام کو سستے داموں اشیاء کی فراہمی ممکن ہو سکے گی جس سے عوام کو نہ صرف خالص اور معیاری اشیاء میسر آئیں گی بلکہ ان کا معیار زندگی بھی بلند ہوگا۔ (3) پہلے جو منافع درآمد کنندہ اور درمیانی دلال کھاتے تھے اب وہی منافع حکومتی خزانہ میں جائے گا۔

مارکیٹ اکانومی کا خاتمہ

عالمی ساہوکار ایک پرفریب ڈاؤ چیج اور غیر محب وطن حکومتوں کو رشوت کے ذریعہ قرضہ کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ ایک دفعہ قرضہ کے جال میں پھانس لینے کے بعد عالمی ساہوکار اپنے مقروض کے خون کا آخری قطرہ تک چوڑ کر اس کی ہڈیاں تک چبا جاتے ہیں۔ ایک دفعہ قرضہ لیکر اگلے سگلے کرنے یا غیر ضروری منصوبوں میں استعمال کر لینے کے بعد مدتوں تک اس قرضہ کا سود ادا کرنا پڑتا ہے اور سرکاری بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ ان قرضوں اور سود کی ادائیگی کی نظر ہو جاتا ہے۔ دفاع، تعلیم، صحت اور دیگر فلاحی سرگرمیوں کیلئے بہت ہی معمولی رقم بچ جاتی ہے۔ بلکہ سود کی ادائیگی تک کیلئے عالمی سطح پر منت سماجت کر کے دوبارہ قرضہ لینے کی نوبت آ جاتی ہے۔ جو ملک ایک مرتبہ ان عالمی ساہوکاروں کے ہتھے چڑھ جائے تو پھر اس کا اس جنجال سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے اور ملکی حاکمیت بین الاقوامی ساہوکاروں کو منتقل ہو جاتی ہے جو ریاست کی ہر سیاسی اور معاشی پالیسی میں مداخلت کرتے ہیں اور اس ملکی اثاثوں کو اپنے پاس گروی رکھ لیتے ہیں۔ پبلک سیکٹر کے خاتمہ کے بعد حکومت کے ذرائع آمدنی میں اور بھی کمی واقع ہو جاتی ہے اور ان عالمی قرضوں کی ادائیگی ایک ناممکن عمل بن جاتی ہے۔

کوئی بھی ملک اس وقت تک نہ تو معاشی خود مختاری حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی قرضوں کی دلدل سے باہر نہیں نکل سکتا جب تک کہ اس کا پبلک سیکٹر مضبوط نہ ہو اور اسکی برآمدات درآمدات کے مقابلہ میں زیادہ نہ ہوں۔ تجارتی خسارہ کو ختم کئے بغیر اور پبلک سیکٹر کو مضبوط کئے بغیر کوئی ملک ادائیگیوں کا توازن اپنے حق میں بہتر نہیں کر سکتا۔ ملکی معیشت کو مضبوط کرنے کیلئے پبلک سیکٹر کو مضبوط کرنا اور تمام قسم کی غیر ضروری درآمدات پر پابندی لگانا ضروری ہے ورنہ معاشی خود مختاری محض ایک خواب ہی رہے گی۔ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ جب معاشی خود مختاری ختم ہو جائے تو سیاسی خود مختاری بھی زیادہ عرصہ تک کیلئے برقرار نہیں رہ سکتی۔

منڈی کے ساتھ منسلک جنوب مشرقی ایشیا کی معیشتیں (جنہیں کبھی "ایشین ٹائیگرز" کہا جاتا تھا) محض چند ہفتوں کے اندر ایک عالمی سٹہ باز جارج سوروس کے ہاتھوں ایک جھٹکے کے ساتھ زمین بوس ہو گئیں۔ اس المناک کہانی کی روئداد واقعہ کے معنی شاہد ملائیشاء کے ہر وزیر اعظم مہاتیر محمد کی زبانی سنئے۔ انہوں نے اپنی کتاب "A New Deal For Asia" میں لکھا ہے کہ:

"پھر اچانک ایک روز وہ ہوا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایشیائی معجزہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ جولائی 1997 کے پہلے ہفتہ میں ایشیائی معجزہ راتوں رات ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ ملائیشاء میں ہماری کرنسی کی قیمت چھ ماہ میں 40 فیصد کم ہوئی۔ تھائی بھات کی قیمت 55 فیصد گر گئی اور انڈونیشیائی روپیہ 80

فیصد گر گیا۔ جس کے نتیجے میں ہمارے لوگوں کی سات سے آٹھ سو ملین امریکی ڈالر کی قوت خرید میں کمی واقع ہو گئی۔ ہمیں ایک سال کے دوران تقریباً 140 بلین امریکی ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اگر ہم غیر ضروری تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاشی گلوبلائزیشن کے پیغمبروں پر ایمان نہ لاتے تو عین ممکن تھا کہ ہم اس تکلیف سے محفوظ رہتے جس کا ہم آج شکار ہیں۔ یہ بحران دنیا میں کسی خاص ملک یا خطے کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں اس نظام میں ہیں جسکی اقدار اور طریقہ کار میں دولت غریب لوگوں سے امیر لوگوں کی جانب منتقل ہوتی ہے۔

جارج سوروس جیسے یہودی عالمی سٹ باز نے چند ہفتوں کے اندر "ایٹھین ٹائیگرز" کے غبارے سے ہوانکال دی۔ مارکیٹ اکانومی ہمیشہ مصنوعی معیشت کو جنم دیتی ہے جس کی کوئی مقامی بنیادیں نہیں ہوتیں۔ سناک آپکھنچ اور منڈی سے جڑی معیشت مصنوعی معیشتیں ہیں۔ یہاں مصنوعی استخراجی طریقہ (Derivatives) کے ذریعہ تجارت کی جاتی ہے۔ منڈی میں مال کا کہیں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ سناک آپکھنچ کوئی روزگار پیدا نہیں کرتا۔ یہ بدترین قسم کی سٹ بازی ہے اور اس کا سارا کام فرض کاری اور قیمتوں کے مصنوعی اتار چڑھاؤ کا مرہون منت ہے۔ جب تک ہم اس مصنوعی اور منڈی کی معیشت سے قطع تعلق نہیں کرینگے ہماری عالمی ساہوکاروں اور عالمی معیشت کی محتاجی سے جان نہیں چھوٹے گی۔

افغانستان دنیا کا غریب ترین ملک ہے مگر اس کی معیشت خود مختاری کے اصولوں پر مقامی جڑیں رکھتی ہے اور منڈی کی مصنوعی معیشت سے دور ہے۔ اگر افغانستان کی معیشت عالمی منڈی کی معیشت سے جڑی ہوتی تو افغانستان کب کا جنگ بار چکا ہوتا۔ اب افغانستان پر جتنی جی چاہیں معاشی پابندیاں لگالیں کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ گویا منڈی کی معیشت سے علیحدگی اور عالمی منڈیوں پر انحصار میں کمی اور ان سے علیحدگی ہی ہماری خوشحالی اور اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ کی ضامن ہے اور باقی سب انصافی و اہیاتی اور فلسفیانہ موشگافیاں ہیں۔ غیر ملکی سکولوں کے پڑھے لکھے جعلی دانشور ساری منصوبہ بندی ہی عالمی منڈی کے ساتھ اشتراک کی بنیاد پر کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ معاشی ناکامی، بیروزگاری اور دیوالیہ پن کی صورت میں نکلتا ہے۔ ان جعلی دانشوروں کا سارا علم اور تجربہ جعلی (Pseudo) ہے۔ مغرب سے جعلی علم پڑھ کر آنے والے یہ دو لے شاہ کے چوہے کئی عشروں سے اس ملک کی معیشت کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ان جعلی دانشوروں کی واحد قابلیت منہ مروڑ کر انگریزی بولنا ہے باقی ان کی عملی کارکردگی سب کے سامنے ہے۔

انسان کو اس روئے زمین پر زندہ رہنے کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے یعنی روٹی، کپڑا اور مکان۔ پاکستان جیسے زرعی معیشت رکھنے والے ملک کے پاس یہ تینوں چیزیں ہی دافر مقدار میں موجود ہیں۔ روٹی

کیلئے ہمارے زرعی زمینیں وافر مقدار میں اناج پیدا کرتی ہیں۔

کپڑے کیلئے ہمارے ہاں وافر مقدار میں کپاس پیدا ہوتی ہے۔ جوتے بنانے کیلئے وافر مقدار میں چمڑا موجود ہے۔ مکان کی تعمیر کیلئے لکڑی، مٹی، پانی، پتھر ہر چیز وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ دودھ کیلئے وافر تعداد میں گائیں، بھینسیں، بکریاں موجود ہیں۔ تو پھر کمی کس چیز کی ہے اور عالمی منڈی کی غلامی کس لئے؟ سرخی پاؤ ڈر، تمباکو، پان اور قیمتی پرفیوم تو انسان کی بنیادی ضرورتیں نہیں ہیں۔ جب ایک مرتبہ ہم درآمدات میں خاطر خواہ کمی کر دیں گے تو ہمارا خسارے کا بجٹ فوری طور پر ختم ہو جائے گا اور زر مبادلہ کے ذخائر حیرت انگیز حد تک بڑھ جائیں گے۔ اسی کے ساتھ ملک معاشی خود کفالت کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ یہ بڑی سادہ سی بات ہے اور اس کو سمجھنے کیلئے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں ہے۔

کیا سرمایہ کے حصول کیلئے قومی سرمایہ دار پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگیں مختلف ممالک کے سرمایہ داروں کے درمیان ”نیشٹلزم“ کی بنیاد پر عالمی منڈیوں کے حصول کے لئے لڑی گئیں۔ لیکن ان دو جنگوں کی تباہ کاریاں اور ان کا دورانیہ جنگ شروع کرنے والوں کے تخیل سے کہیں زیادہ تھا۔ ان جنگوں کے بعد کے نتائج بھی عالمی سرمایہ داروں کے زاویہ نگاہ سے کچھ خوشگوار نہ تھے۔ ان جنگوں کے اختتام پر لوگوں کی قوت خرید نہ ہونے کے برابر رہ گئی اور عالمی کساد بازاری نے عالمی سرمایہ داروں کے کاروبار تباہ کر کے رکھ دیئے۔ اسی کے ساتھ محکوم اقوام کے اندر بھی بیداری اور قومی آزادی کی تحریکوں نے جنم لے لیا۔ محکوم اقوام کے اندر عوام عسکری لشکر بندیاں کرنے کی جانب مائل ہونا شروع ہو گئے جس کے نتیجے میں نوآبادیاتی نظام کا پورا ڈھانچہ ہی متزلزل ہو گیا۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد عالمی سرمایہ داروں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی۔ اب ان سرمایہ داروں نے جنگ و جدل کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ”باہمی اتحاد“ کے ذریعہ دنیا پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اس نئی حکمت عملی کے تحت مختلف ممالک کے سرمایہ داروں نے باہم متحد ہو کر بڑے بڑے ”کارٹل“ اور عالمی سطح کے ”معاشی سنڈیکیٹ“ قائم کئے۔ اب سرمایہ قومی کی بجائے عالمی اتحاد کا مظہر بن گیا اور ”نیشٹلزم“ کی فلسفہ کی جگہ ”گلوبلائزیشن“ کے فلسفہ نے لے لی۔ مختلف ممالک کے سرمایہ داروں نے باہم اتحاد کر کے ملٹی نیشنل کارپوریشنز قائم کر لیں۔ نئی قانون سازیاں کروائی گئیں۔ سٹاک ایکسچینج کے ذریعہ پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کے حصص عالمی مارکیٹ میں فروخت کئے گئے اور اس طرح عالمی سطح پر سرمایہ کی ایک عالمی منڈی وجود میں آگئی اور سرمایہ کا بہاؤ ملکی سرحدوں سے باہر نکل کر عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا۔

عالمی سرمایہ داروں کی اس نئی حکمت عملی کا مقصد دنیا کے سرمایہ داروں کے درمیان جنگ کی بجائے پر

امن مسابقت اور ایک بین الاقوامی سرمایہ کی منڈی کی تشکیل تھی۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب دنیا بھر کے سرمایہ دار کا اتحاد تھا۔ ”دنیا بھر کے سرمایہ دار متحد ہو جاؤ“ کا پرکشش نعرہ دنیا بھر کے نیشنل بورژوازی سرمایہ دار کیلئے تقریباً سات عشروں یعنی اکیسویں صدی کے پہلے عشرے تک بہت مقبول رہا۔ لیکن اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ سرمایہ دار کمپنیوں کے باہمی ادغام اور اتصال (Mergers & Acquisitions) کے نتیجے میں بڑے بڑے دیوقامت عالمی ادارے وجود میں آ گئے اور چھوٹے سرمایہ داروں کیلئے ان دیوقامت عالمی کارٹلز کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں یہ آہستہ آہستہ کاروبار سے باہر ہونا شروع ہو گئے۔ عالمی منڈی میں مسابقت کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے سرمایہ داروں کے ان گروہوں نے دوبارہ اپنی قومی منڈیوں کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اس وقت سرمایہ داروں کے یہ گروہ (جو کبھی بھاگ کر عالمی منڈی کا حصہ بنے تھے) دوبارہ اپنی قومی ریاستوں سے رجوع کر رہے ہیں کہ انہیں عالمی کارٹلز اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے خلاف ملکی منڈی میں ترجیح دی جائے۔ یہی وہ موقع ہے جس میں قومی ریاستیں بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ اگر قومی ریاستیں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرمایہ کاری کیلئے ایک پرکشش ماحول پیدا کریں اور ان سرمایہ داروں کو ریاستی تحفظ (State Protectionism) فراہم کریں تو وہ دوبارہ اپنے قومی ڈربے میں واپس آنے کیلئے تیار ہیں۔ بلکہ ان کی بقا اس کے بغیر ممکن ہی نہ ہے۔ بڑے کارٹلز کے سامنے عالمی منڈی میں ان چھوٹے سرمایہ داروں کی موت یقینی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی ”زیادہ کمانے“ کی خواہش میں عالمی منڈی کا حصہ بنے تھے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ وہ عالمی منڈی سے بھی فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور قومی مارکیٹ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ گویا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں غربت بھی راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ اب وہ دوبارہ اپنے پرانے ”قومی گھونسلوں“ میں واپس آنا چاہتے ہیں۔ یہ قومی سرمایہ داروں کا بڑی عالمی کارپوریشنز کے خلاف رد عمل بھی ہے جو ”فری مارکیٹ اکانومی“ کی جگہ ”قومی مارکیٹ“ اور ”ریاستی تحفظ“ (Economic Protectionism) کی معیشت کا از سر نو احیا کر رہا ہے۔

دوسری دنیا کیلئے خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ ”فری مارکیٹ اکانومی“ کے خلاف بغاوت ٹرمپ حکومت میں امریکہ سے شروع ہوئی ہے ورنہ تیسری دنیا کی بے غیرت قیادتیں تو بہت پہلے سے ڈبلیو ٹی او کے معاہدہ پر دستخط کر کے اپنی قومی منڈیاں عالمی ساہوکاروں کے حوالہ کر چکی ہیں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی قومی معیشت کو از سر نو اپنی تہذیبی اقدار اور مقامی ضروریات کے مطابق استوار کریں۔ سامراج سے ڈرنے کی قطعی طور پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس عالمی معاشی بائیکاٹ کی دھمکیاں دے کر

عالمی ساہوکار اور ان کی ریغمالی مغربی ریاستیں تیسری دنیا کے ممالک کو ڈراتی ہیں وہ حقیقت میں ان ممالک کیلئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہیں اسلئے کہ اسی بہانے عالمی سرمایہ کار اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز ان ممالک سے رضا کارانہ طور پر باہر نکل جائیں گی اور معاشی طور پر محکوم ممالک کو اپنی قومی معیشت کو آزادانہ اور خود مختارانہ بنیادوں پر دوبارہ کھڑی کرنے کا موقع میسر آ جائے گا۔ ایران عالمی معاشی بائیکاٹ کے نتیجہ میں صغیر ہستی سے مٹ نہیں گیا بلکہ اس کی قومی معیشت سامراج کے چنگل سے آزاد ہو کر خود مختار بنیادوں پر کھڑی ہو چکی ہے۔ افغانستان اور ویتنام جیسے ممالک بھی اپنی ثقافت اور تہذیبی اقدار کے ساتھ صغیر ہستی پر موجود ہیں اور سامراج کا منہ چڑا رہے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان واپس پلٹنے والے سرمایہ داروں کے اندر اپنی ملت کے ساتھ خلوص کا خاصا فقدان ہے۔ وہ قومی اور مذہبی جذباتوں سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ عالمی منڈی میں شکست کھانے اور قومی منڈی کو دوبارہ استعمال کرنے کی غرض سے واپس پلٹنا چاہتے ہیں۔ ہمیں بھی انہیں سیاسی قیادت کا حصہ بنائے بغیر قومی معاشی عمل کے اندر شریک کرنے کا سوچنا چاہئے۔ قومی ریاستوں کی بھاکے تقاضا ہے کہ ان بدلتے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان لوگوں کی سرپرستی کرتے ہوئے انہیں ان کے پرانے گھونسلوں میں واپس آنے دیا جائے۔ قومی ریاستوں کے لئے بھی یہ ایک سنہری موقع ہے کہ وہ اس بدلتی ہوئی صورت حال سے فائدہ اٹھائیں لیکن سرمایہ داروں کی شرائط پر نہیں بلکہ اپنی شرائط پر۔ اب کی مرتبہ سرمایہ کاری کا ماڈل تبدیل کرنا ہوگا۔ انفرادی سرمایہ کاری کو پبلک۔ پرائیویٹ سیکٹر کے ساتھ تبدیل کر کے سرمایہ کوریاستی مضابطوں اور عوامی فلاح کے تابع لانا ہوگا۔

عالمی سامراج بھی اس بدلتی ہوئی حقیقت سے بے خبر نہیں ہے۔ اس نے قومی سرمایہ داروں کی اس ممکنہ منصوبہ بندی کا راستہ روکنے کیلئے ہر ریاست کے اندر ایک کپراڈور سرمایہ دار طبقہ (Comprador Capitalist Class) یعنی دلال سرمایہ داروں کا ایک نو دولت طبقہ پیدا کر لیا ہے۔ یہ طبقہ ان ممالک کی افسر شاہی، ابن الوقت بکاؤسیاستدانوں (جو جاگیردارانہ، پھری مریدی، ملائیت کا پس منظر رکھتے ہیں) اور کچھ سابقہ اور حاضر سرس فوجی جرنیلوں پر مشتمل ہے۔ یہ طبقہ ان ممالک کی "اشرافیہ" کہلاتی ہے اور بلاواسطہ یا بلاواسطہ ان ممالک کی حکومتوں پر قابض ہے۔ "کپراڈور" سرمایہ داروں کے اس نولے کے پاس بیچنے کیلئے کوئی مال تجارت یا سرمایہ نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگ عوام سے رشوت لے کر یا اپنے ملکی مفادات بیچ کر پیسہ کماتے ہیں۔ یہ کالا دھن کمانے اور بیرون ملک منتقل کر کے محفوظ رکھنے کیلئے بین الاقوامی راہداریوں اور خفیہ کمین گاہوں کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے یہ عالمی سرمایہ دار کا دم چھلہ بنے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

عالمی سامراج کیلئے یہ ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہے اگر ایک دفعہ وہ اس مشکل مرحلہ سے گزر گئے تو پھر ان کا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا۔ اس وقت قومی سرمایہ دار اور کپراڈور سرمایہ دار (دلال سرمایہ دار جس نے کاروبار کے نتیجہ میں نہیں بلکہ رشوت اور وطن فروشی کے نتیجہ میں دولت اکٹھی کی ہے) کے درمیان مفادات کا شدید تصادم ہے۔ اس وقت کپراڈور طبقہ عالمی سرمایہ دار کے دلال کا کردار ادا کر رہا ہے اور سامراجی آقاؤں کی ہدایات کی روشنی میں نئے حالات کے تحت پیدا ہونے والے قومی بورژوا طبقہ کو دوبارہ ملکی کاروبار کے اندر داخل نہیں ہونے دے رہا۔ یہ طبقہ ملکی بھٹا کیلئے انتہائی خطرناک ہے۔ اس وقت قومی سرمایہ دار اور کپراڈور سرمایہ طبقہ کے اندر ایک قسم کی جنگ کی حالت برپا ہے۔ کپراڈور طبقہ سامراج کی زیر سرپرستی ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت قومی سرمایہ دار کی حوصلہ شکنی کر رہا ہے، اسے ذلیل و رسوا کر رہا ہے تاکہ وہ اپنی قومی ریاستوں کے بارے میں مایوس ہو کر دوبارہ عالمی منڈی کے ہی کسی چھوٹے موٹے ”کھوکھے“ پر قناعت کر کے بیٹھ جائیں اور پھر واپس نہ آئیں۔ ان حالات میں ملکی سلامتی کیلئے سب سے خطرناک طبقہ یہی کپراڈور سرمایہ دار کا طبقہ ہے جو قومی مفادات کو اپنے ذاتی مفادات کے حصول کیلئے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ عالمی ساہوکاروں کے ہاتھوں بیچ رہا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بڑا قومی سرمایہ دار عالمی سرمایہ داری ہی کا حصہ بننا چاہتا تھا لیکن اب تاریخ نے اس کا راستہ بند کر دیا ہے۔ قومی بورژوا طبقہ ایک دفعہ پھر سے پیدا ہو رہا ہے اسلئے کہ بین الاقوامی کارٹلز اور بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ان کو عالمی منڈی سے نکال باہر کیا ہے۔ اس وقت قومی ریاستوں کو اس نئی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس قومی بورژوا طبقہ کے ساتھ باہمی اشتراک، سے پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنر شپ کے تحت کلیدی انڈسٹریز کے منصوبہ جات عمل میں لانے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں معدنیات اور اسلحہ سازی کے منصوبوں کی پرائیویٹ سطح پر بھی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اس سے ایک تو عوام کیلئے روزگار کے مواقع فراہم ہونگے۔ دوسرے ملک کیلئے ایک صنعتی بنیاد فراہم ہوگی اور تیسرے غیر ملکی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اجارہ داری اور بلیک میلنگ سے نجات ملے گی۔

اس وقت پوری دنیا میں فارن ڈائریکٹ انوسٹمنٹ (F.D.I.) یعنی براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کا شور و غوغا مچا ہوا ہے۔ مختلف قومیتوں اور مذاہب کے لوگ مختلف ممالک کے اندر سرمایہ کاری کر کے ان ممالک کے اندر اپنی خفیہ معاشی اور سیاسی ریاستیں تشکیل دے رہے ہیں جو کہ کسی بھی ملک کی سلامتی اور اور اقتدار اعلیٰ کیلئے از حد خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ کپراڈور سرمایہ دار عالمی سرمایہ دار کا کارپوریشنز کو اپنے ممالک میں جگہ دینا چاہتا ہے اور ملکی سرمایہ دار کی تذلیل کر کے اسے ملک سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ یہ ایک پر

فطر صورت حال ہے۔ اس سے صرف ایک محب وطن عوامی قیادت ہی نمٹ سکتی ہے جو کپراڈور سرمایہ دار کو راستہ سے ہٹا کر ملکی سرمایہ کو سرمایہ کاری کی سہولتیں فراہم کر سکے۔
عالمی سامراج کیلئے یہ ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہے اگر ایک دفعہ وہ اس مشکل مرحلہ سے گزر گئے تو پھر ان کا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا۔

اس وقت موقع ہے کہ کپراڈور سرمایہ دار یعنی افریقای کے حوصلہ شکن ماحول سے باہر نکل کر ”قومی سرمایہ داروں“ کو ملکی منڈی میں واپس آنے کیلئے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں ایسی بڑی صنعتوں کے اندر سے ریاستی اشتراک سرمایہ کاری کرنے کیلئے کہا جائے جن کیلئے بھاری سرمایہ اور اعلیٰ درجہ کی پیشہ ورانہ مہارت درکار ہے جیسے اسلحہ، زرعی اجناس کے بیج، فاما سیونیکل انڈسٹری وغیرہ۔ اس مقصد کیلئے مفت سرکاری زمین، صفر فیصد شرح سے ٹیکس اور درآمدی مال پر کشم ڈیوٹی اور ٹیکس کی معافی اور مفت بجلی، گیس کی فراہمی جیسی سہولیات کی فراہمی کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

ہم اس وقت ایک بہت بڑی پیروزگاری کا شکار ہونے جا رہے ہیں۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ نے بہت ہی وسیع پیمانے پر ای کامرس کے کلچر کو رواج دیدیا ہے۔ خود ترقی یافتہ ممالک کے اندر ای کامرس کے بڑھتے ہوئے رجحان کے باعث چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار دیوالیہ پن کا شکار ہو کر بند ہو رہے ہیں۔ یہی صورت حال پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کیلئے بھی ہے۔ اب ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا بھر میں ہر بڑے شہر کے اندر اپنے سٹور کھول کر گاہکوں کو ان کی مطلوبہ اشیاء کی فوری فراہمی کو یقینی بنانے کی جانب جا رہی ہیں جس سے مقامی صنعت اور چھوٹے اور درمیانہ درجہ کے کاروبار بند ہو جائیں گے اور پیروزگاری کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لوگ اپنے بچے بیچنے بازاروں میں آجائیں گے۔ جسم فروشی سے لے کر ہر قسم کے قبیح جرائم سڑکوں پر پھیل جائیں گے اور معاشرہ کی شکل تبدیل ہو جائیگی۔ اس معاشی بحران کی ایک سیاسی قیمت بھی ہوگی۔ سب لوگ جسم فروشی یا جرائم کے کلچر کا حصہ نہیں بن سکتے۔ وہ سیاسی عمل کا حصہ بن کر سڑکوں پر آجائیں گے۔ اس سے ہر سطح پر ایک سیاسی زلزلہ کے آثار نمودار ہونگے جو بہت سے ممالک کی حکومتوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے اقتدار اعلیٰ کو بھی کھاجائیں گے اور بہت سے ممالک مستقل خانہ جنگی کا شکار ہو کر غزوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

اس صورت حال کا قبل از وقت ادراک اور پیش بندی از ضروری ہے تاکہ آنے والے طوفان سے بچا جائے۔ طوفان بالکل سر پر آچکا ہے۔ عالم اسلام اور تیسری دنیا کے کمیشن خور ”افنی حکمران“ نشہ آور گولیاں کھاکر سوئے پڑے ہیں۔ عالمی سامراج نے ان ممالک کی قیادتوں کو اپنے دم چھلوں میں تبدیل کر رکھا

ہے۔ یہ سامراج کے پالے ہوئے وہ کتے ہیں جو اپنے عوام کے مفادات سے کہیں زیادہ اپنی ذات اور سامراجی مفادات کے نگہبان ہیں۔ ان سے کسی بھی خیر کی توقع عبث ہے۔ بیرونی دشمنوں سے لڑنے سے قبل تیسری دنیا اور اسلامی ممالک کے عوام کو اولین ترجیح کے طور پر ان غدارانہ وطن سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ اگر ترقی پذیر ممالک نے فوری طور پر سامراج کی دم چھلہ قیادت سے نجات حاصل نہ کی تو ان کا مستقبل تاریک ہو جائیگا۔

ترقی پذیر ممالک نے فوری طور پر اپنی کانٹریج اور دیگر مقامی انڈسٹری (Indigenous Industry) کو متحرک کرنا ہوگا ورنہ ان ممالک کو آئیوالی بڑی تباہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنز کی اجارہ داریوں کے خلاف عوامی مزاحمت اور ایک عالمی یا علاقائی اتحاد یعنی علاقائی باڈر تجارت کے ذریعہ اس عفریت کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی جاسکتی ہے۔ عالمی سامراج اور اس کے مقامی گماشتوں کو سیاسی عمل سے باہر نکالے بغیر کسی بھی قسم کی اصلاح ناممکن ہے۔ اگر عوام کے اندر سیاسی شعور بیدار ہو جائے اور وہ سامراج دشمن قیادت کے جھنڈے تلے مجتمع ہو جائیں تو وہ ناقابل تسخیر قوت بن جاتے ہیں اور انہیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دی سکتی۔ اس موقع پر انگریزی کی ایک نظم کا حوالہ بر محل ہوگا:

"I believe, I believe

We can write our story

I believe, I believe

We can be an army

We are the warriors, who learned to love the pain

We come from different places but have the same name

'Cause we were born for this."

ترجمہ: "مجھے یقین ہے، مجھے یقین ہے کہ ہم اپنی داستان حیات خود لکھ سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے، مجھے یقین ہے کہ ہم ایک فوج بن سکتے ہیں۔ ہم جنگجو ہیں، ہم نے مشکلات سہنا سیکھ لی ہیں۔ ہمارا تعلق مختلف علاقوں سے ہے لیکن ہم سب کا ایک ہی نام ہے۔ ہم سب ایک عظیم مقصد کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔"

8

بغیر جڑوں کے معاشرے

کچھ انسانی احساسات و جذبات کا ایک ایسا سمندر ہے جس میں بنی نوع انسان مچھلیوں کی مانند تیرتے ہیں اور زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ثقافت انسانوں کی جذباتی، نفسیاتی اور روحانی غذا ہے۔ اگر ثقافت کے اس سمندر کا پانی خشک ہونا شروع ہو جائے یعنی اگر ثقافت سکڑاؤ (Cultural Reductionism) کا شکار ہو جائے تو نسل انسانی گھٹن کا شکار ہو کر مرنا شروع ہو جاتی ہے۔ افراد اور معاشرے اپنے مذہب، اجتماعی اقدار اور ثقافت کی بقا کیلئے لڑتے ہیں۔ اگر یہ ختم ہو جائیں تو معاشرے جذباتی اور نفسیاتی طور پر مر جاتے ہیں اور ان کے اندر قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک خاص منصوبہ بندی اور عالمی پراجیکٹ کے تحت بغیر ”جڑوں کے معاشرے“ (Rootless Societies) پیدا کئے جا رہے ہیں یعنی معاشرے کا وجود ختم کیا جا رہا ہے۔ روایتی معاشروں کی جڑیں توڑی جا رہی ہیں اسلئے کہ بغیر جڑوں یا ٹوٹی جڑوں والے معاشروں میں بیرونی مداخلت اور سامراجی جارحیت کے خلاف مزاحمت کرنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔

بغیر جڑوں کے معاشرے

ہر معاشرہ کی اپنی جڑیں ہوتی ہیں جن پر وہ پرکھڑا ہوتا ہے۔ یہ جڑیں اسکے مذہب، ثقافت، تاریخ اور انسانی جغرافیہ کے اندر پیوست ہوتی ہیں۔ جب اگر یہ جڑیں مل جائیں یا ہلا دی جائیں تو نہ صرف وہ معاشرہ اور اسکی روایات سے جہنم لینے والے انسان دونوں مل جاتے ہیں۔ یورپ کے انسان کو عالمی صیہونیت کے ہاتھوں دو بڑے دھچکے لگے جس سے ان کی معاشرتی، تہذیبی اور مذہبی بنیادیں مل گئیں۔ ایک جھٹکا سیکولرزم کے نام پر لگا جس کے پردہ تلے عیسائیت کو انسان کی اجتماعی اخلاقیات اور ریاستی قانون سازی کے عمل سے نکال باہر کیا گیا اور دوسری جھٹکا یکے بعد دیگرے دو عالمگیر جنگوں کا تھا جس نے یورپی تہذیب و ثقافت اور اخلاقیات کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان جنگوں کے اختتام پر کوئی گھرانہ سلامت نہ بچا تھا۔ لاکھوں گھر بے گھر

ڈھیر بن چکے تھے۔ کسی کا بھائی، کسی کا باپ، کسی کی ماں، کسی کی بہن اور کسی کا پورا کنبہ قتل ہو چکا تھا۔ ان جنگوں نے یورپ کا سارا منظر نامہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا۔ ان دو عالمی جنگوں نے یورپ کو بوڑھا کر دیا۔ یہودی نے واقعی یورپ سے اپنے قتل عام کا بہت بڑا بدلہ لیا۔ پوری کی پوری یورپی عیسائی تہذیب کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

ان جنگوں نے یورپ کے انسان کو نفسیاتی اور ذہنی اپاچ کر دیا۔ انسانوں کی کمی اور مادوں کی زیادتی نے انسان کو اوندھے بل گرادیا۔ اس وقت کی انگریزی شاعری اور گیت اسکے آئینہ دار ہے۔ ان دو عالمگیر جنگوں میں یورپ کے سارے تہذیبی اٹاٹے جل کر راکھ ہو گئے۔ یورپ کا انسان مادی جاہلی کے ساتھ تہذیبی جاہلی کا بھی شکار ہو گیا۔ اب اس کو از سر نو اپنی تہذیبی زندگی کا آغاز کرنا تھا جو وہ نہ کر سکا۔ مشہور ماہر حرب جارج فریڈمین کہتا ہے:

"Europe is tired, worldly, decadent. They are exhausted, and they call it a virtue."

ترجمہ: "یورپ تھک چکا ہے۔ یورپ دنیا داری کی نذر ہو گیا ہے۔ یورپی لوگ شکستہ حال ہو کر گر پڑے ہیں۔ اس ناتوانی کا نام انہوں نے پارسائی رکھ لیا ہے۔"

یورپ منہ کے بل گر پڑا اور عالمی صیہونی سرمایہ داروں نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ مغرب کے انسان نے پیغمبروں کے دیئے ہوئے دین اور انسانی اخلاقیات سے مکمل انحراف کر لیا ہے۔ اخلاقی اقدار کی موت کے بعد انسان کی ذہنی اور نفسیاتی موت ایک لازمی امر بن جاتی ہے۔ ٹی ایس ایلٹ نے اس تہذیبی خستہ حالی کی منظر کشی یوں کی ہے:

"Lonely men in shirt sleeves leaning out of windows....."

ترجمہ: "کھڑکیوں سے جھانک کر کسی کا انتظار کرتے ہوئے تنہا انسان۔۔۔۔۔"

ٹی۔ ایس۔ ایلٹ کی شاعری مغرب کے کھوکھلے پن اور مرتی ہوئی تہذیب کی واضح عکاسی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"I think we are in rat's valley

Where the dead men lost their bones"

ترجمہ: "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم چوہوں کے ایک تاریک بل میں گھس گئے ہیں یہاں پہلے ہی بے پناہ انسانوں کی ہڈیاں گل سڑ چکی ہیں۔"

تہائی اور تہذیبی تباہی کے اس پس منظر میں ٹی ایس ایلٹ کی شاعری اور خاکہ نگاری کے نمونے اور
نظر فرمائیے گا:

"Everyone's is alone..... or it seems to me

They make noises and think they are talking to each other,

They make faces and they think they understand each other

And I am sure they do not. Is that a delusion?

ترجمہ: ”ہر شخص تہائی کا شکار ہے۔۔۔ یا پھر مجھے ہی محسوس ہو رہا ہے؟ وہ شور مچاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ
ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں۔ وہ چہروں کو بناتے اور بگاڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ
دوسرے کو سمجھ رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر پا رہے۔ یہ سوچنا محض ان کا پاگل پن
ہے۔ اسی طرح:

"Where is the Life we have lost in living?

Where is the Knowledge we have lost in information?

Where is the Wisdom we have lost in knowledge?"

ترجمہ: ”وہ زندگی کہاں ہے جو ہم نے زندگی گزارنے کی خواہش میں ضائع کر دی؟
وہ دانش کہاں ہے جو ہم نے علم جمع کرنے کی خواہش میں ضائع کر دی؟
وہ علم کہاں ہے جو ہم نے معلومات اکٹھی کرنے کی خواہش میں کھو دیا؟“
دوسری عالمگیر جنگ کے بعد کے یورپ کے نغمے:

"Two lonely tables for one"

"دو خالی میز اور ایک تنہا فرد"

اور

"Let me love again"

"مجھے ایک دفعہ پھر محبت کر لینے دو۔۔۔"

"دو خالی میز اور ایک فرد" یا "مجھے ایک دفعہ پھر محبت کر لینے دو" یا پھر کافکا کے یاسیت بھرنے کردار
غرب کے روحانی طور پر مرتے ہوئے انسان اور معاشرہ کا الیہ پیش کرتے ہیں۔ ٹی ایس ایلٹ کی شاعری
غرب کے کھوکھلے پن اور مرتی ہوئی تہذیب کی واضح عکاسی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"I think we are in rat's valley

Where the dead men lost their bones"

ترجمہ: "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم چوہوں کے ایک تاریک بل میں گھس گئے ہیں یہاں پہلے ہی بے پناہ انسانوں کی ہڈیاں گل سڑ چکی ہیں۔"

یورپی تہذیب کے زہریلے اثرات دیگر تہذیبوں اور علاقوں پر بھی پڑے ہیں اور پوری دنیا اس کے منفی اثرات کی زد میں آئی ہے۔ لیوس کیرول کا شہرہ آفاق ناول "Alice's Adventures in Wonderland" اس جدید انسان کی بے معنویت کا مرثیہ ہے۔ 1982 کے نوبل انعام یافتہ ادیب گبریل گارشیانے اپنے نوبل انعام یافتہ ناول "One Hundred Years of Solitude" میں بھی اسی انسانی تنہائی اور بے معنویت کے کرب کا ذکر کیا ہے۔ گبریل گارشیانے کا یہ ناول آٹھ نسلوں کی تنہائی کا مظہر نامہ ہے۔ جدید دور کا انسان انسانی رشتوں سے جدا ہو کر مادیت کی تاریک غاروں میں جا گرا ہے اور وہاں سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں پا رہا ہے۔ اپنی اس شہرہ آفاق تحریر کے اختتام پر اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تہذیب جدید میں بسنے والا انسان سو سالہ تنہائی کے کرب سے گزرنے کے بعد تخلیقی اور اخلاقی اقدار سے محروم ہو چکا ہے۔ اب اس کے روحانی اور نفسیاتی طور پر دوبارہ جی اٹھنے کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

یورپی تہذیب پر الحادی فلسفوں کا حملہ

یورپ پر یکے بعد دیگرے الحاد پرستی کے حملے کروائے گئے اور لوگوں سے ان کا مذہب چھیننے کی منظم اور باضابطہ کوششیں کی گئیں تاکہ عوام الناس کے اندر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف مزاحمت کی حس کا خاتمہ کیا جاسکے اور لوگوں کو ایک منظم طاقت کی بجائے ایک "منتشر ہجوم" (Disorganized Mob) کے اندر تبدیل کیا جاسکے۔ جرمن فلسفی نیتشے (Nietzsche) نے خدا کے وجود کا انکار کیا۔ خدا کے انکار کے بعد وہ اپنی کھنکھش اور کرب میں جھٹلا ہو گیا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"یہ میں ہوں کہ جسے ایک زبردست مسئلہ درپیش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی جنگل میں کھو گیا ہوں۔ کاش کوئی میری رہنمائی کرے اور اس جنگل سے نکلنے میں میری مدد کرے۔"

خدا کے وجود اور اس کی الوہیت سے انکار کے بعد نیتشے اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکا اور بالآخر پاگل ہو کر مر گیا۔ نیتشے مرکز جان چھڑا گیا لیکن اس جیسے اور ہزاروں پاگل جینے کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ نیتشے کا المیہ صرف اس کا ذاتی المیہ نہیں تھا بلکہ یورپی تہذیب کا اجتماعی المیہ تھا۔ مذہب اور کائناتی وجدان سے رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد یورپی انسان اپنا ذہنی توازن برقرار رکھنے میں مشکل محسوس کر رہا ہے اور زندگی اس کیلئے

ایک اذیت کدہ بن کر رہ گئی ہے۔ یورپ کی یہ ”مردم آزاری“ یورپی سرحدوں سے باہر پوری دنیا کو اپنے زہریلے اثرات سے متاثر کر رہی ہے۔

یورپ کی روحانی اور ثقافتی تباہی میں وہاں کے لادینی فلسفہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ والٹیر جیسے فرانسیسی مفکروں نے تحریری طور پر ملا چرچ اور حضرت عیسیٰ کو گالیاں دیں۔ کارل مارکس نے نہ صرف خدا کا انکار کیا بلکہ انسان کی تمام تر جہلتی اور جذباتی ضروریات سے انکار کر کے انسان کو ”معاشی حیوان“ قرار دیا۔ زاردن نے انسان کی تاریخ خدا کی تخلیق سے الگ کر کے بندروں سے جوڑ دی اور کہا کہ انسان ”بندروں کا بچہ“ ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج ترقی کر کے انسان بن گیا ہے۔ یہ بھی خدا کے انکار کا ہی ایک فلسفہ تھا۔ یہودی ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ نے مذہب کی نفی کے اور انسان کو ”جنسی حیوان“ قرار دیا۔ اس افرا تفری اور جنگ و جدل کے ماحول میں یورپ کا انسان اپنی تہذیبی اور مذہبی اقدار سے جدا ہو گیا۔ اب وہ انسان نہیں بلکہ ایک ”جنسی حیوان“، ”معاشی حیوان“ اور ”بندروں کی اولاد“ تھا۔ صاف ظاہر ہے اس قسم کے عقائد معاشرہ کے اندر پھیلا دئے جائیں تو تہذیب و تمدن نام کی کوئی چیز باقی رہ نہیں جاتی اور وہ ایک حیوانی معاشرہ بن جاتا ہے۔ اس کا پیدا کردہ فرد اور معاشرہ اپنے آپکو ایک ”برندہ“ کے روپ میں دیکھتا ہے اور ہر چیز کو چیز پھاڑ دینا چاہتا ہے۔ وہ تہذیب و تمدن نام کی ہر چیز کو برباد کر دینا چاہتا ہے۔ وہ اجتماعیت کا منکر اور اپنے لئے جنگل کی فضا کا طالب ہوتا ہے۔ وہ پوری دنیا کے انسانوں سے ان کا نوالہ چھین کر اپنی عیش و عشرت کا سامان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسے دوسروں کے گھر اجاڑنے میں راحت ملتی ہے اور وہ دوسروں کے بچے مار کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عالمی سامراج کی یہی داخلی نفسیات ہے۔

معاشرے اور افراد اپنی جماعتی اقدار اور عقائد کی بھاکے لئے لڑتے ہیں۔ اگر یہ اقدار ختم ہو جائیں اور عقیدے ہار مان لیں تو بیرونی جارحیت کے خلاف لڑنے والا کوئی نہیں ہوتا اور سامراج کیلئے میدان صاف ہوتا ہے۔ سابق امریکی وزیر خارجہ اور عالمی صیہونی رہنما ہنری کسنجر نے امریکہ کے خلاف تیسری دنیا میں ہونے والی مزاحمت کا ٹکڑیہ کرتے ہوئے کہا تھا:

”Revolution is not an economic term but a spiritual adventure”.

ترجمہ: ”انقلاب معاشی مفاد پرستی نہیں بلکہ ایک روحانی مہم جوئی ہے۔“

یہ روحانی مہم جوئی، کسی قوم کی ثقافتی اور مذہبی جذبول سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کسی تہذیب کے عقائد کا سب سے اپنی بقا اور اجتماعیت برقرار رکھنے کیلئے زندگی اور موت کا معرکہ ہوتا ہے۔ لوگ اپنی اقدار اور عقائد کی بقا کیلئے اپنی جانیں اور گھر بار قربان کر دیتے ہیں اور یہی جذبہ بالآخر عالمی سامراج کی شکست کا

موجب بنتا ہے۔

صیہونی سامراج نے ان جذبوں کو ختم کرنے کیلئے ”سیکولرازم“ کے نام پر سب سے پہلا حملہ مذہب پر کیا۔ یورپ میں اس کی ابتدا ”انقلاب فرانس“ سے ہوئی۔ اس کے بعد اسے آہستہ آہستہ یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک تک پھیلا یا گیا۔ انسانی ثقافت کا سب سے بڑا سرچشمہ مذہب ہوتا ہے جو انسانی تہذیبوں کو نہ صرف جنم دیتا ہے بلکہ ان کا محافظ بھی ہوتا ہے۔ عیسائیت چونکہ روزِ اول سے ہی غیر سیاسی تھی اسلئے اس نے جلد ہی اس نئے الحاد کے سامنے ہار مان لی۔ کچھ کام یہودی کی دھمکیوں اور سرمایہ کی کاریگری نے بھی دکھایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے پادری ”سیکولرازم“ کے اس نئے مذہب کے سامنے ہار مان کر گوشِ نشین ہو گئے۔ اب یورپ کی عیسائی دنیا میں صیہونی سامراج کا مقابلہ کرنے کیلئے کوئی باضابطہ قوت باقی نہیں بچی تھی۔ عیسائی یورپ کی رسمی سبھی ثقافتی قوت ختم کرنے کیلئے ایک ”ابلیسی کلچر“ کی مہم کا آغاز کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے کرایہ کے دانشوروں سے بے پناہ لٹریچر تحریر کروایا گیا۔ ڈرامہ اور فلم سازی کے اندر پھیلائے گئے نفسیاتی ماحول کے ذریعہ فحاشی و عریانی کی نفسیاتی ترغیبات دی گئیں۔ ”پورنو گرافی“ کو ایک صنعت کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ مقصد ان سب کا ایک ہی تھا کہ قوموں کو ان کی ثقافتی اور مذہبی جڑوں سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان کے اندر کوئی ایسی اقدار باقی نہ بچیں جنکی بقا کیلئے وہ سامراجی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو سکیں۔ اس ثقافتی یلغار (Cultural Offensive) کے نتائج قوموں کیلئے بڑے ہی بھیانک نکلے۔ اس نئی ”ثقافتی پھری“ سے جو انسانی چوزے نکلے وہ مقامی نہیں بلکہ ”دوغلی نسل (Hybrid) کے تھے۔ ثقافتی اور مذہبی اقدار سے بیگانہ یہ دوغلی نسل اپنے معاشروں کے اندر سامراج کی نمائندہ کلاس کے طور پر سامنے آئی۔ اقدار اور جذبوں سے محروم یہ ”ثقافتی دوغلی“ سامراج کیلئے کوئی خطرہ نہیں ہے اسلئے کہ اس کے چبنے میں ایسی کوئی اقدار نہیں ہیں جنکی پاسبانی کیلئے وہ سامراج سے جنگ کرے۔

ثقافتی حملہ میں سامراج کا سب سے بڑا مارگٹ یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کو ”غیر سیاسی“ انسانوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ ”غیر سیاسی“ بنانے کا یہ عمل (De-Politicization) مختلف طریقوں سے عمل میں لایا جاتا ہے۔ کہیں پر جنسی بے راہروی اور پورنو گرافی کو رواج دیکر کیا جاتا ہے۔ کہیں پر لامحدود دولت کی ہوس پیدا کر کے کیا جاتا ہے اور کہیں پر لوگوں کو مذہب کے پردہ میں ”رہبانیت“ کا درس دیکر غیر سیاسی بنایا جاتا ہے۔ دنیائے جدید کے بابائے سیاسیات ارسطو نے کہا تھا:

"Man is by nature a political animal and he, who by nature and not be

more accident, is without a State is either above humanity or below it"

ترجمہ: ”انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے سیاسی پیدا ہوا ہے اور جو کوئی ریاست (سیاست) کے بغیر زندگی گزارتی ہے وہ یا تو فطرتاً ہی یا پھر نسل انسانی سے بالاتر کوئی چیز ہے۔“

آج افریقہ، لاطینی امریکہ، ہندوستان اور دیگر بہت سے غریب ممالک کے لوگ پرائیویٹ فوجوں میں بھرتی ہو کر دوسرے دیسوں میں جا کر لڑتے ہیں۔ حالانکہ ان کی وہاں کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے مگر وہ کرایہ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سامراج اور انسان دشمنوں سے صرف وہی لوگ لڑ سکتے ہیں جو اپنے مذہب، تاریخ اور ثقافت سے جڑے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اپنی جڑوں سے کٹ چکے ہوں وہ ہمیشہ منڈی کا مال ہوتے ہیں۔ بس سودا کرو اور خرید لو۔ قیمت ہر شخص کی جدا جدا ہے مگر ہر ایک برائے فروخت موجود ہے۔

یورپ تہذیبی اعتبار سے پہلے ہی پسماندہ تھا۔ اس پر طرح یہ کہ دو عالمگیر جنگوں نے اس کا سماجی اور اخلاقی ڈھانچہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ دونوں عالمگیر جنگوں میں لوگوں کے سارے مالی اور جذباتی اثاثے لٹ گئے۔ جنگ کے بعد ہر طرف تباہی و بربادی کا سماں تھا۔ کسی کی کنڈیا تباہ ہو گئی تھی اور کسی کا پیارا گھرا جڑ گیا تھا۔ کوئی اپنی ماں کی موت کا ماتم کر رہا تھا اور کوئی اپنے جواں سال بچوں کے پھڑپھڑ جانے کے غم میں بے بسی کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ ان جنگوں نے یورپ کے انسان سے اس کی رہی سہی اخلاقی اقدار بھی چھین لیں اور وہ تہذیبی اعتبار سے بالکل ننگا اور مایوس ہو کر نیم برہنگی کے عالم میں پاگلوں کی مانند گلیوں میں نکل آیا۔ جنگ کے بعد کا یورپ ایک بڑے پاگل خانہ کے روپ کی شکل میں سامنے آیا اور عالمی سرمایہ داروں نے جڑوں سے کٹے اس نفسیاتی طور غیر متوازن انسان کو اپنے کاروبار کی ورک فورس میں تبدیل کر لیا۔ اب یورپ ایک ایسا قید خانہ ہے جس کی کوئی دیواریں نہیں ہیں۔ یہاں قیدی ”خوشی خوشی ناچتے کودتے“ آتے ہیں اور اپنی بقیہ زندگی کا دورانیہ پورا کرتے ہیں۔ ان بے نام و نشان لوگوں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ”نہ گھر سے آئے نہ گھر گئے وہ نہ جانے کون لوگ تھے کہاں سے آئے کہاں گئے وہ“۔ مغرب کا انسان ایک بہت بڑے تہذیبی خلا میں منہ کے بل گر گیا ہے۔ مشہور ماہر نفسیات کارل گسٹاو جنگ نے مغرب کے انسان کے روحانی خلا اور نفسیاتی پڑمردگی کا تجزیہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

”Man feels himself isolated in the cosmos because he is no more involved in nature.

And has lost his emotional and unconscious identity.

Thunder is no more the voice of an angry god, nor is lightening his avenging missile

No river contains a spirit, no tree is the life principle of a man, no mountains cave the home of a great demon.

No voices now speak to man from stones, plants and animals,

Nor does he speak to them believing they can hear"

ترجمہ: ”فطرت سے علیحدہ ہونے کا بعد مغرب کا انسان اس کائنات میں تنہائی کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ اپنا جذباتی اور لاشعوی شخص کھو بیٹھا ہے۔ اب نہ تو بادلوں کی گرج اس کے اندر غصیلے دیوتاؤں کا تصور پیدا کرتی ہے اور نہ ہی بجلی کی کڑک کے اندر اسے غیر مرئی طاقتوں کا وجود نظر نہیں آتا ہے۔ اب دریاؤں کی روانی اس کے اندر مد و جزر پیدا نہیں کرتی۔ درخت اسے زندگی نہیں بخشتے اور کسی ڈراؤنی غار کا خوفناک دہانہ اسے کسی بدروح کی یاد نہیں دلاتا۔ اب پتھر، شجر اور حیوان اس کیلئے جامد مخلوق ہیں اور وہ ان کو زندہ تخلیق تصور کرتے ہوئے ان سے محو گفتگو نہیں ہوتا۔“

جنگلوں کی خوفناک جگہی کے ساتھ مغرب کے انسان کو ذہنی اور اخلاقی طور پر تباہ کرنے میں مغرب کے الحادوی فلسفہ کا بھی بہت ہاتھ ہے۔

عالمی استعمار نے ان لوگوں کی تہذیبی جڑیں کاٹنے کیلئے انہیں ”غیر اخلاقی“ فلسفہ کا نشہ پلایا۔ ان کو بتایا اور پڑھایا گیا کہ انسان ایک جنسی اور معاشی حیوان ہے اور بندروں کی اولاد ہے۔ ان لوگوں کو ذہنی پستی اور نفسیاتی انتشار کی جانب دھکیلنے کیلئے ان کو فرانڈ کے فلسفہ کی تعلیم دی گئی۔ پاپائیت اپنے فکری انتشار کی وجہ سے زوال کا شکار تھی لہذا وہ عالمی صیہونیت کی اس تازہ یلغار کا سامنے کئے بغیر ہی شکست خوردہ ہو گئی۔ کلیسا کے پاسان و سین عیسیٰ کا دفاع کرنے میں ناکام رہے اور انہوں نے اس نئی یلغار کو ”ناگزیر“ سمجھ کر اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ پاپائیت اپنی سابقہ تاریخ کی وجہ سے پہلے ہی دفاعی پوزیشن اختیار کر چکی تھی۔ لہذا ان نے جلد ہی شکست تسلیم کر لی۔ اخلاقی پستی کی انتہا دیکھنے کے وہ سین عیسیٰ کے علمبردار کلیسا نے ہم جنسوں کی شادی تک کی بھی تصدیق کر دی اور سرمایہ داری کے بھاری بھر کم ”مالی کلچر“ کے بدلے اپنا دین بیچ دیا۔ کلیسا نے اپنے دنیاوی مفادات کے بدلے وہ سین عیسیٰ بیچ دیا۔

مغرب کا عریاں انسان

جدید سرمایہ داری نے مغرب کے انسان کو بے لباس کر کے بازار میں نکا کھڑا کر دیا ہے۔ پیغمبروں کی سر زمین سے بہت دور مغرب کا انسان پہلے ہی تہذیبی اعتبار سے نیم عریاں حالت میں تھا مگر اب وہ حوالا باختہ ہو کر جانوروں سے بھی بدترین کا اخلاقی سطح پر آگرا ہے۔ ننگ مغربی لباس برف پوش جنگلی آبادیوں کی

نماں گئی کرتا ہے جہاں شدید سردی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے بچاؤ کیلئے انسان تنگ لباس پہنتا تھا مگر اس میں بے حیائی اور عریانی کا پہلو نمایاں تھا۔ اس کے اندر مرد اور عورت دونوں کے جسمانی ابھار اور جنسی اعضا واضح طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی سب ایک دوسرے کو ایسے ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے ہی ”سب کچھ“ ہی دیکھ رہے ہوں۔ رعوی سہمی کسر ”جدیدیت“ نے پوری کر دی جس نے باقاعدہ ایک منصوبہ کے تحت مغربی انسان کو تقریباً بالکل ہی بے لباس کر دیا۔ اب ان نیم برہنہ انسانوں کے ”غول“ انسانی آبادیوں کے اندریوں گھوم پھر رہے ہیں جیسے کوئی مخبوط الحواس اجنبی مخلوق روئے زمین پر اتر آئی ہو۔ اگر مغربی انسان کی مخبوط الحواس کا زندہ جائزہ لینا ہو تو کبھی امریکہ اور یورپ کے کیسینوز یا ڈانسنگ کلب کے اندر کا منظر ملاحظہ کر لیں۔ بالکل نگلی عورتیں ان کیسینوز اور ڈانسنگ کلبوں کے اندر گھومتی پھر رہی ہوتی ہیں اور شائقین کو مشروب وغیرہ پیش کر رہی ہوتی ہیں۔ گویا یورپ ایک بڑا انسانی جنگل ہے جس میں کوئی اخلاقی قدر باقی نہیں رہی۔

مذہب سے رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد انسان تنہائی اور افسردگی کا شکار ہو گیا۔ وہ نفسیاتی طور پر مرنا شروع ہو گیا۔ اس خلا کو پر کرنے کیلئے یہودی اور عیسائی سرمایہ داروں نے میڈیا اور دیگر اشتہار بازی کے ذریعہ لغویات، تشدد کے کلچر اور جنسیت پرستی کا کلچر عام کرنا شروع کر دیا۔ عالمی سطح پر ”جنس فردشی“ اور ”عریانیت“ کو باقاعدہ ایک صنعت کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے گویا انسانی جسم بھی بازار کے اندر خرید و فروخت ہونیوالی کوئی چیز ہے۔ نیو میکسیکو سٹیٹ یونیورسٹی سوشیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے اسٹنٹ پروفیسر کاسیا دوسک (Kassia Wosick) کے ایک سروے کے مطابق عریانیت (Pornography) کی صنعت سے سالانہ 97 بلین ڈالر کاروبار بنوا کٹھا جا رہا ہے۔ اس میں سے دس سے بارہ بلین ڈالر صرف ریاستہائے امریکہ سے پیدا کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا کے اندر اس ”صنعت“ کو وسیع پیمانے پر پھیلا یا گیا ہے۔ مغربی اقوام کے اندر تو ویسے ہی ”فری سیکس“ کا کلچر اور قانون متعارف کروا کر ریاستی سطح پر جنسی شہوت زنی کو کھلا چھوڑ دیا گیا اور اس پر معاشرہ اور ریاست کی قدمنیں ختم کر دی گئی ہیں۔ یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں نو جوان جوڑے ہر جگہ ہر عام ایک دوسرے کو چومتے چامتے نظر آئینگے۔ یہ عریانی اور شہوت پرستی کو ان اقوام کا کلچر بنا دیا گیا ہے۔ 2014 کے گلوبل سلیوری انڈیکس (Global Slavery Index (GSI) کے مطابق اس وقت دنیا میں 360,000,000 (تین کروڑ ساٹھ لاکھ) خواتین جنسی استحصال کا شکار ہیں جن میں سے دو تہائی کا تعلق صرف ایشیاء سے ہے۔ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے مطابق سیکس ورکرز (Sex Workers) کی 70%

تعداد کا تعلق ایشیاء اور بحر الکاہل پر واقع ممالک سے ہے۔ 14% کا تعلق یورپ اور وسطی ایشیاء سے ہے اور 4% کا تعلق امریکہ سے ہے۔ امریکہ کے مساج سنٹرز کے اندر زیادہ تر عورتیں چین اور جنوبی کوریا سے لائی جاتی ہیں۔

انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے ایک اندازے کے مطابق جسم فروشی کی اس گھناؤنے کاروبار سے عالمی سطح پر 99 بلین ڈالر کی رقم اکٹھی کی جا رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق امریکہ میں نو ہزار کے قریب مساج سنٹر کام کر رہے ہیں اور ان سے 2.5 بلین ڈالر منافع کمایا جا رہا ہے۔ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کی 2012 کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں پچاس لاکھ عورتیں جنسی استحصال کا شکار ہیں۔ جنسی استحصال کا شکار ہونے والی عورتوں میں سب سے زیادہ تعداد ہندوستانی عورتوں کی ہے۔ جن کی تعداد ایک کروڑ دس لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اسی طرح جنسی استحصال کا شکار چینی عورتوں کی تعداد بیس لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تھائی لینڈ، چین، بنگلہ دیش، فلپائن، پاکستان، برما، روس اور سری لنکا کا نمبر آتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے محافظوں نے پوری دنیا کے اندر انسان کو بچا کر کے کھڑا کر دیا ہے اور اس سے صدیوں کی قائم شدہ اخلاقی اقدار چھین لی ہیں۔ اب انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے۔

حیوانی معاشرہ

انسانی معاشروں میں یہ ممکن نہیں ہے کہ انہیں ”سیکس فری“ قرار دیا جائے۔ جنگل اور حیوانیت کے اصول جب انسانی آبادیوں پر لاگو کئے جائیں گے تو تہذیب اور اخلاقیات کے سارے ضابطے دم توڑ جائیں گے۔ لیکن عالمی سرمایہ داری نے اس ناممکن کو بھی ممکن کر دکھایا ہے۔ معاشرہ تو وہاں پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اور اب ان پر ریاستی اور قانون کی پابندیاں بھی ختم کر دی ہیں۔ مغربی معاشروں میں انسانوں کو ”حیوانی ریوزوں“ کی طرح کھلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جہاں سے چاہیں اپنی جنسی ہوس پوری کر لیں۔ اس سے مغرب کے اندر اخلاقیات اور معاشرت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ مغربی معاشرہ اب اپنے آپکو انسانی تہذیب کا حصہ نہیں کہہ سکتا۔ وہ اب حیوانوں کا ایسا ریوز ہے جس کی کوئی اخلاقیات نہیں ہیں۔

اس وقت مغربی دنیا کے اندر آتیس ممالک نے ہم جنس جوڑوں (Lesbian, Gay, Bisexual, Transgender (LGBT) کی شادی کو قانونی شکل دے دی ہے۔ ان میں سے سولہ صرف یورپی ممالک شامل ہیں۔ 1989 میں ڈنمارک دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے ہم جنس جوڑوں کو رجسٹرڈ پارٹنرشپ کی اجازت دی۔ اس کے بعد 2001 میں نیدرلینڈ نے ہم جنس جوڑوں کو آپس میں شادی (Civil Marriage) کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد پندرہ دیگر یورپی ممالک نے ہم جنس جوڑوں کو باہم شادی کرنے کی

اجازت دیدی۔ ان پندرہ ممالک میں بلجیم، چین، ناروے، سوڈن، پرچگال، آئس لینڈ، ڈنمارک، فرانس، انگلینڈ اور ویلز (برطانیہ)، سکاٹ لینڈ، لگزمبرگ، آئر لینڈ، فن لینڈ، مالتا، جرمنی اور آسٹریا شامل ہیں۔ چرچ نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ مندرجہ بالا یورپی ممالک کے علاوہ ارجنٹائن، برازیل، کینیڈا، کولمبیا، ایکواڈور، میکسیکو، نیوزی لینڈ، ساؤتھ افریقہ، تائیوان، پیراگوئے، کوسٹاریکا اور آسٹریلیا میں بھی ہم جنس جوڑوں کو شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ امریکہ کی 37 ریاستوں میں ہم جنس جوڑوں کو شادی کی اجازت دی گئی ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ستریس ریاستوں میں پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ جن میں صرف کیلیفورنیا میں 98153 نیویارک میں 48132، واشنگٹن میں 19003 اور فلوریڈا میں 48496 ہم جنس شادی شدہ جوڑے ہیں۔ باقی دوسری ریاستوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آسٹریلیا، برطانیہ، نیوزی لینڈ اور دیگر ممالک میں ایک قابل ذکر تعداد ایسے ہم جنس شادی شدہ جوڑوں کی ہے جو غیر فطری عمل کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

امریکہ اور یورپ کی پوری فلم انڈسٹری، عریانی، جنس، تشدد اور مار دھاڑ سے بھری پڑی ہے۔ آخر یہ عریاں ٹریل ایکس فلمیں کس کو دکھانے کیلئے بنائی جارہی ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے؟ ان فلموں کو دیکھنے کے بعد انسانی ذہن پر کس قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کس قسم کا سماجی اور سیاسی رویہ پیدا ہوتا ہے؟ ان تمام فلموں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ انسان کی اندر کے نازک جذبات اور تہذیبی اقدار کو کچل کر ان کی جگہ جنسی اشتعال اور پر تشدد مردم خوری کے جذبات بھر دیئے جائیں تاکہ وہ ایک ”جنسی خانہ بدوش“ میں تبدیل ہو جائے اور انسانی تہذیب و تمدن کے ساتھ اس کا ناٹھ منقطع ہو جائے۔ امریکہ اور یورپ کی فلم انڈسٹری یہ مجرمانہ کام عالمی سرمایہ داری کے ثقافتی حملہ کا ایک حصہ ہے۔ اب یہ کام یورپ اور امریکہ کی فلم انڈسٹری سے نکل پوری دنیا کے اندر پھیل رہا ہے بلکہ پھیلا جا رہا ہے۔ اس کا صرف اور صرف مقصد انسانی معاشروں کی جڑیں کاٹنا اور فرد کو وحشی اور نفسیاتی طور پر اپنا بیج کرنا ہے۔

اجتماعی طور پر سامراج کی اس وسیع پیمانے پر پھیلائی ”اخلاق باختگی“ مہم نے سارے عالم کی تہذیبوں پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں لیکن چونکہ اس مہم کا آغاز عیسائی ملکوں سے ہوا لہذا اس کا پہلا اور مضبوط نشانہ بھی عیسائی تہذیب ہی بنی ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ کی یہی تعلیمات تھیں کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتیں سے شادیاں کریں گے؟ کیا حضرت عیسیٰ نے دنیا کو کسی ایسی بے حیائی اور اخلاق باختگی کا درس دیا تھا؟ پورے عیسائی یورپ کیلئے یہ باعث شرم ہے کہ یہودی سرمایہ داروں نے نہایت عیاری کے ساتھ

ان کے کچھر اور تہذیبی اقدار کو تباہ کر دیا ہے۔

جنس پرستی اور جرائم کی دلدل میں پھنسے معاشرے کبھی بھی انقلابی معاشرے نہیں بن سکتے۔ ایسے معاشروں کے اندر فرد کی تربیت کنزیومر کچھر اور دوسروں کی چیزیں ہتھیا لینے کی خواہش پر مبنی ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ اجتماعی سطح پر ”چور معاشرے“ ہوتے ہیں۔ ان میں سامراج دشمنی اور انقلابی رویوں کی تخلیق کا عمل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ شہری معاشرے صنعتی انقلاب کا ایک منطقی نتیجہ ہیں مگر ان کو جان بوجھ کر اور ایک شعوری عمل کے تحت ”بے ترتیب“ طریقہ سے پروان چڑھایا گیا ہے تاکہ لوگوں کی ”ثقافتی جڑیں“ ٹوٹ جائیں۔

ان ”نوٹی جڑوں“ کے معاشروں کو ہستی بستی ”ثقافتی آبادیوں“ میں تبدیل کرنے کی بجائے ان کو دانستہ ”خودرو“ رہنے دیا گیا ہے تاکہ سامراجی مفادات کی خاطر انہیں ”بغیر جڑوں“ کے معاشرہ میں تبدیل ہونے دیا جائے۔ انسانی معاشروں کے اندر بتدریج تبدیلی کا عمل اور چیز ہے اور معاشروں کی جڑیں توڑ دینا اور چیز ہے۔ بغیر جڑوں کے معاشرے اخلاقی بے ترتیبی اور جرائم کا شکار ہوتے ہیں وہ اپنی ثقافت کے اندر ثقافتی انجذاب (Acculturation / Assimilation) کے عمل کے ذریعہ مثبت تبدیلیاں لاکر اسے زرخیز نہیں بناتے بلکہ وہاں تبدیلی سے مراد جرائم اور جنس پرستی کے کچھر میں انضمام کا دوسرا نام ہوتا ہے جبکہ جڑوں والے معاشروں کے اندر تبدیلی انسانی کردار کو اعلیٰ و ارفع اقدار سے روشناس کروا کر اسکی شخصیت کو زرخیز بناتی ہے اور اسکے اندر ظلم، بربریت، مفاکی اور استحصالی رویوں کے خلاف نفرت اور مزاحمت کے جذبات کو ابھارتی ہے۔

مغرب کا ثقافتی ماڈل سماجی ڈھانچوں کے ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد خاندانی ڈھانچوں کی ٹوٹ پھوٹ کے عمل کا شکار ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس معاشرہ کے اندر رشتوں کی پہچان اور احساس ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی تربیت (Socialization) کے دونوں بنیادی ادارے یعنی سماجی ڈھانچہ اور خاندانی بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور فرد منڈی کے کچھر کا محتاج ہو کر نفسیاتی اور جذباتی طور پر مفلوج ہو گیا ہے۔ دور جدید کے ذہنی انتشار (Mental Disorders) کی بیماریاں جیسے بیگانگی (Alienation)، تنہائی (Loneliness)، افسردگی (Depression) اور مردم آزاری (Sadism) منڈی کے کچھر کی پیداوار ہیں۔

مغرب کے یتیم بچے

باپ کے بغیر (Father less) یا سنغل فیملی سسٹم (Single Parent Family) نے مغربی

معاشرہ اور انسانی ثقافت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ مغرب کے اندر یہ وبا بڑی گہرائی تک سرائت کر گئی ہے۔ عام خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مرض صرف کالوں کے اندر عام ہے مگر ایک تجزیہ کے مطابق کالوں میں اس کی شرح ضرور زیادہ ہے مگر گورے بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔ مختلف سروے کرنے پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ باپ کے بغیر بچوں کی سکول سے بھاگنے اور جرائم میں ملوث ہونے کی شرح باپ کی سرپرستی اور تحفظ میں پلے بچوں کے مقابلہ میں دو گنی ہے۔ اپنی ابتدائی دو شیزگی میں بغیر نکاح کے ماں بننے والی خواتین کی پچاس فیصد کے قریب تعداد ایسی ہے جو خود بھی ایسے ہی خاندان یا والدین کی اولاد تھیں۔ امریکی سینسس بیورو کے مطابق 19.7 ملین بچے بغیر باپ کے رہ رہے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر چوتھا بچہ باپ کے بغیر زندگی گزار رہا ہے۔ (2017, U.S. Census Bureau)

امریکہ میں 64 ملین مرد اپنا باپ ہونا تسلیم کرتے ہیں مگر ان میں سے 26.5 ملین اپنے بچوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ باقی سارے غیر حاضر ہیں۔ شادی کی اوسط عمر سات سال ہے۔ پچاس فیصد شادیاں تین سے دس سال کے عرصہ میں طلاق پر منتهی ہوتی ہیں۔ 24.7 ملین بچے اپنے حیاتیاتی باپ کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکہ میں تین میں سے ایک بچہ ایسا ہے جو اپنے باپ کے بغیر زندگی گزار رہا ہے۔ بغیر باپ کے پرورش پانے والی بچیوں کی بیس سال سے کم عمر میں ماں بننے کی شرح دوسری بچیوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے۔ 35 فیصد بچے ایسے ہیں جو اکیلی ماں یا اکیلے باپ کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ ان میں سے 25 فیصد اپنی اکیلی ماں اور 10 فیصد اپنے اکیلے باپ کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

خودکشی کرنے والوں میں 63 فیصد بغیر باپ کے پرورش پانے والے بچوں کی ہے۔ امریکہ میں 40 فیصد بچے بغیر نکاح کی ماؤں نے جنم دیئے ہیں۔ 75 فیصد "پیشہ ور زنا کار" اور 63 فیصد خودکشی کرنے والوں کا تعلق بھی بغیر باپ کے پرورش پانے والے بچوں سے ہے۔ 90 فیصد گھر سے بھاگ جانے والے بچوں کا تعلق بھی بغیر باپ کے پرورش پانے والے خاندانوں سے ہے۔ جنسی انتشار کا شکار بچوں میں 85 فیصد کا تعلق بھی ایسے ہی منتشر گھرانوں سے ہے۔ (U.S. Department of Justice)

مغربی معاشرہ بغیر باپ کے بچوں کا ایک بہت بڑا "یتیم خانہ" جہاں والدین کے بغیر بے سہارا بچے رہتے ہیں۔ یہ "بغیر باپ کے بچے" مغربی معاشرہ کے اندر بغیر نکاح کے جنسی روابط پیدا کرنے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ اس جنسی اختلاط کے نتیجہ میں وہاں پر ایک ایسی نسل تیار ہو گئی ہے جن کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان کا باپ کون ہے۔ یہ بچے پہلے دن سے ہی یتیم پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں گھریلو ماحول اور معاشرتی ساخت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان بچوں نے اپنے باپ کی کبھی شکل نہیں

دیکھی ہوتی۔ مائیں ان کی پرورش کرتی ہیں اور اس کے لئے انکو دودھری شفٹوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ کام کے بوجھ کی وجہ سے وہ اکثر نفسیاتی اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر مستعل بیمار یوں کا شکار ہو جاتی ہیں اور کئی مائیں شروع میں ان بچوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی جاتی ہیں۔ ان ”بے یار و مددگار“ بچوں کی پرورش ریاستی ادارے کرتے ہیں۔ ماں باپ کی عدم موجودگی میں ان بچوں کی نفسیاتی اور جذباتی تباہی کا اندازہ باسانی لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ”پیدا انٹی-ٹیم“ معاشرہ کے ”پیدا انٹی اپانج“ بچے ہیں۔

”کنزیومر ازم“ کے فلسفہ کی ترویج

کنزیومر کلچر انسان کو اخلاقی اور انسانی اقدار کی جگہ مادی اشیاء کی جانب ترغیب دیتا ہے۔ مادی اشیاء کے حصول کی پاگلانہ ہوس انسانی نفسیات کے اندر ہوس دنیا کی ایک آگ بھڑکا دیتی ہے اور وہ ہر لمحہ نئی نئی اشیاء کی خرید کے تجسس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان ایک قسم کے نفسیاتی باؤلا پن کا شکار ہو کر اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ دولت جمع کرنے اور مادی اشیاء کی انبار کے ساتھ دوسروں کو نمود و نمائش کے ذریعہ زیر کرنے کے ایک لامتناہی چکر میں پڑ کر اپنی ذات تک کو بھی بھول جاتا ہے۔ وہ نئے سے نئے ماڈل کی گاڑیاں، زیادہ پر آسائش گھر اور نئے نئے برانڈز کی خرید کے چکر میں لگا رہتا ہے حالانکہ وہ چیزیں اس کی بنیادی ضروریات کا حصہ ہرگز نہیں ہوتیں۔ بالآخر وہ اپنی انسانی شناخت کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنی دولت اور اشیاء کو ہی اپنی اصل شناخت سمجھنے لگتا ہے۔ وہ داخلی طور پر روحانیت سے یکسر خالی اور ایک مادی سرمایہ دارانہ نظام کا پرزہ بن جاتا ہے۔ یہ سارا نفسیاتی اور سماجی ماحول ایک سازش کے تحت پیدا کیا جاتا ہے جس کا کہ اس کے انسانی شکار کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ وہ لاشعوری طور پر ہی معاشرہ اور میڈیا کی لہروں پر سوار ہو کر اس عمل کا حصہ بن جاتا ہے اور اپنی انسانی شناخت کھو بیٹھتا ہے۔ وہ نئے نئے برانڈز کی تلاش میں خود ایک برانڈ کلچر کا حصہ بن جاتا ہے۔ فلٹن جے شین نے اس صورت حال کا یوں ادراک کیا ہے:

”Advertising tries to stimulate our sensuous desires, converting luxuries into necessities, but it only intensifies man's inner misery. The business world is bent on creating hungers which its wares never satisfy, and thus it adds to the frustrations and broken minds of our times. (Fulton J. Sheen)

ترجمہ: ”اشتہار بازی ہماری خوابیدہ حسوں کو ابھارتی ہے۔ تعیشت کو ہماری ضروریات بنا کر پیش کرتی ہے۔ کاپوریٹ دنیا ہمارے اندر اشیاء کی بھوک پیدا کرتی ہے جو ہمیشہ ہی تشنہ تکمیل رہتی ہے اور ہماری مایوسیوں میں اضافہ کر کے ہمارے ذہنوں کو انتشار زدہ کرتی ہے۔“

"Consumerism has become a new religion, complete with its high priests". (Sean O'Grady)

ترجمہ: "کنزیومرازم ایک نئے مذہب کی شکل میں سامنے آیا ہے جسکے اپنے کارپوریٹ پادری ہیں۔"

کنزیومرازم آج کے دور میں ایک نئے مذہب اور ثقافت کے طور پر متعارف ہو رہا ہے۔ ہر لمحہ دل و دماغ پر چھائے ہمارے چاروں طرف پھیلانے گئے میڈیا پروگرام اور اشتہارات نے اشیاء کی خواہشات میں مبتلا ایک نیا معاشرہ تخلیق کر دیا ہے جو نڈی دل کی طرح انسانی اقدار اور ثقافتوں کو نگلے چلا جا رہا ہے۔ اس کا شکار اکیلا فرد ہو یا اجتماعی معاشرہ ریشم کے ایک کیڑے کی طرح اپنی ذات کے حصار میں قید ہو کر اسی قید خانہ کے اندر ایک بے معنوی موت مر جاتا ہے اور اسے احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی اخلاقی موت کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی مرتا جا رہا ہے۔ ایسا انسان یا معاشرہ تہذیبی اقدار سے کٹ کر موت کے صحرا میں جا گرتا ہے اور لمحہ لمحہ مرتا ہے۔ وہ اپنی ان ضروریات کی تکمیل اور دوسروں سے نمایاں ہونے کی خواہش میں ہر اخلاقی ضابطہ توڑنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ معاشرہ کے اندر اجتماعی سطح پر اخلاقی اور جاندار ثقافتی اقدار کی موت کا عمل ہے جسے میڈیا اور وسیع پیمانے پر کی جانے والی اشتہار بازی کے ذریعہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس ذہنی کیفیت نے خود انسان کو مارکیٹ کے ایک پرزہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ انسانی جسموں کی خرید و فروخت (قید گری) اسی اخلاقی عمل کا ایک حصہ ہے کہ جن کے پاس کچھ نہیں ہے یا جو دولت کی ہوس میں اندھے ہو چکے ہیں انہوں نے مادی اشیاء کے حصول کیلئے اپنے جسموں کی تجارت شروع کر دی ہے۔

کنزیومرازم نے انسان کو اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا ہے۔ وہ انسانی قدروں سے نا آشنا ہو گیا ہے۔ کنزیومرازم نے ہمارے ذہنوں کو منفی رویوں کی جانب موڑ دیا ہے۔ اس نے ہم سے ہماری تہذیبی شناخت اور تاریخی آورشیں چھین لی ہیں۔ اس نے ہمیں انسانی سطح سے گرا کر ایک حیوان میں تبدیل کر دیا ہے۔ کنزیومرازم جدید انسان کا مدعا و مقصود اور اسے متحرک رکھنے والی طاقت ہے جو اسکے کھوکھلا پن کو ظاہر کرتی ہے۔ کنزیومرازم صحرا میں پانی کی تلاش کے مترادف ہے۔ یہ ایک ایسی ہوس ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسلئے کہ انسان مادی اشیاء کا جتنا بڑا انبار بھی اکٹھا کر لے یہ اسکی روحانی نشوونما نہیں کر سکتا۔ ثقافتی بانجھ اور تہذیبی گنوار کبھی بھی زندگی کی حقیقی خوشیوں سے آشنائی حاصل نہیں کر سکتے۔ کنزیومرازم کی لائی گئی تباہی کے بارے میں چند دانشوروں کی آراء قابل ملاحظہ ہیں:

"Consumerism thrives on emotional voids". (Caroline Knapp)

ترجمہ: ”کنزیومرازم جذبات کی لاش پر اپنی عمارت تعمیر کرتا ہے۔“
ہربرٹ مارکیوز کہتا ہے:

”The people recognize themselves in their commodities; they find their soul in their automobile, hi-fi set, split-level home, kitchen equipment”.

(Herbert Marcuse)

ترجمہ: ”لوگ اپنی ملکیتی اشیاء کے حوالہ سے اپنی شناخت کرواتے ہیں۔ ان کی روح ان کی آٹو موبائل، ہائی فائی سیٹ، سپلٹ۔ لیول گھر اور باورچی خانہ کی اشیاء کے اندر آگئی ہوتی ہے۔“
آئیون ایلیچ کہتا ہے:

In a consumer society there are inevitably two kinds of slaves: the prisoners of addiction and the prisoners of envy. (Ivan Illich)

ترجمہ: ”کنزیومر سوسائٹی اندر دو قسم کے غلام پائے جاتے ہیں: ایک خریداری کی عادت میں مبتلا اور دوسرے حسد کی عادت میں مبتلا۔“
ایریک فرام کہتا ہے:

”We are a society of notoriously unhappy people: lonely, anxious, depressed, destructive, dependent - people who are glad when we have killed the time we are trying so hard to save” (Erich Fromm)

ترجمہ: ”ہم بد معاش لوگوں کا وہ ناخوش طبقہ ہیں جو تنہائی، بے چینی، ذہنی دباؤ، تنہائی اور محتاجی کا شکار ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جو اپنا وقت گزارنے کے چکر میں سرگرداں ہوتے ہیں حالانکہ وقت ہمیشہ ہی قیمتی ہوتا ہے۔“

ملٹی نیشنلز کا تخلیق کردہ کنزیومر معاشرہ ایک ایسا بنجرہ ہے جس کے قیدی ہر لمحہ اذیت میں رہتے ہیں۔ سامراجی میڈیا ہمیں ہر لمحہ یہ بتانے کی کوشش میں مصروف ہے کہ حقیقی خوشی کا حصول صرف اور صرف مادی اشیاء کے حصول میں ہے لیکن وہ ہمیں یہ بتانا بھول گیا ہے یا شاید بتانا نہیں چاہتا کہ انسان معاشی حیوان نہیں ہے۔ انسان کی ایک داخلی دنیا بھی ہوتی ہے انسان جذبات کا مرقع ہے جو معاشی حرص و ہوس سے بہت آگے کی چیز ہے۔ داخلی خوشی بھی ایک دولت ہے جس کا سرچشمہ انسان کے اندر ہے میگا سٹورز کے اندر نہیں ہے۔ جب کوئی فرد ایک مرتبہ اپنی شناخت اپنی اشیاء کے حوالہ سے بنانے کا عادی ہو جائے تو لامحالہ طور پر وہ اپنی

انسانی اور اخلاقی شناخت بھول جاتا ہے۔

یہی انسان کی جذباتی اور نفسیاتی موت کی علامت ہے۔ ان لوگوں کا نہ تو کوئی سچا دوست ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی سچا دشمن۔ وہ زیست کے خارزاروں میں اوندھے پڑے ہیں۔

جب ایک انسان اپنی شناخت اپنی ملکیتی اشیاء کی نمائش کے ذریعہ سے کرواتا ہے تو وہ حقیقت میں دوسروں کو نچا دکھانے اور ان کی تذلیل کرنے کی لاشعوری کوشش میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی کا نام ”افزیت پسندی“ اور ”مردم آزاری“ ہے اور اسی سے ذہنی انتشار اور دوسری نفسیاتی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ ”بیزاری“، ”بے چینی“ اور ”بیگانگی“ اس مائنڈ سیٹ کے خصوصی خصائص ہیں۔ اس کے زخم رستے ہیں اور وہ مرض الموت کی حالت میں بے جس ہو کر الٹا گرا پڑا ہے۔ یہی جدید انسان کی چتا ہے جس میں وہ لمحہ جیتا اور ہر لمحہ مرتا ہے۔

اشیاء کے حصول کیلئے لگائی گئی یہ ”چوہا دوڑ“ معاشی نہیں بلکہ اخلاقی مسئلہ ہے۔ ہوس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور یہ میڈیا کی پیدا کی ہوئی ہوس ہے۔ یہ انسانی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ یہ انسان کے اندر اور اسکے خارج میں موجود خوبصورتی اور جمالیاتی حسن کو کچل دیتی ہے۔ یہ انسان کو بد شکل بنا کر اس کی جسمانی طاقت کو بھی مضحمل کر دیتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی فالج ہے جو اپنے شکار کو ہر لمحہ بے چین رکھتا ہے۔ کاپور ریٹ میڈیا فرد کو ہر لمحہ مشغول رکھتا چاہتا ہے کہ کہیں انسان واپس اپنے ماضی میں پلٹ کر اپنی کھوئی ہوئی اقدار کو تلاش کرنے کے ”چکر“ میں نہ پڑ جائے۔ جو ایک دفعہ اس مرض کا شکار ہو گیا وہ مشکل سے ہی باہر نکلے گیا۔ اس کیلئے اسے باضابطہ شعوری کوشش کرنا پڑتی ہے اور حاضر معاشرہ کے خلاف بغاوت (Non Conformist) کا رویہ اپنانا پڑتا ہے۔

اگر آپ کا ذہن ہر لمحہ تفکرات اور دنیاوی خواہشات کی منصوبہ بندی میں الجھا ہوا ہے تو آپ اپنے آپ سے جدا ہو چکے ہیں اور آپ کی داخلیت تباہ ہو چکی ہے۔ یہی کاپور ریٹ کے پیدا کردہ جدید انسان کا المیہ ہے۔ یہ ”کاپور ریٹ ذہنیت“ اثرافیه طبقہ سے شروع ہو کر معاشرہ کے نچلے طبقات کی سطح تک پہنچ چکا ہے۔ یہ زہر از حد خطرناک ہے۔ یہ ایک قسم کا وائرل انفیکشن ہے جو تیزی کے ساتھ پھیلتا اور انسانی معاشرہ کو تباہ کر دیتا ہے۔

”بغیر جڑوں کے شہری آبادیاں“

دنیا کے اندر دو قسم کی شہری آبادیاں ہیں۔ ایک جو منظم منصوبہ بندی کے تحت معرض وجود میں آئیں اور ”سری جو خود رو“ ہیں۔ حقیقی طور پر دنیا میں شاید ایک بھی شہر ایسا نہیں ہے جسے ہم مکمل طور پر ایک ”منظم“ یا

”بند“ شہر کہہ سکیں۔ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شہر کے بچوں یا پھر گردا گرد ضروریات زندگی سے محروم ایسی تنگ و تاریک ایک دو کمروں کے چھوٹے چھوٹے گھر موجود ہیں جو کسی بھی اعتبار سے انسانی رہائش کے قابل نہیں ہیں۔ یہ یا تو ان لوگوں کے گھر ہیں جو ان شہروں کے آباد ہونے کے ابتدائی مراحل میں وہاں موجود تھے یا پھر ان لوگوں کی خستہ حال بستیاں ہیں جو دور و نزدیک سے روزگار کی تلاش میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہو گئے ہیں۔ ان بستیوں کے اندر انسانی صحت کیلئے نہ تو ہوا اور روشنی کا انتظام ہے اور نہ ہی ”خلوت نشینی“ کا کوئی خیال رکھا گیا ہے۔ تعلیم اور میڈیکل کی سہولتیں بھی ناچید ہیں۔ کئی کئی ہفتوں تک یہاں بجلی غائب رہتی ہے۔ جرائم پیشہ اور نشہ کے عادی افراد ان علاقوں کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ وہ ان علاقوں میں آباد غریب بچوں کو جرائم اور نشہ کی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ یہاں پر ہیروئن، شراب، اسلحہ اور دوسری ممنوعہ اشیاء کا کاروبار ہوتا ہے۔ اوسوالڈ سننگھر نے شہروں کو ”تہذیب کے قبرستان“ کہا تھا۔ آج کی یہ شہری بستیاں اسکی عملی تصویر ہیں۔ یہاں عملی طور پر انسانوں کی بجائے حیوان پائے جاتے ہیں جو کہ بامعنی الفاظ میں کسی بھی معاشرت اور ثقافت کا حصہ نہیں ہوتے۔ سیاسی اصطلاح میں انہیں ”غیر جڑوں کی بستیاں“ (Lumpen Proletariat) کہا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام میٹروپولیٹن شہر اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ چونکہ پوری دنیا اپنی ملکی منصوبہ بندی کیلئے عالمی بینک یا اس سے جڑے ہوئے ”ماہرین“ سے مشورہ کرتی ہے اور ان سے اپنے شہروں کی ڈیزائننگ کرواتی ہے لہذا یہ منصوبہ بندی ہمیشہ ہی ناقص ہوتی ہے۔ اب عالمی سامراج ان ہی میٹروپولیٹن شہروں کے اندر بغاوت کے بیج بو کر قومی ریاستوں کو تباہ کرنے اور ان میٹروپولیٹن شہروں کے کھٹن سے چھوٹے چھوٹے نئے ممالک پیدا کرنی کی سازشوں میں مصروف ہے۔ یہ غیر جڑوں کے آبادیاں ہیں جنکا کوئی سماجی کلچر یا سماجی ڈھانچہ نہیں ہے۔

مغرب میں خاندان اور معاشرہ کا خاتمہ

باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت مغرب میں خاندانی نظام اور معاشرہ کا خاتمہ کیا گیا۔ اس کا مقصد بھی مغرب کے انسان کو اس کے خاندانی اور جذباتی نظام سے جدا کر کے اس کی تہذیبی جڑوں کو کاٹنا تھا تاکہ اس میں نہ تو مزاحمت کی حس باقی رہے اور نہ ہی اسکا کوئی خاندانی اور جذباتی پس منظر باقی بچے۔ چیل کے بچوں کی طرح انسان اپنے ماں باپ کے گھونسلوں میں پیدا ہوتے اور پر نکلنے پر اڑ جاتے ہیں۔ کسی کا کسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ یہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر ”غیر محفوظ بچے“ رزق معاش کی تلاش میں سرمایہ کے قید خانہ کے جال میں پھنس کر ساری زندگی دانہ دھنکا چھٹنے کی جدوجہد میں گزار دیتے ہیں۔ یہ لوگ تہذیبی سطح پر زندگی گزارنے کی بجائے سرمایہ کے قید خانہ میں بند رہ کر اپنی زندگی کا دورانیہ پورا کرتے ہیں۔ یہ

سرمایہ کے قید خانہ کے وہ قیدی ہیں جنہیں اپنی قید کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اشتراکی اور سرمایہ دارانہ معاشروں کے اندر معاشرہ کا وجود ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ انسانی تمدن کی ہمیشہ تین تہیں (Three layers) ہوتی ہیں۔

(1) فرد (2) خاندان / معاشرہ (3) ریاست۔

اب صرف فرد اور ریاست باقی رہ گئے ہیں اور معاشرہ کا وجود ختم ہو گیا ہے۔ معاشرہ کا وجود صرف حیاتیاتی عمل تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی خاندان کا تصور روحانی اور تہذیبی نہیں رہا بلکہ حیاتیاتی ضرورتوں کے تابع ہو گیا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان ایک گھونسلہ (گھر) کے اندر جنسی رشتہ قائم ہوا جس کے نتیجہ میں بچے پیدا ہوئے۔ بچے جب تھوڑے سے بڑے ہوئے اور کمانے کے قابل ہو گئے تو یا والدین فرار ہو گئے یا بچے فرار ہو گئے۔ اس طرح خاندان کا مضبوط ادارہ جو صدیوں سے انسانی تہذیب اور اخلاقی اقدار کی پاسبانی اور بقا کا ضامن تھا عملی طور پر ختم کر دیا گیا۔ معاشرہ چونکہ خاندانوں کے ہی مجموعہ کا نام ہے لہذا خاندانی نظام کے خاتمہ کے ساتھ ہی معاشرہ کی موت واقع ہو گئی۔ اس سے سماجی ڈھانچہ نوٹ گیا اور تنہائی کا مارا تنہا فرد ریاست اور کارپوریشنز کے رحم کرم پر رہ گیا۔ مذہب، ثقافت اور خاندانی سہارے سے محروم ”تنہا شخص“ دنیا کا ”غریب ترین“ شخص ہے۔ وہ بھلا سامراجی نظام اور اس کی کارپوریشنز کا کیا مقابلہ کرے گا؟

بقول شاعر:

غیر ممکن ہے کہ حالات کی صحیحی سلجھے

اہل دانش نے بہت سوچ کے الجھائی ہے

مغربی انسان کو چنی، ثقافتی اور جذباتی طور پر مار دیا گیا ہے اور یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔

”عالمی خانہ بدوش“

یورپ کے اندر دو عالمگیر جنگیں برپا کر کے عالمی سرمایہ دار قوتوں نے یورپ کی مذہبی اور ثقافتی جڑیں اکھاڑ دی تھیں جس سے یورپ آج تک جانبر نہیں ہو سکا۔ اب نئی منصوبہ بندی کے تحت وہی عمل علاقائی خانہ جنگیوں کی شکل میں محدود علاقوں کے اندر ہر ایسا جارہا ہے۔ سامراج نے اس وقت پوری دنیا کے اندر ایک قیامت مغربی برپا کی ہوئی ہے۔ ایک منظم سازش کے تحت دنیا کے مختلف علاقوں میں علاقائی جنگوں اور خانہ جنگیوں کی آگ بھڑکائی ہوئی ہے۔ سامراج کے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے شروع کی گئی ان

جنگوں نے دنیا کو ایک آتھکدہ میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ لکھو کہ ہا انسان ان جنگوں میں قتل ہو چکے ہیں اور لکھو کہ ہا گھرانے تباہ ہو چکے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ مہاجرین کے روپ میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ سامراج کے بھڑکائے گئے عالمی آتش فشاں کی وجہ سے یہ معصوم لوگ عذاب مسلسل سے گزر رہے ہیں۔

سامراج نے ایشاء اور افریقی کے زیادہ جاہل اور روایتی معاشروں کو جڑوں سے اکھاڑنے کیلئے علاقائی خانہ جنگیوں کے ایک نئے سلسلہ کو جنم دیا ہے۔ اس کا سلسلہ سابقہ صدی کے آخری عشروں میں یوگوسلاویہ سے شروع کروایا گیا تھا۔ یوگوسلاویہ میں نسلی، ثقافتی اور مذہبی بنیادوں پر خون کی ایک بڑی ہولی کھیلی گئی۔ صدیوں سے آباد معاشروں کو چند ہفتوں کے اندر خاک و خون میں نہلا کر ان کی جڑوں سے اکھاڑ دیا گیا۔ لاکھوں کے حساب سے لوگ بے گھر ہو گئے اور ان سے ان کا مال و اسباب چھین لیا گیا۔ وہ بے خانماں کر دیئے گئے۔ یہ ہے سامراج کا جبری طور پر معاشروں کو جڑوں سے اکھاڑ دینے کا عمل۔ کمیونزم کی شکست کے بعد یورپ کے اندر مارشل ٹیٹو کا یوگوسلاویہ امن، خوشحالی اور معاشیات کا ایک نیا ماڈل بن سکتا تھا مگر اسے راتوں رات نسلی اور مذہبی فسادات کی آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ صدیوں سے عیسائی، مسلمان اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ وہاں پر امن ہمسائیوں کی طرح ہمیں خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر سامراج نے ان کے اندر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ دولت اور اسلحہ کا استعمال کر کے ان معاشروں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا۔ جڑوں سے محروم معاشروں کے اندر بے ربط تشدد، جرائم، قحط گری، اغوا برائے تاوان اور قتل جیسا کلچر تو ضرور پیدا ہوتا ہے مگر یہ معاشرے ایک بامعنی انقلاب پیدا کرنے کے عمل سے بہت دور چلے جاتے ہیں۔ مقامی آبادیوں کے اندر مزید نفرت پیدا کرنے کیلئے مختلف گروہوں کے درمیان سرمایہ اور اسلحہ تقسیم کیا جاتا ہے اور غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ اصل مجرموں کو چھپانے کیلئے وہی سامراجی سرمایہ دار اس عوام کے خیر خواہ بن کر مسجاؤں کا روپ دھار کر ان اجڑی بستیوں کے مکینوں کے اندر این جی اوز کی شکل میں پھیل جاتے ہیں۔ وہ مہاجر کمپوں کے اندر خوراک کے بندل اور مفت ادویات تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ بین الاقوامی اور مقامی میڈیا کے ذریعہ اصل دشمنوں کے چہرے چھپائے جاتے ہیں اور نفرتوں کا رخ دوسری طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ لوگ مقامی لڑائیوں میں الجھ کر جاہلانہ استحصالی نظام کے خلاف جنگ کا راستہ بھول جاتے ہیں۔ یہی سامراج کی مجرمانہ حکمت عملی ہے کہ انسانوں کے سروں پر اپنی خوشحالی اور اجارہ داریوں کی بنیاد رکھی جائے۔

دنیا کے مختلف خطوں کے اندر مذہبی اور نسلی فسادات کے نتیجہ میں اپنے گھر بار چھوڑ کر پناہ گزینوں کے

کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں دو کروڑ پچاس لاکھ پناہ گزین اپنی ملکی حدود سے نکل کر دوسرے ممالک کے اندر پناہ لئے ہوئے ہیں جبکہ تین کروڑ اسی لاکھ مہاجرین اپنے ہی ملک کی حدود کے اندر پناہ گزین ہیں۔ خانہ جنگی یا غیر ملکی حملہ کے نتیجہ میں اپنے گھروں سے اجڑنے والوں میں شام، عراق، یمن، سوڈان، افغانستان، لیبیا، صومالیہ، کولمبیا کے لوگ بطور خاص شامل ہیں۔ فلسطینی پناہ گزین جن کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے اس کے علاوہ ہیں جو شام، اردن اور دیگر ممالک میں 1948 سے لگرا جگ پناہ لئے ہوئے ہیں۔ شام کی بیس فیصد آبادی اپنے گھروں سے اجڑ کر پناہ گزینوں کے کیمپوں میں جا چکی ہے۔ عراق کا حال بھی اتنا ہی بدتر ہے۔ خانہ جنگی کے نتیجہ میں شام کے اندر اب تک پانچ لاکھ سے زائد افراد شہید کئے جا چکے ہیں۔ عراق کے اندر شہید ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے قبل ہم پناہ گزینوں کے بڑے قافلے لبنان، بوسنیا، کوسوو، کمبوڈیا، مشرقی تیمور کے اندر دیکھ چکے ہیں۔ ان پناہ گزینوں کی اپنے ملک سے باہر ہمسائیہ ممالک میں جانے سے وہاں کی ثقافتیں اور طرز زندگی بھی متاثر ہو رہی ہیں۔ ایک درجن سے زائد ممالک کی ثقافت اور معیشت ان غیر ملکی پناہ گزینوں کی وجہ سے متاثر ہو رہی ہیں۔

2015 عالمی سطح پر کی جانے والی یہ ہوشر باجنسی اخلاق بانگلی محض اتفاقیہ یا پیسہ کمانے کی ہوس کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے وسیع تر سیاسی مقاصد کارفرما ہیں۔ اس کا مقصد انسانی آبادیوں کو ان کی ثقافتی اور انسانی اقدار سے محروم کر کے انہیں حیوانی سطح پر دھکیلنا ہے تاکہ ان کے اندر سامراج کی ابلیسی سازشوں کے خلاف مزاحمت کرنے کی حس ختم ہو جائے اور ان کی زندگی کا کوئی نصب العین باقی نہ رہے۔

اکیسویں صدی کی جنگیں

(1) نئی صدی میں جنگ کے نئے موضوعات

آپ جنگ شروع کریں یا نہ کریں لیکن عالمی سامراج آپ کے خلاف جنگ شروع کر چکا ہے۔ اس جارحانہ جنگ کا مقصد تمام قومی ریاستوں کا خاتمہ اور عالمی صہیونیت کی چھتری تلے ایک عالمی ریاست کا قیام ہے۔ کسی دانشور نے کہا تھا:

”جہیں جنگ سے دلچسپی ہو نہ ہو لیکن جنگ کو تم سے ضرور دلچسپی ہے۔“

ممکن ہے کہ بہت سے بزدل اور اعصابی طور پر کمزور لوگ اس بڑی عالمی جنگ کو ذہنی طور پر قبول کرنے میں پہلو تہی سے کام لیں لیکن یہ معروضی حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ جنگ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ کبوتر کی طرح بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے سے مصیبت ملتی نہیں ہے بلکہ اور بڑھ جاتی ہے۔ کسی بھی حقیقت پسند دانشمند کو یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ ہمیں اب پہلے سے بڑی جنگوں کا سامنا ہے اور یہ کہ جنگ اب مقامی یا علاقائی مسئلہ نہیں رہی بلکہ عالمی مسئلہ بن چکی ہے۔ اب کوئی بھی جنگ مقامی یا علاقائی جنگ نہیں ہے۔ ہر چھوٹی یا بڑی جنگ کا بین الاقوامی تعلق ہے اور ہمہ وقت کوئی نہ کوئی عالمی قوت ظاہری یا خفیہ طور پر اس کی سرپرستی کر رہی ہوتی ہے۔ اب جنگ کا ہر کھلاڑی عالمی کھلاڑی ہے اور ہر جنگ عالمی جنگ کا حصہ ہے۔

جنگ ہر دور میں خطرناک اور خوفناک رہی ہے مگر جنگ انسان کا مقدر ہے جو کبھی نہیں رکی۔ جب تیر کمان اور تلوار کی جگہ بارود اور رائفل نے لی تو سمجھا گیا کہ اب جنگ بہت خطرناک ہو گئی ہے اور ختم ہو جائے گی مگر جنگیں جاری رہیں۔ جب بم، ٹینک اور مارٹر توپیں سامنے آئیں تو سمجھا گیا کہ اب جنگ بہت خطرناک ہو گئی ہے لہذا اب جنگ رک جائیگی مگر جنگیں نہیں رکیں۔ تب انسان نے ایٹم بم بنالیا تو سمجھا گیا کہ اب جنگیں رک جائیں گی مگر جنگیں جاری رہیں۔ اب جنگیں زیادہ ترقی یافتہ شکل میں سامنے آرہی ہیں۔ عالمی تصادم پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز کو نصیبہ پر دئے جا رہے ہیں اور جنگ ایک عالمی کاروبار کی شکل اختیار

کرتی جا رہی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جنگیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ عالمی سرمایہ داروں کی پرائیویٹ فوجیں مقامی جنگی سرداروں کے ساتھ اشتراک پیدا کر کے جنگوں کو ٹھیکہ پر دے رہی ہیں۔ لوگوں کو قتل کرنا اور ان کے وسائل کو لوٹنا ان کے فوری اہداف میں شامل ہے جبکہ دنیا کی تمام قومی ریاستوں کو ختم کر کے ان کی جگہ ایک عالمی صیہونی ریاست قائم کرنا ان کے دور رس اہداف کا حصہ ہے۔

سامراج کی جانب سے پوری دنیا کے خلاف شروع کی گئی یہ ایک جارحانہ جنگ ہے جسے صرف جنگ کے ذریعہ ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ ماؤزے تنک کے الفاظ میں ”بندوق گرانے کیلئے بندوق اٹھانا پڑتی ہے۔“ عالمی سامراج کی شروع کی گئی ان جنگوں کے خلاف ردِ عمل کے طور پر جنگیں جنم لیں گی۔ یہ ردِ عمل قومی ریاستوں کی جانب سے بھی آرہا ہے اور غیر ریاستی لشکر بھی اس جنگ میں ہراول دستہ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ اکیسویں صدی کی جدید جنگ تو ابھی چند عرصے پہلے شروع ہوئی ہے۔

تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی
جس میں رکھا نہیں ہے کسی نے قدم
کوئی اترا نہ میدان میں دشمن نہ ہم
کوئی صف بن نہ پائی نہ کوئی علم
تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی؟

کچھ ایسی عالمی طاقتیں موجود ہیں جن کے مفادات عالمی ہیں اور ان کی جنگ بھی عالمی سطح پر ہے۔ اس وقت دنیا میں کئی درجن سے زائد بھرپور مسلح جنگیں جاری ہیں۔ عالمی سامراج کا ایجنڈا کھل کر سامنے آچکا ہے۔ انہوں نے پوری دنیا کی ”قومی ریاستوں“ کی جگہ ایک نئی عالمی ریاست کے تحت چھوٹی چھوٹی کئی ہزار غیر عسکری شہری ریاستیں قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کیلئے باقاعدہ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت مختلف ممالک کے اندر نسلی، لسانی اور مذہبی بنیادوں پر خانہ جنگیوں کو بھڑکانے کا ایک عالمی نقشہ تیار کر لیا ہے۔ ابھی جنگ جاری ہے اور مستقبل میں بھی اس کے ختم ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ قوم پرستی کے نام پر لڑی جانے والی سابقہ دونوں عالمگیر جنگیں عالمی منڈیوں کے حصول کیلئے تھیں اور اس کے بعد لڑی جانے والی ان گنت جنگیں عالمی اقتصادی غلبہ اور تیل کے حصول کیلئے تھیں اور یہ جنگیں اب تک جاری ہیں۔ تاہم ان کے اندر کچھ نئی جنگوں کا اضافہ ہونے جا رہا ہے۔ یہ نئی جنگیں پانی اور ”نسل پرستی“ / ”لسانی شناخت“ کیلئے لڑی جانے والی جنگیں ہیں۔ ان میں ایک اور قسم کی جنگوں کا بھی اضافہ ہونے والا ہے اور وہ

ہے میگا سٹی (Mega City) میٹرو پولیٹن شہروں کی خود مختاری کیلئے لڑی جانے والی جنگیں جو آنے والے دنوں میں ایک بڑی سنگین شکل اختیار کر سکتی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر کچھ مذہبی نوعیت کی جنگیں بھی سامنے آنے والی ہیں۔ ایسی جنگوں کیلئے متحارب فریقین کو ایک عرصہ سے تیار کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں درکار تمام زیر زمین گراؤنڈ ورک بھی تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ لیکن ان جنگوں کا دلچسپ پہلو یہ ہوگا کہ یہ صرف کمزور اور ترقی پذیر ملکوں تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ مستقبل قریب میں یہ جنگیں بڑی طاقتوں کی علاقائی حدود کے اندر جا کر بھی لڑی جائیں گی۔ عالمی سطح پر ایک بڑا معرکہ برپا ہونے جا رہا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد شروع ہونے والی تیل کی جنگیں پوری شد و مد سے جاری ہیں۔ تیل کمپنیوں کے عالمی ایجنٹوں نے مشرق سے مغرب تک ہر جانب تیل پیدا کرنے والے ممالک میں تباہی برپا کر رکھی ہے۔ افغانستان اور عراق پر حملہ اس سلسلہ کے کڑیاں ہیں۔ افغانستان کے معدنی وسائل اور اس خطہ کے اندر تیل اور گیس کے ذخائر افغانستان پر حملہ کا اصل سبب ہیں مگر نہ القاعدہ اور طالبان کا مسئلہ کسی اور ڈپلومیٹک یا کم تر جنگ کی حکمت عملی کے تحت بھی حل کیا جاسکتا تھا۔ اسی طرح عراق پر حملہ کیلئے وہاں ”بڑے تباہ کن ہتھیاروں“ کی موجودگی کا بہانہ گھڑا گیا۔ وہاں مستقل بنیادوں پر خانہ جنگی کو ہوا دینے اور قائم رکھنے کیلئے داعش پیدا کی گئی۔ شام کے اندر داعش اور دیگر امریکی خفیہ عناصر کے ذریعہ خانہ جنگی پیدا کی گئی۔ مصر سے لیکر لیبیا، تیونس، سوڈان تک خانہ جنگی کی آگ بھڑکائی گئی۔ مقصد صرف اور صرف ان ممالک کا تیل چوری کرنا ہے۔ یہ جنگیں جاری ہیں اور عرصہ دراز تک جاری رہیں گی۔

پہلی نسل کی جنگیں مختلف قبائل، علاقوں یا قوموں کے درمیان جنگ کے کچھ طے شدہ اصولوں کے تحت لڑی جاتی تھیں۔ یہ میسرہ (Front) اور میمنہ (Rear) یعنی منظم صف بندیوں کی جنگیں تھیں جس میں متحارب گروہ آمنے سامنے آکر دست بدست لڑائی کے ذریعے جنگ کا فیصلہ کرتے تھے۔ یہ زیادہ تر تیرتکوار، نیزوں، ہاتھیوں، گھوڑوں اور قدیم قسم کی توپوں سے لڑی جاتی تھیں۔ اس جنگ کا اہم ترین پہلو فریقین کی افرادی قوت اور ان کی تربیت کا معیار سمجھی جاتی تھی۔ دوسری نسل کی جنگوں کو پہلی جنگِ عظیم کے دوران فرانس نے رواج دیا۔ اس جنگ میں وسیع پیمانے پر فائر پاور، توپخانہ، ہوائی جہاز اور ٹینکوں کا استعمال کیا گیا۔ تیسری نسل کی جنگ کا تصور دوسری جنگِ عظیم کے دوران جرمنوں نے روشناس کروایا۔ اس طریقہ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دہی اور جنگی چالوں سے گھیر کر محاصرہ میں لینا اور اس کا قلع قمع کرنا شامل ہے۔ چوتھی نسل کی جنگوں میں جنگ پر ریاست کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ اس میں غیر ریاستی عناصر نے ریاست کی باقاعدہ فوج سے براہ راست گوریلا جنگ شروع کی۔ ان جنگوں کا خوفناک عالمی مظاہرہ بیسویں صدی کے آخری

غزوں اور اکیسویں صدی کے آغاز سے ہوا جہاں پر مسلح غیر ریاستی جنگجوؤں نے منظم ریاستی فوجوں کے خلاف عالمی سطح پر گوریلا کارروائیاں کیں اور جنگ کا طریقہ کار یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔

چوتھی نسل کی جنگ کے بارے میں ہمیں کارل وان کلازولس کی کتاب "On War" سے کافی سیر حاصل مواد دستیاب ہو جاتا ہے۔ وہ غیر منظم طریقہ جنگ کو "دوسرے ذرائع سے سیاست کا تسلسل" قرار دیتا ہے جس میں کہ "ریاست کا بیانیہ"، "فوجی قیادت کی جنگی صلاحیت" اور "عوام کا غصہ" اور کسی خاص مقصد کیلئے عوام کی "جذباتی وابستگی" خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا ایک قسم کی مقامی اور بین الاقوامی خانہ جنگیوں کے دور سے گزر رہی ہے۔ بین الاقوامی جنگجوؤں نے پوری دنیا کے سازشوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ہم ایک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑے ہیں اور سامراجی قوتیں ہمہ وقت ان جنگوں کو ایندھن فراہم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ "بغیر ریاست کے قومیں"، "بایوں کیسے کہ ایسے" "نسلی گروہ" جن کے پاس کوئی ریاستی وجود نہیں ہے وہ اپنی شناخت کے تحفظ کے حصول کیلئے ایک خطہ زمین کے متلاشی ہیں۔ اس وقت کشمیری مسلمانوں کو ہندو اور فلسطینی مسلمانوں کو صیہونی انتہا پسندوں نے یہ غمال بنا رکھا ہے۔ ایسی صورت حال کو غیر معینہ عرصہ تک کیلئے برقرار نہیں رکھا جاسکتا اور یہ دونوں جھگڑے کسی وقت بھی ایک بڑی عالمی جنگ میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت تین ہزار سے پانچ ہزار ایسے نسلی، لسانی اور مذہبی گروہ موجود ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں سیاسی یا عسکری جدوجہد کے ذریعہ اپنے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ تحریکوں نے باقاعدہ مسلح جدوجہد شروع کر رکھی ہے اور مرکزی حکومتوں کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ایسے نسلی اور مذہبی گروہوں میں فلسطینی، چین کے اندر تبتی اور سنگیانگ کے مسلمان، یمن کے حوثی، ایران کے آذری شامل ہیں۔ روس کے اندر چیچن اور تاتار، آئرلینڈ کے کیتھولک، مشرق وسطیٰ کے کرد، سری لنکا کے تامل، امریکہ کے اندر سیاہ فام افریقی، میکسیکن، اور ہسپانوی باشندے، کینیڈا کے کیوبک، مشرق وسطیٰ کے کرد، افغانستان کے اندر تاجک، ازبک، ترکمانی، ہزارہ، اور پنجتون الغرض ایک طویل قطار ہے۔ ہندوستان کے اندر چار کروڑ سے زائد سکھ مرکزی حکومت سے بیزار ہیں اور مذہبی بنیادوں پر خالصتاً ان کے نام سے ایک الگ وطن بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔

ہندوستان کے اندر ایک درجن سے زائد علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں جن میں تامل ناڈو، ناگالینڈ، میزوپائل، گورکھالینڈ، فکسل بازی، تیس کروڑ مسلمان، پنجاب کے چار کروڑ سکھ، آسامی اور کشمیر کے مسلمان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس وقت کشمیر اور فلسطین کے مسلمان اپنی آزادی کیلئے مسلح جدوجہد کر رہے ہیں

جنہیں صیہونی اور ہندو انتہا پسندوں نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ عالمی جنگجو ان اختلافات کو ایک منظم جنگ کی شکل دے سکتے ہیں اور یہ قطعی طور مشکل نہیں ہے مزید برآں یہ عالمی شاطروں کی منصوبہ بندی کے ساتھ نہ صرف لگا کھاتی ہے بلکہ یہ تو ہے ہی ان کے بنیادی ایجنڈے کا حصہ کہ دنیا میں موجود دوسو کے قریب قومی ریاستوں کو توڑ کر ایک ہزار یا اس سے زیادہ چھوٹی چھوٹی غیر عسکری ریاستیں بنادی جائیں تاکہ ایک "عالمی ریاست" کی بنیاد رکھی جاسکے۔ غیر ریاستی کھلاڑی کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت دنیا کی بڑی سے بڑی عسکری طاقت کو سر پرانز دے سکتے ہیں۔

ڈیوڈ گیلولا (David Galula) نے درست کہا تھا:

"گوریلا جنگ دنیا کی سستی ترین جنگ ہے مگر اس پر قابو پانا دنیا کا مہنگا ترین اور طویل عمل ہے جو نہ صرف دشمن کے حوصلہ کو توڑ دیتا ہے بلکہ دشمن کی صفوں میں انتشار اور اختلافات بھی پیدا کر دیتا ہے۔"

دنیا کے بڑی آبادی والے میٹروپولیٹن شہر بھی مستقبل قریب میں خانہ جنگی کے مورچے بن سکتے ہیں جہاں سے مرکزی حکومتوں کے خلاف ایک منظم گوریلا جنگ کا آغاز ہو سکتا ہے اور وہ اپنے آپکو ایک علیحدہ مملکت کے طور پر منوانے کے حق کا مطالبہ لیکر سامنے آ سکتے ہیں۔ کسی بھی مرکزی حکومت کیلئے یہ بڑی ہی مشکل جنگیں ہوں گی۔ کسی بھی ملک کے میٹروپولیٹن شہروں کو اس کی مرکزی حکومت سے جدا کر دینے کا مطلب اس ریاست کی موت ہوگی جسے کوئی بھی ریاست اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرے گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل قریب میں جنگوں کی ایک ایسی طویل فہرست ہے جو ایک لمبے عرصہ تک جاری رہ سکتی ہیں اور ان کے نتیجے میں دنیا کا سیاسی جغرافیہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ (ماخوذ از "اکیسویں صدی کا سامراج" مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور)۔

مستقبل قریب میں دنیا کے سامنے ایک بہت بڑا مسئلہ مختلف ممالک میں پھیلے دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے اختلافات کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تیل کی سیاست سے بھی زیادہ اہم ہے۔ انسان تیل کے بغیر توجی سکا ہے مگر پانی کے بغیر نہیں جی سکا۔ آنے والے دنوں میں پانی کی کمی کا بحران شدت اختیار کرتا نظر آ رہا ہے۔ تازہ اور صاف پانی نہ صرف انسان کی بنیادی ضرورت ہے بلکہ اسی پانی کی وجہ سے اناج اگایا جاتا ہے اور انسانی خوراک کی ضروریات پوری جاتی ہیں۔ انسانی کم ظرفی کے مقابلہ میں فطرت بہت فیاض ہے اس نے پورے کرۂ ارض کو ایک نامیاتی وحدت کے طور پر پیدا کیا ہے۔ یہ قومی سرحدیں بھی سامراج کی پیدا کردہ ہیں۔ فطرت کی عنایات کسی خاص قبیلہ یا گروہ کیلئے نہیں ہیں بلکہ پوری نسل انسانی کیلئے ہیں۔ روئے زمین پر انسان کی بقا کیلئے اللہ تعالیٰ نے زرخیز زمینیں، سمندر اور دریا پیدا کئے ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے دریا مختلف

قابل کے مسکن سے گزر کر سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر دریائے نیل جھیل وکٹوریہ سے شروع ہو کر مصر تک پہنچتا اور بحیرہ قلزم میں اپنا آخری ٹھکانہ تلاش کرتا ہے۔ یہ لمبائی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا دریا شمار ہوتا ہے۔ اس میں سے 680,000 گیلن پانی فی سیکنڈ گزرتا ہے۔ یہ دریا 6650 کلومیٹر کی طویل مسافت طے کر کے مندرجہ ذیل گیارہ ممالک کی حدود سے ہو کر گزرتا ہے:

(1) تنزانیہ (2) یوگنڈا (3) کینیا (4) روانڈا (5) برومڈی (6) کانگو

(7) ایتھوپیا (8) اریٹریا (9) سوڈان (10) جنوبی سوڈان (11) مصر

اس دریا کا پانی زندگی کی علامت ہے۔ یہ گیارہ ممالک جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنی زراعت اور انسانی زندگی کیلئے اس دریا کے پانی پر انحصار کرتے ہیں۔ اس کے پانی کے روک لئے جانے یا کم کئے جانے کی صورت میں ان تمام ممالک کی زراعت، خوراک، لائیو سٹاک اور انسانی زندگی ہر چیز خطرے سے دوچار ہو جائیگی۔ ہر ملک کو پانی کی شدید ضرورت ہے۔ اب اپنی مقامی ضروریات یا پھر دوسرے ممالک پر سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالنے کی غرض سے ان دریاؤں پر بند باندھنے اور ان کا رخ موڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جو یقینی طور پر جنگوں کے ایک نئے سلسلہ کو جنم دیگی۔ ایتھوپیا اس دریا پر ایک بڑا ڈیم (Dam) تعمیر کر رہا ہے جس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ دسمبر 2019 تک مکمل ہو چکا تھا۔ اس کے نتیجہ میں سوڈان، جنوبی سوڈان اور مصر بری طرح متاثر ہو گئے۔ ایتھوپیا اس ڈیم کے ذریعہ اپنے لئے اپنے حصہ سے زائد پانی لینے کیلئے کوشاں ہے۔ ایسی صورت میں دیگر ممالک میں دریائے نیل کا ڈیلٹا خشک اور بنجر ہو جائیگا جو ان ممالک کیلئے قطعی طور پر ناقابل قبول ہوگا۔ ایسی صورت میں مصر تو بالکل تباہ ہو کر رہ جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ دریائے نیل کے پانی کی تقسیم پر مصری حکومت کئی مرتبہ ایک بڑی جنگ کی دھمکی دے چکی ہے۔

مشرق وسطیٰ میں گلی آگ کے پیچھے اگر تیل کا مسئلہ ہے تو اسی کے ساتھ ایک مقامی سطح کا مسئلہ پانی کا بھی ہے۔ دریائے فرات اور دجلہ کے پانیوں کے سلسلہ میں ترکی، عراق اور شام کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دجلہ اور فرات کا منبع ترکی کے ساتھ منسلک ہے۔ صدیوں سے ان دونوں دریاؤں کے پانیوں سے ترکی، عراق اور شام مستفید ہوتے رہے ہیں مگر اب ترکی نے ان دونوں دریاؤں پر درجنوں کے حساب سے چھوٹے بڑے ڈیم اور ہائیڈرو پراجیکٹس لگا کر اس پانی میں دخل اندازی شروع کر دی ہے جس کے نتیجہ میں عراق اور شام کے اندر شدید مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ترکی دریائے دجلہ پر السو ڈیم (Ilisu Dam) تعمیر کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ترکی ان دریاؤں پر بائیس چھوٹے ڈیم اور انیس ہائیڈرو

الیکٹریک پلانٹس تعمیر کر رہا ہے جس کے نتیجے میں عراق اور شام دجلہ اور فرات کے پانیوں سے تقریباً محروم ہو جائیں گے۔ 1992 سے تعمیر شدہ اتاترک ڈیم کے نتیجے میں پہلے ہی عراق اور شام کا ایک تہائی پانی روک لیا گیا ہے۔ عراق کی ایک تہائی آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔ پانی کی کمی کے نتیجے میں عراق کی زرعی بستیاں ویران ہو کر رہ گئی ہیں اور وہاں کے مکین اپنے آبائی دیسوں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ صورت حال مقامی سطح کی طویل علاقائی خانہ جنگیوں کو جنم دے سکتی ہے۔ السوڈیم چونکہ کرد علاقوں کے اندر تعمیر کیا جا رہا ہے لہذا وہاں کی ترک آبادیاں اس کے خلاف مسلح مزاحمت کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں کرد گوریلوں کو شام اور داعش دونوں کی درپردہ اور کھلم کھلا حمایت حاصل ہے۔

عراق کا ایک بڑا علاقہ تقریباً بے گھر ہو گیا ہے۔ وہاں کی زراعت، لائیو سٹاک اور انسانی زندگی کا انحصار ان ہی دو دریاؤں کے پانیوں پر تھا جو اب کم ہو کر انتہائی قلیل رہ گیا ہے۔ اسی طرح ان دریاؤں میں پانی کی کمی کی وجہ سے شام کے کچھ علاقوں کو ایک قسم کی قحط سالی کا سامنا ہے۔ عراق اور شام کے اندر داعش کی پیدائش اور بڑھوتری میں ایک اہم عنصر اس غربت اور بیروزگاری کا بھی ہے جو وہاں کی زراعت اور لائیو سٹاک کی تباہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ داعش کو ان مفلوک الحال کسانوں اور بیروزگار نو جوانوں کی نہ صرف ہمدردیاں حاصل ہو گئیں بلکہ جنگ کیلئے سستی تجوہ پر فوجی بھی میسر آ گئے۔ 1962 میں برازیل نے پانی کے تنازعہ پر پیراگوئے کے اندر اپنی فوجیں داخل کر دی تھیں۔ 1958 میں دریائے نیل کے پانی کے تنازعہ پر مصر نے سوڈان کے اندر اپنی فوجیں داخل کر دی تھیں۔ صومالیہ کے اندر پانی کی کمی کی وجہ سے قحط سالی کا سماں ہے جس سے انسان اور لائیو سٹاک دونوں مر رہے ہیں۔ ایران اور افغانستان کے درمیان دریائے ہلمند کے پانی پر جھگڑا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ بھی مستقبل میں کسی وقت پانی کے بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔ امریکی شہریوں کو بھی پانی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی بھی دوسرے ملک کے شہریوں کو۔ مصنوعی پانی کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔ یہ پانی پینے کے علاوہ غلہ اگانے، بجلی پیدا کرنے اور مختلف صنعتوں میں استعمال ہونے کے کام آتا ہے۔ نیویارک شہر کا پانی دریائے ڈیلاویئر سے آتا ہے۔ واشنگٹن ریاست کے شہر سیٹل کا پانی دریائے سیڈار (Cedar) اور دریائے ٹولٹ (Tolt) سے آتا ہے۔ مینی سوٹا (Minnesota) کے 32 ملین لوگ دریائے میسی سی (Mississippi) کا پانی استعمال کرتے ہیں اٹلانٹا کے چار ملین سے زائد لوگ دریائے چٹا ہوچی (Chattahoochee) اور دریائے فلنٹ (Flint) کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ دریائے کلورڈو (Colorado) سات سے زیادہ امریکی ریاستوں کے چھتیس ملین سے زائد لوگوں کو پانی کی نعمت سے بہرہ ور

کرتا ہے۔ دریائے اوہائیو (Ohio) امریکہ کی چھ ریاستوں کو سیراب کرتے ہوئے دریائے مسیسی میں گرتا ہے اور تین ملین سے زیادہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔

اس کے علاوہ دو دریا کینیڈا سے نکل کر آتے ہیں۔ ان میں دریائے کولمبیا برٹش کولمبیا یعنی کینیڈا کے پہاڑوں سے نکل کر امریکی ریاست اوریگان (Oregon) اور واشنگٹن سے ہوتا ہوا بحر الکاہل میں جا کر گرتا ہے۔ دریائے سینٹ (St. Lawrence River) لارنس لیک اناریو (کینیڈا) سے نکل کر کینیڈا کے دو صوبوں اناریو اور کیوبک (Quebec) سے ہوتا ہوا امریکہ کی نو ریاستوں (، اوہائیو، پنسلوینیا، ورمینٹ، لینیوس، ورساکنس، انڈیانا، مشی گن، مینی سوتا، نیویارک) میں سے گزر کر نیویارک کے مقام پر بحر اوقیانوس میں گرتا ہے۔ یہ مختلف ممالک اور ریاستوں سے گزرنے والے دریا کسی مستقبل قریب میں امریکی ریاستوں کے مابین یا پھر امریکہ اور کینیڈا کے درمیان جھگڑوں کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ قبل ازیں دریائے کلورڈو کے پانی کی تقسیم کے معاملہ پر امریکہ کی تین ریاستوں کیلیفورنیا، اریڈونا اور نیواڈا کے درمیان بات مسلح تصادم تک جا پہنچی تھی جب کیلیفورنیا نے دریائے کلورڈو پر ہوورڈیم (Hoover Dam) تعمیر کر کے دریا کے پانی کا رخ اپنی جانب موڑنے کی کوشش کی تھی۔ اب دریائے کلورڈو کے پانی میں بھی کچھ کمی واقع ہو گئی ہے۔ یہ معاملات خاصے الجھ سکتے ہیں اگر گلوبل وارمنگ اور موسمیاتی تبدیلیوں کے نتیجہ میں ان دریاؤں کے پانی میں کوئی خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔

اسی طرح دریائے اردن کے معاملہ پر اسرائیل، شام، لبنان اور اردن کے درمیان جھگڑا ہے۔ 1965 میں اسرائیل اور شام کے درمیان دریائے اردن کے ہیڈ ورکس کے تنازعہ پر جنگ کی نوبت آ گئی تھی۔ 1969 میں اسرائیل نے دریائے یرموک کے پانی کا رخ موڑنے کی کوشش پر اردن کی ایک نہر کو تباہ کر دیا تھا۔ پانی اسرائیل کیلئے تیل سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسرائیل کے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کی ایک بڑی وجہ وہاں تازہ پانی کا ذخیرہ ہے۔ اسرائیل اپنی تازہ پانی کی ضروریات کا ایک تہائی گولان کی پہاڑیوں سے حاصل کئے گئے پانی سے پورا کرتا ہے۔

ایشیاء میں پانی کے مسئلہ پر بہت سے سنگین تنازعات سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ کوہ ہمالیہ 24 ملین مربع کلومیٹر پر پھیلا دنیا کا بلندو بالا علاقہ ہے۔ یہ دنیا کی چودہ بلند ترین چوٹیاں اور ان گنت بر فیہ گلیشیرز کی زمین ہے۔ کوہ ہمالیہ انارکٹیکا کے بعد دنیا کا برف کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کے دامن میں 1500 گلیشیرز 12000 مربع کلومیٹر رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ سیاچین (Siachen)، گنگوتری (Gangotri)، یا مونتری (Yamunotri)، کھمبو (Khumbu)، لانگ ٹینگ (Langtang)، زیمو (Zemu)،

بالٹورو (Baltoro)، بیافو (Biafo) اور نبرا (Nubra)، کوہ ہمالیہ کے بڑے گلیشیرز شمار کئے جاتے ہیں۔ اکثر گلیشیرز میلوں تک کی لمبائی چوڑائی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سیاچین گلیشیر کی لمبائی 70 کلومیٹر اور گنگوٹری کی لمبائی 32 کلومیٹر ہے۔ اس طرح کوہ ہمالیہ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے بعد دنیا کا تیسرا پول (Third Pole) ہے جس میں تازہ پانی کے دریا، گلیشیرز اور کروڑوں ٹن برف کے ذخائر پوشیدہ ہیں۔ ہمالیہ کے دامن میں ہزاروں کی تعداد میں چھوٹی بڑی تازہ پانی کی جھیلیں موجود ہیں جن میں بعض جھیلیں میلوں کی لمبائی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر ماناساروور جھیل (Manasarovar Lake) تین سو فٹ گہری اور 410 مربع کلومیٹر لمبی ہے۔ موسمیاتی تبدیلیوں کے نتیجے میں گلیشیرز پگھلنے سے ہزاروں نئی جھیلیں وجود میں آگئی ہیں اور پہلی جھیلیں کے اندر بھی پانی کی سطح خطرناک حد تک بلند ہوگئی ہے۔ ایک سروے کے مطابق پانچ ہزار سے زائد جھیلیں کے قدرتی بند ٹوٹنے کے قریب ہیں جو بڑے سیلابوں کی شکل میں ملحقہ علاقوں کے اندر ایک قیامت خیز تباہی برپا کر سکتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ہمالیہ کے اندر پانی کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے جو صدیوں سے نئی نوع انسان کی پانی کی ضروریات پوری کر رہا ہے۔

چین کی معیشت اور زندگی کا بھی بڑا انحصار تبت سے بہہ کر آنیوالے دریاؤں کے پانی پر ہے۔ یانگزی (Yangtze) اور دریائے زرد (Yellow River) چین کے دو بڑے دریا تبت سے نکل کر آتے ہیں۔ تبت میں گزر بڑ کی صورت میں چین اپنے ان دو بڑے دریاؤں کے پانی سے محروم ہو سکتا ہے اور اس کی باقی دریاؤں پر اجارہ داری ختم ہونے سے اس کی علاقائی سیاست ختم ہو سکتی ہے۔ دریائے آمو (Amu River) وسطی ایشیاء کا سب سے بڑا دریا ہے اور ہمالیہ کی کوکھ یعنی پامیر کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ اس کا 72.8% پانی تاجکستان، 14.6% افغانستان اور 8.5% ازبکستان کے علاوہ کچھ پانی قازقستان کے استعمال میں آتا ہے۔ اس کے پانی سے وسطی ایشیاء کے پانچ ممالک کے 43 ملین لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

کوہ ہمالیہ کے سلسلہ میں چین کا کردار بہت اہم اسلئے کہ کوہ ہمالیہ میں واقع انہیں کے قریب بڑے دریا چین کی علاقائی حدود سے نکلتے ہیں۔ یہ دریا دنیا کے پندرہ سے زائد ممالک سے ہو کر گزرتے ہیں۔ چین، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، برما، تھائی لینڈ، ویتنام، کمبوڈیا، لاؤس، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان اور قازقستان کی زراعت اور پینے کے پانی کا بڑا انحصار ہمالیہ سے نکل کر آنیوالے دریاؤں کے پانی پر ہے۔ دنیا کے تین ارب یعنی دنیا کی تقریباً 50% کے قریب آبادی کی زندگی کا انحصار ان دریاؤں کے پانی سے منسلک ہے۔

جنوبی ایشیاء کے تقریباً سبھی بڑے دریا ہمالیہ کی کوکھ سے نکلتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دریائے گنگا، دریائے

برہما پترا، دریائے میھکنا، دریائے سندھ، دریائے ستلج اور دریائے میکانگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے بیاس، جہلم اور چناب بھی پھر پنجال کے مقام پر ہمالیہ کے کوکھ سے ہی نکلتے ہیں۔ دریائے گنگا، برہما پترا اور دریائے میھکنا بھوٹان، نیپال، ہندوستان، بنگلہ دیش اور چین میں سے متعلقہ ہیں۔ ان چاروں ممالک کے درمیان اس پانی کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چین نے دریائے برہما پترا پر تین بڑے ڈیم تعمیر کر لئے ہیں جبکہ اس دریا کے پانی سے ہندوستان اور بنگلہ دیش کی کروڑوں نفوس پر مشتمل آبادی اپنی اور اپنے لائیو سٹاک کی زندگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ نیپال سے تقریباً چھ ہزار چھوٹے بڑے دریا اور ندی نالے نکلتے ہیں دریائے میھکلی ہندوستان اور نیپال کی سرحد کو تقسیم کرتا ہے۔ یہ دریا دونوں ملکوں کے درمیان متنازعہ ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش اور ہندوستان کے درمیان 54 دریا مشترک ہیں۔ ہندوستان دریائے گنگا اور دریائے یامونا کے کارخ اپنے علاقوں کی جانب موڑنے کیلئے کوشاں ہے جس پر بنگلہ دیش کو شدید اعتراضات ہیں۔ ہندوستان نے فرخا براج کے ذریعہ مغربی بنگال میں پانی کا رخ کھلتے کی جانب موڑنے کا اقدام کیا۔ اسی طرح دریائے ٹیسا (Teesta River) کے بارے میں ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان جھگڑا چلا آ رہا ہے۔ دریائے ٹیسا سکم سے نکلتا ہے اور سکم (ہندوستان) نے اس پر پانچ ڈیم تعمیر کر لئے ہیں اور اکتیس مزید ڈیم بنانے جا رہا ہے۔ جب بنگلہ دیش کو اس پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو پانی روک لیتا ہے اور جب پانی کی بہتات ہوتی ہے تو زیادہ پانی چھوڑ کر سیلابی صورت حال پیدا کر دیتا ہے جس سے بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح دریائے میکانگ چین کے علاقے تبت سے نکلتا ہے۔ کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ اور ویتنام کی ساٹھ ملین آبادی اپنی خوراک، لائیو سٹاک اور پینے کے پانی کیلئے اس دریا پر انحصار کرتی ہے۔ خود ہندوستان کے اندر مختلف ریاستوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر جھگڑے ہیں۔ مثال کے طور پر دریائے کوردی (Cauvery River) کے پانی کی تقسیم کے معاملہ پر ہندوستانی ریاست کرناٹکا اور تامل ناڈو کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔

چین نے میکانگ دریا پر تبت میں سات ڈیم تعمیر کر لئے ہیں اور اکیس پلاننگ کے مراحل میں ہیں۔ یہ صورت حال مستقبل میں کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ نئی نسل کی جنگوں کے نئے طور طریقوں کے مطابق کوئی بھی سفاک دشمن ان ڈیموں کے ساتھ چھیڑ خانی کر سکتا ہے۔ چین بھی اچانک پانی چھوڑ کر نشیبی علاقوں کی ریاستوں یا نشیبی علاقوں کے مکینوں یا نشیبی علاقوں میں بیٹھی دشمن کی فوجوں پر قیامت خیز سیلاب کی تباہ کاری برپا کر سکتا ہے۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مسئلہ کشمیر پر تنازعہ کی ایک بہت بڑی وجہ دریاؤں کے پانی کے

نکاس کی بھی ہے۔ سندھ تاس معاہدہ کے تحت دریائے سندھ، جہلم اور چناب کے پانی پر پاکستان کا بلا شرکت غیرے حق تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے دو دریائے جہلم اور چناب کشمیر کے علاقہ پیر پنجال کی پہاڑیوں سے نکل کر آتے ہیں۔ اسی طرح دریائے سندھ کا بھی ایک بڑا حصہ کشمیر سے گزر کر آتا ہے۔

ہندوستان نے دریائے جہلم اور چناب پر درجنوں کے حساب سے ڈیم اور ہائیڈرو پراجیکٹس تعمیر کر کے پاکستان کو ان دریاؤں کے پانی سے بھی بہت حد تک محروم کر دیا ہے۔ دریائے چناب پر بگھی ہارڈیم، پاکل ڈیم، ریٹل ڈیم، ڈل ہستی ڈیم اور دریائے جہلم پر وولر بیراج، ربرڈیم اور کشن گنجا جیسے ڈیم تعمیر کر کے ہندوستان نے نہ صرف پاکستان کے حصہ کا پانی روک لیا ہے بلکہ پاکستان کی سیکورٹی کیلئے بھی خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ اب وہ جب چاہے پاکستان کا مکمل پانی روک سکتا ہے بلکہ جب چاہے ایک دم سے سارے ڈیم کھول کر پاکستان کے ڈیمز پر پانی کا دباؤ بڑھا کر انہیں توڑ ڈالے اور پاکستان کے نشیبی علاقوں کو گہرے پانی کی جھیل میں تبدیل کر دے۔ کسی طرف سے بھی تباہی آسکتی ہے اور پاکستان اپنے دفاع کی احتیاتی تدابیر کے طور پر کوئی بھی قبل از وقت (Pre Emptive) اقدام کر سکتا ہے اور ان ڈیموں کو ایک خاص سمت سے توڑنے کی کارروائی عمل میں لاسکتا ہے۔ کسی بھی وقت یہ صورت حال انتہائی دھماکہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ بالائی علاقوں کی ریاستیں اپنے ڈیموں کا پانی کھول کر نشیبی ریاستوں کے مکینوں پر قیامت خیز تباہی برپا کر سکتی ہیں۔ پانی کیلئے کی جانے والی یہ نئی جنگیں انتہائی ہولناک ثابت ہو سکتی ہیں۔

ہندوستان نے اپنی زمین پر بہت بڑے بڑے ڈیم تعمیر کر رکھے ہیں۔ مثال کے طور پر ہما چل پردیش (پنجاب) میں اس کا دریائے ستلج پر بنا بھاکھڑا ڈیم (Bakhra Dam) (جس سے 1325 کلو واٹ بجلی پیدا کی جاتی ہے) 90 کلو میٹر لمبا اور 168.35 مربع کلو میٹر رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں 9.34 بلین کیوبک میٹر پانی سٹور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے عین وسط میں واقع دیوہیکل داگو ڈیم (Dagu Dam)، جیا شا ڈیم (Jiacha Dym)، جیکسو ڈیم (Jiexu Dam) واقع ہیں جو کہ دریائے برہما پتر پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے بڑے ڈیم ہمالیہ کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔ یہ علاقہ زلزلوں کا گڑھ ہے۔ کوہ ہندو کش تو زلزلوں کی آماجگاہ ہے جہاں تو آئے روز چھوٹے بڑے زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی بڑا زلزلہ آ گیا تو یہ ڈیم سلامت نہ رہ سکیں گے اور ہر چیز تہہ و بالا ہو جائے گی۔ کسی بھی ملک کیلئے ایسی کئی ناگہانی صورت حال سے نمٹنے کیلئے کوئی ناگہانی متبادل منصوبہ بندی نہیں ہے۔

پانچویں اور چھٹی نسل کی جنگوں کے نئے طور طریقوں کے مطابق کوئی ریاستی یا پھر کوئی غیر ریاستی کھلاڑی ان ڈیموں کے ساتھ چھیڑ خانی کر سکتے ہیں۔ ان دریاؤں کے بالائی حصوں پر تعمیر کئے گئے یہ ڈیم

اُترسی جنگلی یا گوریلا کارروائی کے نتیجہ میں توڑ دیئے جاتے ہیں تو یہ ایک بڑے علاقے کو ایک بہت بڑی جھیل میں تبدیل کر کے وہاں پر موجود ہر ذی روح اور مالی اسباب کا مکمل طور پر صفایا کر سکتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ 1950-51 میں امریکہ نے دریائے یالو (Yalu River) پر بنے ڈیمز پر حملہ کر دیا۔ شمالی کوریا کے گوریلوں نے ہواچون ڈیم (Hwachon Dam) کے فلڈ گیٹ کھول کر امریکہ کے تیرتے پلوں (Floating Bridges) اور نشیبی علاقوں میں موجود امریکی فوج اور اس کے اسلحہ کے ڈپوؤں کو تباہ کرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ امریکہ نے ان فلڈ گیسٹس پر فضائی حملے کئے اور انہیں تباہ کر دیا۔ جدید جنگی حربوں میں پانی کو بطور جنگی ہتھیار استعمال کرتے ہوئے دشمن کی جنگی فیکٹریاں، ایٹمی پلانٹ، انفراسٹرکچر، پاور جنریشن سٹیشن، ریسرچ لیبارٹریز یا دیگر بہت سی حساس نوعیت کی تنصیبات تباہ کی جا سکتی ہیں۔

المختصر پانی انسانی زندگی کی بقا کیلئے ایک بنیادی ضرورت ہے۔ پانی کا استعمال زراعت، بجلی پیدا کرنے، صنعت اور حفظانِ صحت کیلئے ضروری ہے اور ان سب سے بڑھ کر انسانی مصرف کیلئے ضروری ہے۔ پانی کے بغیر انسانی زندگی کا قائم رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ تمام ممالک کے بڑے شہر اپنے پینے اور حفظانِ صحت کے معیار کو قائم رکھنے کیلئے دریاؤں کے پانی کے محتاج ہیں اگر پانی کے یہ بڑے ذخائر خشک ہو جائیں یا کسی وجہ سے زہر آلود ہو جائیں تو ان دریاؤں پر انحصار کرنے والی آبادیوں کے اندر قیامتِ مفری برپا ہو سکتی ہے۔ دریاؤں کا رخ موڑ کر یا بڑے ڈیموں کے اندر پانی کو روک کر دوسرے ممالک کیلئے خشک سالی پیدا کرنا یا ضرورت سے زیادہ پانی چھوڑ کر سیلاب کی تباہ کاریاں برپا کرنا اس جنگی کھیل کا اضافی حصہ ہیں۔ دشمن کے علاقوں میں بڑے ڈیموں کو توڑ کر اس کی آبادیوں، صنعت، زراعت اور دیگر حساس تنصیبات کو تباہ کرنا بھی اسی جنگی کھیل کا حصہ ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسا تباہ کن کھیل زمین کو ہلا دینے والے زلزلوں کے نتیجہ میں بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے یا پھر مستقبلِ قریب میں کچھ طاقتیں جنگ میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ایسے زلزلوں کا بندوبست کر سکتی ہیں۔

(II) اکیسویں صدی میں روائتی جنگ کا نیا چہرہ

اکیسویں صدی میں جنگ کی نوعیت یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔ اب روائتی فوجوں کی جگہ ڈیجیٹل فوج اور ڈیجیٹل میدانِ جنگ وجود میں آچکے ہیں۔ خلیجِ جنگ 1991 میں عراق کی 42 ڈویژن فوج، 3847 ٹینک، 2917 آرمرڈ وہیکلز، 2917 آرٹلری اور ایک ملین فوج بغیر لڑائی کے ہتھیار بھینکنے پر مجبور ہو گئی۔ عراق کے 30,000 فوجی میدانِ جنگ میں مارے گئے اور 80,000 قیدی بنائے گئے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ اور اتحادی فوجوں کے صرف 184 افراد مارے گئے۔ 42 روزہ جنگ میں سے 38 روز فضائی بمباری کی گئی اور صرف 100 گھنٹے زمینی جنگ ہوئی جس میں بہت ہی معمولی مزاحمت کے بعد امریکی فوج اپنے مقررہ اہداف حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

جنگی نقطہ نگاہ سے عراقی فوج کی تعداد حملہ آور امریکی فوج سے کم نہیں تھی۔ لیکن اتنی بڑی جنگی مشین دشمن کے سامنے بغیر لڑے ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو گئی۔ حملہ آور امریکی فوج کے صرف 383 لوگ مارے گئے جبکہ عراق کے ایک لاکھ سے زیادہ فوجی میدان جنگ میں مارے گئے۔ عراقی فضائیہ پہلے دن ہی ناکارہ ہو گئی۔ عراق کے آرمڈ ڈویژن اور اتنی بڑی فوج سب بیکار ثابت ہوئے۔ 42 روزہ جنگ میں پہلے 38 دن امریکی طیاروں نے بمباری کر کے عراق کی ساری پوزیشنز کو تباہ کر ڈالا اور آخری چار دن میدانی جنگ کی۔ عراق نے روایتی انداز کی میمنہ (Front) اور میسرہ (Rear) کی جنگ لڑنے کی تیاری کی تھی۔ اس نے پورا زور اپنی میکینائزڈ ڈویژنوں اور فائر پاور کی استعداد بڑھانے پر صرف کیا تھا۔ عراقی جرنیل یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جنگ کی نوعیت بدل چکی تھی۔ جنگ اب ”بازوؤں کی طاقت“ کے اظہار کی بجائے ڈیجیٹل جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

عراقی جرنیلوں کی اس ناعاقبت اندیشی نے عراقی فوج کو بغیر لڑے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ایک بہت بڑی جنگی مشین چشم زدن میں زمین بوس ہو گئی۔ عراقی جرنیل اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ اب جنگ کی جیت ہار کا فیصلہ انفٹری کی بجائے ڈیجیٹل بریگیڈ اور کمپیوٹر ہیکرز کے پاس جا چکا تھا۔ عراقی جرنیلوں کی اس بحرمانہ غفلت کے نتیجہ میں دس لاکھ عراقی فوج نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ ٹینکوں اور فضائیہ کی اتنی بڑی تعداد اور اس پر کی گئی سرمایہ کاری ایک بیکار مشغلہ ثابت ہوئی۔ عراق کی اتنی بڑی جنگی مشین راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئی۔ یہ جنگ دو مختلف جنگی نظاموں کے درمیان جنگ تھی جس میں عراق روایتی میکینائزڈ ماڈل کی جنگ لڑ رہا تھا اور دوسرا جدید جنگ کا امریکی ماڈل تھا جو انفارمیشن اور جدید جنگی ٹیکنالوجی کی بنیاد پر جنگ لڑ رہا تھا۔ عراق کو اتنی بڑی شکست صرف اس وجہ سے ہوئی کی امریکی ڈیجیٹل بریگیڈ نے عراق کا سارا کمپیوٹر سسٹم جام کر دیا تھا۔ امریکی ہیکرز نے عراقی کمپیوٹرز کے اندر گھس کر ان میں ایسے ”وائرس“ داخل کر دیئے جس سے عراق کی فضائیہ اور سارا جنگی نظام جام ہو کر رہ گیا اور عراقی فوج مفلوج ہو گئی۔ عراق نے ڈیجیٹل جنگ کی مناسب تیاری نہیں کی تھی اور دشمن بغیر لڑے جیت گیا۔ ڈیجیٹل بریگیڈ کسی بھی فوج کیلئے بنیادی حیثیت (Nerve Centre) رکھتا ہے۔ اگر ڈیجیٹل بریگیڈ دشمن کے سامنے جنگ ہار گیا تو باقی سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور بڑی سے بڑی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی

حامل فوج بغیر لڑے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گی۔

ڈیجیٹل جنگ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسرائیل نے اپنی ریگولر ریاست فوج کے ساتھ جی ایس کے نامی ایک انتہائی تربیت یافتہ پرائیویٹ ملٹری کارپوریشن بنائی ہے جس کا کام ہی ڈیجیٹل جنگ کی جدید ترین پیمانے پر تیاری ہے۔ ڈیجیٹل بریگیڈ جدید جنگ میں کسی بھی فوج کا نیوکلس اور مرکزی بریگیڈ ہے۔ اگر اس کو شکست ہو جائے تو پھر کوئی بھی دوسرا بریگیڈ یا فورس اپنے آپکو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ دنیا کے تقریباً ہر ملک کے پاس طویل ترین ساحل ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ملک کسی بھی بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ ان طویل و عریض ساحلوں کا بغیر ایک مضبوط بحریہ اور فضائیہ کے دفاع نہیں کر سکتا۔ کسی بھی ملک کے پاس یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنے ہر چہ زمین پر فوج کی تعیناتی کر سکے۔

کمزور بحری قوت رکھنے والے ممالک ایک فعال فضائی طاقت کے سمندر سے ملحقہ اپنی ہزاروں میل لمبی سرحدوں کا انفرٹری کے ذریعہ دفاع نہیں کر سکتے۔ اگر جدید ہتھیاروں اور جنگی آلات کو جام کر دینے والے ٹیکنالوجی کے ذریعہ ان کی فضائیہ ناکارہ اور غیر فعال ہو گئی تو دشمن بڑی آسانی کے ساتھ اپنے بحری بیڑوں اور بڑے کمرشل جہازوں کے ذریعہ لاکھوں کی فوج ان کے ساحلوں پر اتار کر ان کے بڑے علاقوں اور سڑک جنگ اہمیت کی حامل پوسٹوں پر قبضہ کر سکتا ہے۔ امریکہ کے دنیا کے سمندروں کے اندر تیرتے پھرتے جنگی بحری بیڑے محض نمائشی نہیں ہیں۔ ان پر کئی کئی بلین ڈالر کی لاگت آرہی ہے۔ یہ تیسری عالمگیر جنگ کیلئے ہیں۔

جدید جنگ کے اندر حیاتیاتی اور کیمیائی جراثیموں کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک جنگی ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ اور خلائی جنگ سے ملحقہ ٹیکنالوجی، روبوٹ ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، لیزر ٹیکنالوجی، الیکٹرو میکینک ٹیکنالوجی، ڈرون ٹیکنالوجی، ری سوٹ سنسرز، میٹھے ٹیکنالوجی اور ”فیو“ ٹیکنالوجی نے ایک بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے جس کے نتیجے میں جنگ اب پیدل فوجوں یا فضائیہ کی سیدھی سادھی جنگ کی بجائے ایک انتہائی ٹیکنیکل شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہ ٹیکنالوجیز انسانوں کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں کو بھی اندھا کر دیتی ہیں لہذا روایتی جنگ کے ساتھ ان تمام جنگی فیلڈز کے اندر بھی انتہائی ذہین و فطین دماغوں کی ضرورت ہے جو دشمن کی جارحیت کو روکنے کی بھرپور صلاحیت کے حامل ہوں۔

نیوکلیئر اور کیمیائی ہتھیار چونکہ خود چلانے والے کیلئے بھی اپنی بھاری بھر کم گیسوں کے اخراج کی وجہ سے خطرناک ہو جاتے ہیں اسلئے وہ عملی طور پر آسانی کے ساتھ استعمال نہیں کئے جاسکتے۔ تاہم حیاتیاتی ہتھیار جدید جنگ میں استعمال ہونے کے بڑے واضح امکانات ہیں۔ تجزیہ نگار اس بات سے اتفاق کرتے

نظر آتے ہیں کہ اگر پہلی عالمی جنگ کیمیائی ہتھیاروں کی جنگ تھی اور دوسری عالمی جنگ نیوکلیئر ہتھیاروں کے استعمال کی جنگ تھی تو تیسری عالمی جنگ ”حیاتیاتی ہتھیاروں“ کی جنگ ہوگی جس میں دشمن علاقوں کی وسیع و عریض آبادیوں اور فوج کا صفایا کر دیا جائیگا۔

کیمیائی اور حیاتیاتی جنگ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ اس کے روکنے کیلئے بہت سے بین الاقوامی ضابطے اور کنونشنز موجود ہیں لیکن جنگ اقوام متحدہ کی منظوری سے نہیں شروع کی جاتی۔ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کا استعمال ان ضابطوں اور کنونشنز کے بعد بھی چوری چھپے ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی نہیں رکے گا۔ جنگ کبھی اخلاقی ضابطوں اور عالمی کنونشنز کے تابع رہ کر نہیں لڑی جاتی۔ اس میں ہر خطرناک ہتھیار جو دشمن کا صفایا کر سکے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام بڑی عسکری طاقتوں بشمول امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی، چین، اسرائیل اور بھارت بھی کے پاس کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار بکثرت موجود ہیں۔ ہتھیار شوکیس میں سجا کر رکھنے کیلئے نہیں بنائے جاتے بلکہ جنگوں میں استعمال کرنے کیلئے بنائے جاتے ہیں۔ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ کوئی بھی عام کھلاڑی، پرائیویٹ ملیشیا اور غیر ریاستی کھلاڑی باسانی ایسے ہتھیار حاصل کر سکتے ہیں اور نہایت خفیہ طریقہ سے انہیں استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار کوئی بھی اور کسی بھی وقت استعمال کر سکتا ہے۔ ان کے خلاف مدافعت کا ایک مکمل نظام چاہئے جو جدید جنگوں کی اہم ترین ضرورت ہے۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بحران کسی بھی جنگی سائنس کے ماہر کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے۔ دنیا میں اس وقت بارہ سو سے زیادہ ایسے حیاتیاتی جرثومے، وائرس اور بیکٹیریا موجود ہیں جو انسانی زندگی کے خاتمہ کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان میں انتھراکس (Anthrax)، ہنٹا وائرس (Hanta Virus) (جس میں مریض کی موت کے 50% امکانات ہوتے ہیں) ماربرگ (Marburg) (جس میں اس وائرس کا شکار 90% مریض مر جاتے ہیں)، پلگ (Plague)، ٹوکسن (Toxin)، زرد بخار (Yellow Fever)، ہپاٹائٹس (Hepatitis)، گینگریں (Gangrene)، ہیضہ (Cholera)، کیو بخار (Q Fever)، چچک (Smallpox)، کائو وائرس (Congo Virus) جونن وائرس (Junin Virus)، ایبولا (Ebola) اور ٹیلوریمیا (Taloremia) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار غریب ممالک اور غیر ریاستی کھلاڑیوں کے اہم ہم ہیں جو آسانی کے ساتھ ان کی دسترس میں آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دشمن کی زرعی فصلات اور غذائی اجناس کی تباہی کیلئے بھی بہت سے ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں کہ دشمن کی معیشت کو تباہ کر دیا جائے اور وہاں قحط سالی کا سماں پیدا کر دیا جائے۔

(III) جدید افواج کی تشکیل نو کا مسئلہ؟

ایک وقت تھا جب کہا جاتا تھا کہ دنیا پر وہ قوم حکمرانی کرے گی جس کا دنیا کے سمندروں پر کنٹرول ہو گا۔ اس کے بعد کہا گیا کہ دنیا پر وہ قوم حکمرانی کرے گی جس کا فضا پر کنٹرول ہو۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ دنیا پر وہ قوم حکومت کرے گی جس کا فضا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی پر کنٹرول ہوگا۔ بڑی طاقتوں نے بدلتے حالات اور تقاضوں کے مطابق اپنی افواج اور کمانڈ سسٹم میں انقلابی تبدیلیاں لانا شروع کر دی ہیں۔ انہوں نے سائبر اور الیکٹرانک جنگ کیلئے اپنے علیحدہ بریگیڈ تشکیل دینا شروع کر دیئے ہیں اور اسی مناسبت سے روایتی ڈھانچہ میں تبدیلیاں شروع کر دی ہیں۔ مثال کے طور پر امریکی ائرفورس نے اپنے سٹاف کی تعداد میں چھ لاکھ سے کم کر کے چار لاکھ کر دی ہے۔ اسی طرح روس نے اپنی فوج میں دو لاکھ پچاس ہزار کی کمی کر دی ہے۔ برطانوی اور جرمن ائرفورس نے اپنی فضائیہ کے عملہ میں ایک چوتھائی کمی کر دی ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے اپنی روایتی افواج میں خاطر خواہ کمی کر دی ہے اور اپنی فوج کی تعداد کی بجائے اس کی جنگی صلاحیتوں میں اضافہ کی جانب توجہ دے رہے ہیں۔

فوج کی تعداد میں کمی کے ساتھ فوج کے کمانڈ سسٹم میں بھی ہر سطح پر خاطر خواہ تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ فوج کے پورے ڈھانچہ کی اوور ہالنگ کی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد فوج کی فعالیت میں اضافہ اور غیر ضروری اخراجات پر قابو پانا ہے۔ تاکہ بچت شدہ بجٹ کو جنگ کے نئے شعبوں کے قیام کیلئے استعمال کیا جاسکے۔ جدید تقاضوں کے مطابق دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کی اختیارات کی مرکزیت کی جگہ لچکدار اختیارات مختلف سیکٹر کمانڈرز کو منتقل کئے جا رہے ہیں اور اس طرح ”کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم“ کو ڈی سنٹرلایز (Decentralization) کر کے منتشر کمانڈ (Dispersed Command) کا نظریہ اختیار کیا جا رہا ہے اور اختیارات چلی سطح پر سیکٹر اور آپریشنل کمانڈ کو منتقل کئے جا رہے ہیں تاکہ وقت اور موقع کی مناسبت سے ہر وقت ضروری اقدامات لئے جاسکیں۔ سمارٹ اور کمبائنڈ آپریشنل یونٹ تشکیل دئے جا رہے ہیں۔ مرکزی کمانڈ کی جگہ منتشر کمانڈ اور عمودی (Vertical) کی جگہ افقی (Horizontal) کمانڈ کو رائج کیا جا رہا ہے۔ دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کی مرکزیت کو ختم کر کے اس کی جگہ آزادانہ خود مختار جنگی کمانڈ (War Theaters) قائم کی جا رہی ہیں۔ مستقیم کی (Linear) کی جگہ غیر مستقیم (Non Linear) طریقہ جنگ کو رواج دیا جا رہا ہے تاکہ فوج کی کارکردگی اور فعالیت میں اضافہ کیا جاسکے۔

(IV) بالکل ہی انوکھی قسم کی جنگ

جدید نسل کی جنگوں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی اور سائبر سیکورٹی نے ایک فیصلہ کن شکل اختیار کر لی ہے۔ اگر کمپیوٹر ہیکرز کی کوئی تجربہ کار ٹیم کسی مخالف ملک کے کمپیوٹرز پر حملہ کر کے ان کے خفیہ کوڈ چرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ اس ملک کا مواصلاتی، جنگی اور مالیاتی نظام تباہ کر سکتی ہے یا پھر دشمن کے طیاروں اور میزائلوں کی فریکوئنسی تبدیل کر کے اور انہیں ری کوڈ یا ری پروگرامنگ کر کے ایک بڑی تباہی پیدا کر سکتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ دشمن کو اس کی خبر تک بھی نہ ہو یا پھر ہیکروں کی اس ٹیم تک پہنچنے سے پہلے ہی تباہی کا پورا باب مکمل ہو چکا ہو اور دشمن کی ان تک پہنچنے کی استعداد ہی ختم ہو چکی ہو۔ ایسی خطرناک ترین جنگ کمپیوٹر کا کوئی بھی ذہین طالب علم ایک پچاس مربع فٹ کے کمرہ محض ایک جدید لیب ٹاپ کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح طبعی سائنس کا کوئی ذہین طالب علم لیزر ٹیکنالوجی کے ذریعہ دشمن کے سیٹلائٹ تباہ کر سکتا ہے۔

"One hacker + one modem causes an enemy damage and losses

almost equal to those of a war". (Qiao Liang and Wang Xiangsui)

ترجمہ: "ایک ہیکر اور ایک موڈم دشمن کو ایک پوری جنگ کے برابر تباہی اور نقصان سے دوچار کر سکتے ہیں۔"

امریکی سپر پاور کیلئے یہی وہ حقیقی چیلنجر ہیں جن کا ذرا یلون نو فلر نے اپنی کتاب "War & Anti War" میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"پہلی بات تو یہ ہے کہ امریکی حریفوں کی تعداد اور ان کی ہمہ جہت مخالفت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دشمن کے مصنوعی سیاروں اور ان سے متعلق کمپیوٹروں اور نیٹ ورکس کو تہہ وبالا کرنے کے زیادہ جدید طریقے دریافت کئے جا رہے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ کوئی فریق کسی حریف کا سسٹم تباہ کرنے والا ایسا انتظام کرے کہ اس پر شک ہونے کی بجائے کوئی تیسرا فریق شک و شبہ کی زد میں آجائے یعنی پتہ ہی نہ چلے کہ حملہ آور کون ہے۔ مثلاً اسرائیل چین کے مواصلاتی نظام پر اس طرح حملہ آور ہو کہ دیکھنے والوں کو یہ سب امریکہ کے جاسوسوں کی کارروائی نظر آئے یا اس کے برعکس معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس کام کیلئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے وہ ریڈیو مرمت کرنے کی کسی چھوٹی سی دکان سے بھی مہیا ہو سکتا ہے اور اس مدد سے مصنوعی سیاروں کے سنگنوں، زمینی سٹیشنوں اور ان سے متعلقہ مجموعی نیٹ ورکس کے کام میں مداخلت کی جا سکتی ہے۔ آخری بات یہ کہ آپ کسی دہشت پسند گروہ، فشیات کے کسی بے تاج بادشاہ حتیٰ کہ کسی ایسی نئی منی ریاست کے خلاف جس کے پاس حملہ آور

ہم نے کا کوئی انفراسٹرکچر یا شہری کمان ہی موجود نہیں ہے جو ابی انتقامی کارروائی کیسے کریں گے؟ اور انفارمیشن بہت پسندوں کی کسی ایسی ٹیم سے کیسے نمٹیں گے جس کے متعلق یہ اطلاع ہو کہ وہ امریکہ پہنچ رہی ہے اس کا پروگرام ملک کے انتہائی غیر محفوظ مواصلاتی نظام اور مواصلاتی سیاروں سے اس کے رابطوں میں رخنہ پیدا کرنا ہے یا پھر کسی ایسی ٹیم کے خلاف کیا کریں گے جو امریکہ پہنچی ہی نہیں بلکہ آدھی دنیا کے فاصلے پر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی اس کے نیٹ ورکس میں دخل اندازی کی کوشش کر رہی ہے جو مواصلاتی سیاروں سے حاصل ہونے والے مواد کو پراسیس کر کے آگے پہنچاتا ہے۔ سوچنے کی اصل بات ہے کہ کیا امریکہ کی دوسو ملین ڈالر کی فضائی مشین دخل اندازی کے خطرات سے محفوظ ہے۔“

ایف بی آئی میں کمپیوٹر جرائم کی تفتیش کا انچارج سمیٹر ڈو (Saiteerdou) ہے کہتا ہے:

"Give me ten carefully chosen hackers, and within 90 days I would then be able to have this nation lay down its arms and surrender."

ترجمہ: ”مجھے انتہائی احتیاط سے منتخب کئے گئے دس ماہر کمپیوٹر ہیکر دے دیجئے اور میں نوے دن کے اندر کسی بھی قومی ریاست کو ہتھیار ڈالنے اور شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دوں گا۔“

مستقبل کی جنگوں کا ایک بہت بڑا انحصار جدید ترین ہتھیاروں پر ہوگا۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر آپ دشمن کا ڈیجیٹل، الیکٹرونک، لیزر، الیکٹرانک اور خلائی جنگ میں مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر آپ کو بغیر لڑے ہتھیار ڈالنا ہوں گے۔ اس کے بغیر انفٹری، فضائیہ اور بحریہ پر کی گئی بڑی سے بڑی سرمایہ کاری بھی بے کار ثابت ہوگی اور دنیا کی بڑی سے بڑی فوج بھی ریت کی دیوار ثابت ہوگی۔ اس کا انجام صدام حسین کی جنگی مشین سے مختلف ہرگز نہیں ہوگا۔

ہزاروں کی تعداد میں نیو سیٹلائٹ، حرکی جنگ سے غیر حرکی جنگ کی جانب سفر یعنی ایک بند کمرے میں بیٹھ کر انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعہ اور معاشی غلبہ کے ذریعہ دشمن کی شکست و ریخت کرنا۔ جدید ٹیکنالوجیز کے باہمی بندھن نے جنگ کو ایک ڈبہ میں بند کر دیا ہے جہاں دس ضرب دس کے کمرہ میں بیٹھ کر انفارمیشن ٹیکنالوجی کا کوئی بڑا ہیکر دشمن کو خبر ہونے دئے بغیر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔ میزائل اور جنگی جہاز کی بھی آنکھیں اور کان ہوتے ہیں اور اسے ڈیجیٹل رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ محض دھات کے بنے ہوئے بے مقصد اور بیکار ٹکڑے ہیں۔ کمپیوٹر کے کسی سسٹم کے اندر ”وائرس“ ڈمپ کیا جاسکتا ہے اور بوقت ضرورت اس کو متحرک کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایک دفعہ کمپیوٹر سسٹم وائرس کا شکار ہو جائے تو تمام کورز میزائل، گائیڈڈ میزائل محض بغیر ٹارگٹ کے تیر بن جاتے ہیں۔ جی پی ایس سسٹم کی خرابی

کی صورت میں تمہاری ساری فضا یہ اندھی ہو جاتی ہے۔ وہ محض بغیر کسی سمت کے ہوا میں اڑنے والے بچوں کے غباروں کی مانند ہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ متبادل انتظامات ضروری ہیں وگرنہ کسی وقت بھی کوئی بڑا غیر متوقع حادثہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ الیکٹرو میکینیک لہروں کے ذریعہ ہزاروں میل دور بیٹھ کر دشمن کے کمپیوٹرز میں دائرس داخل کر سکتے ہیں۔

ایک اسرائیلی جرنیل کے الفاظ میں سائبر طاقت کمزور کھلاڑیوں کو عالمی سپر پاور کو گرانے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ نئی ٹیکنالوجیز نے جنگ کو ایک ”ڈبہ“ کے اندر بند کر دیا ہے۔ حرکی جنگ (Kinetic Warfare) کی جگہ بڑی تیزی کے ساتھ غیر حرکی (Non Kinetic Warfare) جنگ لے رہی ہے۔ خطرہ اس بات کا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے زور پر امریکہ یا عالمی کارپوریشنز قومی ریاستوں کو شکست فاش سے دوچار کر کے ان کے انفراسٹرکچر اور اقتصاد اعلیٰ کو کھیر دیں گی۔ قومی ریاستوں کے اندر موجود دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کیلئے تربیت کئے گئے جرنیل امریکہ اور ملٹی نیشنل کی جانب سے شروع کی گئی جدید جنگوں کے سامنے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ جدید غیر حرکی جنگوں نے تیسری نسل کی تربیت یافتہ روایتی فوج، میکانائزڈ اور آرٹلری ڈویژن، فضائیہ اور بحری فوجوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ جنگ جیتنے یا مقابلہ کرنے کیلئے فضائیہ اور بحری کماندروں کو شائد ماضی میں پلٹنا ہو گا اور بغیر جی پی ایس نظام (GPS System) کے دشمن سے لڑنا ہو گا۔ ”بھوت بیڑہ“ (Ghost Fleet) کے مصنفین پی ڈبلیو سنگر اور آگسٹ کول (P.W.Singer and August Cole) ایک ایسی ہی جنگ کا نقشہ کھینچتے ہیں کہ کس طرح مخالف ڈائریکٹوریٹ امریکہ کے سیٹلائٹ سسٹم اور جنگی بحری جہازوں کو اندھا کر دیتا ہے۔ اس کے جنگی لڑاکا طیاروں کو ڈیجیٹل سسٹم کے اندر شور شرابہ پیدا کر کے اس کے کمیونیکیشن نظام میں رکاوٹیں پیدا کر دیتا ہے اور ان کے اندر دھندلاہٹ پیدا کر کے ان کو عارضی یا مستقل طور پر ناکارہ کر دیتا ہے۔

سن تھو اور کلازڈس کا فراہم کردہ جنگی فریم ورک اب جنگ کی کلاسک کا حصہ تو ہو سکتا ہے مگر نئے عہد کی جنگیں اس سے بہت آگے جا چکی ہیں۔ صدام کے جرنیلوں کی طرح بہت سے ماضی کے تربیت یافتہ جرنیل آج بھی شعوری یا لاشعوری طور پر اسی عہد کے اندر جی رہے ہیں۔ آج کی جنگ میں بہت سے دیگر عوامل شامل ہو چکے ہیں جن کو سمجھنے کی تربیت اور صلاحیت سابقہ نسلوں کی جنگ کے ماہرین کے پاس مفقود ہے۔ اپنے انتہائی سمارٹ گوریلا یونٹوں کو دشمن کے علاقہ کے اندر مستقل بنیادوں پر تعینات کرنا، ان کیلئے موبائل لاجسٹک سہولیات کا بندوبست کرنا اور وقت ضرورت اپنے موبائل گوریلا یونٹوں کی پوزیشن تبدیل کرنا نئی جنگ کے حربوں میں شامل ہے۔ جنگ کا بہت زیادہ حصہ دشمن کے علاقہ میں لڑنا اور اس کے لئے

”زمانہ امن“ میں مضبوط مورچہ بندی کرنا جدید جنگ کی نئی حکمت عملی ہے۔ اس جدید جنگی حکمت عملی کے تحت دشمن کے علاقہ میں سادہ لباس کے اندر پوشیدہ اپنے ”جنگی سپاہیوں“ اور کمانداروں کیلئے ایمر جنسی کے وقت کیلئے اسلحہ اور دیگر لاجسٹک کی سپلائی کے عمل کو کئی ایک متبادل راستوں سے یقینی بنانا ہے۔ دشمن کے علاقہ میں موجود اور رہائش پذیر ”جنگی بریگیڈ“ کی نفری تین۔ تہ پانچ افراد تک سکڑ گئی ہے۔ وہ جدید ترین اسلحہ کے ساتھ دشمن کی جنگی ہیڈ کوارٹر یا دنیا کے کسی بھی بڑے شہر میں یا بیک وقت کئی شہروں میں داخل ہو کر تباہی مچا سکتے ہیں۔ ایسے مختصر ”بریگیڈ“ دنیا کے کسی بھی میٹروپولیٹن شہر میں داخل ہو کر آسانی کے ساتھ چھپ سکتے ہیں یا سادھوؤں اور خانہ بدوشوں کا روپ دھار کر کسی مخصوص جگہ پر قیامت منبری کا منظر برپا کر سکتے ہیں۔ کوئی چھوٹا یا بڑا گوریلا گروہ دشمن کو نظر نہ آنی والا کسی مخصوص میٹیریل کا بنا لباس پہن کر دشمن کی حساس تنصیبات یا اس کے جنگی ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر کے بحفاظت واپس جانے کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ یہ وہ نئے جنگی حربے ہیں جو اکیسویں صدی میں متحارب دھڑے ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔

فرانس کے عظیم جنگی جرنیل نیولین نے کہا تھا کہ ”بارود کی ایجاد جاگیر دارانہ نظام کا خاتمہ کر دی گئی۔“ اس لئے کہ جب بارود تک عام لوگوں کی رسائی ہو جائے گی اور بارود پر حاکم طبقات کی اجارہ داری ختم ہو جائیگی تو لامحالہ محکوم طبقات کی عددی اکثریت حاکم طبقات کی عددی اقلیت کو کچل کر رکھ دیگی۔ اسی طرح نفیہ جزییشن وارفیئر کا نیا طریقہ جنگ روایتی عالمی استعمار اور اس کی طفیلی ریاستوں کی اسلحہ پر اجارہ داری ختم کر کے رکھ دیگی۔ یہ طریقہ جنگ روایتی جرنیلوں کی جنگ پر اجارہ داری بھی ختم کر دیگا۔ گویا اب تاریخ کسی اور طرز پر لکھی جائیگی۔ نئی نسل کی جنگوں میں ”سمارٹ ہتھیاروں“ کی خصوصی اہمیت ہے۔ اس دور میں بڑے ہتھیاروں جیسے ایٹم بم، میزائل، ایئر کرافٹس کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ سابق امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ڈاکٹر ہنری کسنجر نے کہا تھا:

”کہیں ایسا نہ ہو کہ امریکہ بڑے ہتھیاروں کے ذخیرہ پر بیٹھ کر نہبتا ہو جائے۔“

سی کوسٹ کہتا ہے کہ اس کے اس چیلنج کا جواب آج تک کسی نے نہیں دیا کہ اسے کوئی ایسی تین ٹیکنالوجی کی نشاندہی کر دی جائے جن پر صرف امریکی افواج کی ہی اجارہ داری ہو۔ یا یوں کہیے کہ جدید اسلحہ پر امریکہ کی اجارہ ختم ہو چکی ہے یا پھر ختم ہونے کے آخری مراحل میں ہے اور مخالف فریقین نے اس کا توڑ تلاش کر لیا ہے۔ عراق کے اندر موصل کی جنگ کے دوران داعش نے جدید ترین اسلحہ استعمال کیا۔ جس میں جدید ٹینک، راکٹ لانچر، ٹینک شکن میزائل، جدید ترین رائفلز، ہموئی ٹینک، مشین گنیں، گرینڈ لانچر، ایارہ شکن میزائل، سنگر میزائل، سٹرک میزائل، ٹینک شکن میزائل اور ڈرونز تک شامل تھے۔ موصل کی ایک

دن کی لڑائی میں دامنش نے ستر ذرون حملے کئے۔ کم شدت کی جنگوں میں یہ اسلحہ کسی بھی دشمن کو شکست دینے کیلئے کافی ہے۔ آئندہ وقت کی جنگیں وہی جیتے گا جو ”موبائل اور سمارٹ“ ہتھیاروں کے ذریعہ بڑی بھاری بھر کم جنگی مشینری کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ گویا ہاتھی کو چیونٹی کے ذریعہ مارنے والی بات ہے۔

نئے دور کی جنگ نے جنگ کے انداز یکسر تبدیل کر کے رکھ دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر انتقام میں اندھا کوئی بھی شخص اگر دشمن کو پینے کا پانی سپلائی کرنے والے کسی ڈیم میں یا دور دراز کسی ایسی جگہ پر جہاں سے اس ڈیم کو پانی کی رسائی آتی ہے وافر مقدار میں زہر ملا دیتا ہے تو پورے کا پورا شہر چشم زدن میں موت کی آغوش میں جا سکتا ہے یا پھر اس پانی کے زہر یلا اور ناقابل استعمال ہونے کی وجہ سے پیاس کے ہاتھوں مصائب کا شکار ہو سکتا ہے۔ چاہے کتنی بھی بڑی سپر پاور ہو وہ اپنے ہزاروں میل پر پھیلے شہروں اور دیہاتوں کو کسی ممکنہ زہر آلودگی یا جراثیمی حملہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ یہ قطعی طور پر کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ایک عام مائیکرو بیا لو جسٹ ایک چھوٹی سی لیبارٹری کے اندر بیٹھ کر کوئی ایسا زہر یا جراثیمی مواد تیار کر سکتا ہے جس سے لاکھوں کی آبادی کو لمحوں کے اندر تباہی کا شکار کر سکتا ہے۔ گور یا ماہرین کی ایک چھوٹی سی ٹولی کسی بڑے دریائی ڈیم میں شگاف ڈال کر دشمن کی ہزاروں مربع میل پر کھڑی فصلات اور لاکھوں نفوس پر مشتمل آبادی کو صفر ہستی سے نابود کر سکتا ہے۔ یہ نئے دور کی جنگ کی چند مختصر جھلکیاں ہیں۔ کوئی جنگی جینینس یا غیر ریاستی جنگجو کھلاڑی اپنی جہتی صلاحیتوں کی بنیاد پر ایسی سیکڑوں دیگر تراکیب اور داؤ پیچ ایجاد کر کے دنیا کو ایک بڑی تباہی سے ہلکانا کر سکتا ہے۔ ان جنگوں میں بہت پیچھے بیٹھ کر دشمن کی آبادیوں اور قیمتی اثاثوں کا صفایا کیا جاتا ہے اور پتہ ہی نہیں چلنے دیا جاتا کہ حملہ آور کون تھا؟

دشمن کو مارنے اور اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کیلئے دنیا ایک مرتبہ پھر منشیات کی جنگوں کی جانب پلٹ سکتی ہے۔ تاریخ برطانیہ عظمیٰ اور چین کے درمیان ہونے والی منشیات کی جنگوں (Opium Wars) سے بخوبی آگاہ ہے۔ خاموش جنگ کے طریقہ کار کے اندر منشیات کی جنگیں مستقبل قریب میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہو سکتی ہیں۔

ماضی میں لاکھوں سپاہ کے لشکر آمنے سامنے آ کر لڑتے تھے۔ گور یا جنگوں نے سپاہ کی تعداد کم کر دی ہے اور جنگ کا نقشہ یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ اب روایتی گور یا جنگیں بھی ماضی کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ ماضی کی ان گور یا جنگوں کا دائرہ کار انتہائی محدود اور علاقائی حد بندیوں تک محدود تھا جس میں گوریلے چند مخصوص علاقوں کے اندر رہ کر مورچہ بندی کرتے تھے۔ اب جنگ کا دائرہ کار تبدیل ہو گیا ہے۔ گور یا اب مقامی یا علاقائی نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی ہو گیا ہے۔ نئی جنگ کی نوعیت اور نقشہ سابقہ گور یا جنگوں سے بالکل ہٹ کر

ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی نئی جنگ ہوگی۔ اس میں ”جنگی بریگیڈ“ تین سے دس سپاہیوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک فرد واحد ہی اپنی جگہ پر ایک پورے بریگیڈ کا کام کرے۔ یہ سمارٹ فوجی دستے ایٹمی اسلحہ سے لیس ہو کر خود کار ہتھیاروں کے ذریعہ دشمن کے علاقہ میں داخل ہو کر اسکے شہروں اور ایٹمی تنصیبات پر تباہی برپا کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ہی وقت میں دنیا کے مختلف خطوں کے اندر کروڑوں انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں۔ یہ کام چند درجن لوگ ایک ہی وقت میں دنیا کے کئی شہروں اور حساس نوعیت کی تنصیبات پر آزما سکتے ہیں۔ یہ نئی قسم کی جنگ ہوگی جس کا ابھی کوئی نام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والوں کی شناخت ہمیشہ اندھیرے میں رہے اور یہ کام کسی تہہ در تہہ پردہ کے چھپے چھپ کر کرایہ کے قاتلوں کے ذریعہ کروا لیا جائے۔

ایک خالص عسکری نقطہ نگاہ سے ساتویں نسل کی جنگ مکمل مشینوں کے ذریعہ لڑی جانے والی جنگ ہے جس میں انسانوں کی شمولیت محض برائے نام ہے۔ اس میں دشمن کے کے پاور گرڈ، کمرشل اور فوجی کمیونیکیشن سسٹمز بند کئے جائیں گے۔ اس میں دشمن کے پانی کے ذخائر، آبی لہریں، الیکٹرانک اور الیکٹرومیکینیک ہتھیار استعمال کئے جائیں گے۔ دشمن کے کمپیوٹر سسٹم پر کام کرنے والا ہنگامہ سسٹم اور فوجی آلات کوئی ناکارہ بنایا جائیگا۔ دشمن کے میزائلوں اور جنگی طیاروں کو غلط سمت میں بھٹکایا جائیگا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ترکی کے صدر طیب اردگان نے حوثی باغیوں کے خلاف سعودی حکومت کے حق میں بیان دیا تو اس کے کسی نامعلوم دشمن نے اس کے درجنوں پاور گرڈ بند کر دیئے۔ آسمان پر بغیر پائلٹ کے چلنے والے طیاروں کے غول در غول جتھوں اور خود کار جنگی مشینوں کے ذریعہ دشمن کی فضائی افواج کو ناکارہ بنادیں گے۔ دشمن کی بحری طاقت کو تباہ کرنے کیلئے خود کار جنگی کشتیوں، خود کار ہتھیاروں جیسے تار پیڈ و غیرہ کو استعمال میں لایا جائیگا۔ سمندر کے اندر مصنوعی طغیانی اور مد و جزر پیدا کر کے اور سمندر میں پانی کے نیچے پنشنی بغیر پائلٹ کے جنگی کشتیوں (Unmanned Underwater Vehicles ---UUVs) کے ذریعہ دشمن کی بحری طاقت کو ناکارہ بنانے کی کوشش کی جائیگی۔ زمینی افواج کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کیلئے بغیر پائلٹ کے اڑنے والے خود کار طیاروں اور خود کار ہتھیاروں کے ذریعہ دشمن کا پتہ چلا کر چشم زدن میں اسے خود کار اسلحہ کے ذریعہ تباہ کر دیا جائیگا۔ ان جنگوں کے اندر دشمن اپنا ایک بھی فوجی مردائے بغیر صرف خود کار مشینوں کے ذریعہ دشمن پر فتح حاصل کرنے کا اقدام کریگا۔ اس طریقہ جنگ کے مطابق دشمن کو لڑائی کا موقع دیئے بغیر اس کو فتح کرنا ہے۔ سن ٹو نے بھی کچھ ایسے ہی کہا تھا کہ جنگ کا بہترین ہتھیار یہ ہے کہ دشمن کو لڑنے کا موقع دئے بغیر زیر کر لیا جائے۔ وہ لکھتا ہے:

"The supreme art of war is to subdue the enemy without fighting.

If you can convince your enemy that his military efforts will all be in vain,

then you can win without fighting"

ترجمہ: "جنگ کی سب سے اعلیٰ حکمت عملی یہ ہے کہ دشمن کو لڑنے کا موقع بغیر اس کو زیر کر لیا جائے۔ اگر تم اپنے دشمن کو یہ باور کرائیں کہ اس کی ساری جنگی ترکیبیں بیکار ہیں تو وہ لڑے بغیر تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دے گا۔"

جنگ کی سب سے ترقی یافتہ شکل دشمن کو لڑے بغیر اس کی جنگی صلاحیت کا خاتمہ ہے۔ اس میں دشمن کو ماضی طور پر اندھا اور بیہوش کرنا شامل ہے۔ یہ کام ایئر، الیکٹرونک شعاعوں کے ذریعے یا کیمیائی اور بائیولوجیکل ہتھیاروں کے ذریعے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ جب دشمن کی فوج اور عوام بیہوش ہو کر گر پڑیں تو دشمن کے علاقہ سے دشمن کے ہتھیار اور اس کے جنگی اور دیگر انفراسٹرکچر کو تباہ کرنے کیلئے زمینی افواج اٹارنا شامل ہے۔ جب دشمن کو ہوش آئے گا تو اس وقت وہ نہ صرف اپنے آپ کو نہتہ پائے گا بلکہ سردرد یا پیچش جیسی بیماریوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جنگ لڑنے کی صلاحیت کھو چکا ہوگا۔ یہ جنگ انسانوں کے بغیر لڑی جانے والی جنگ ہے۔ اس جنگ کیلئے جو ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں یا ہو چکے ہیں ان کے سامنے پانچویں اور چھٹی نسل کی جنگوں کے ہتھیار بہت ہی وقیانوسی اور پرانے زمانے کے ہتھیار محسوس ہوتے ہیں۔ دور جدید میں یہ انسانوں کے بغیر جنگی مشینوں کے ذریعے جنگ لڑنے کا ایک انوکھا تجربہ ہے۔ اس میں دشمن کے جنگی اڈوں سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر محض جنگی مشینوں اور خودکار ہتھیاروں کے ذریعے دشمن کا صفایا کیا جاتا ہے۔ یہ سارا خودکار نظام چند سیکنڈوں میں اپنے ہدف کو نشانہ بنالیتا ہے۔ جنگ کے اندر خودکار مشین انوں کیلئے 3D Hologram ٹیکنالوجی کا استعمال لایا جا رہا ہے تاکہ دشمن کی پوزیشن کا صحیح صحیح اور اک کر کے ہدف کو نشانہ بنایا جاسکے۔ اس وقت مختلف 3D کمپنیاں ہزاروں کے حساب سے امریکی فوج کو جنگی نقشے بنا کر اس کے ممکنہ اہداف کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے ذریعے دشمن کے ارد گرد کوٹوں کھدروں میں تین اطراف میں دشمن کی عقل و حرکت اور پوزیشن کا واضح پتہ کیا جاسکتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کو مزید وسعت دیکر اسے 4D ٹیکنالوجی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور جنگی مشینوں کیلئے اس کا مزید ترقی یافتہ Version استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اس جدید جنگ میں اب "خلائی اور ساروازم" کا نظریہ بھی بڑی تیزی کے ساتھ جنگی ٹیکنالوجی کا حصہ بننے جا رہا ہے۔ بڑی طاقتیں اس پراجیکٹ پر اربوں کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ یہ مسکری ہتھیاروں کے بیمانہ استعمال کے ذریعہ دنیا کو فتح کرنے کی جنگ ہے۔

(V) عسکری ہتھیاروں کے بغیر جنگ

”غیر عسکری ہتھیاروں“ کو استعمال میں لاتے ہوئے ایک کمزور کھلاڑی ایک بڑی سپر طاقت کو تباہ کر سکتا ہے۔ سیاسی ارتعاش کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی سیاسی، عسکری اور معاشی تبدیلیاں بے حد و بے شمار ہیں۔ عرب بہار کے ذریعہ جس طرح سیاسی طور پر مستحکم حکومتوں کے تختے اٹھے گئے وہ جدید جنگ کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔ عراق، شام اور لیبیا کی خانہ جنگی اس کی مثالیں ہیں۔ صرف سوڈانی خانہ جنگی کے نتیجہ میں تین لاکھ لوگ مارے گئے اور تیس لاکھ کے قریب بے گھر ہو گئے۔ شام اور عراق کی خانہ جنگی کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ مارے اور بے گھر ہو چکے ہیں۔ اس خانہ جنگی کے نتیجہ میں عراق اور شام کا پورا سماجی، معاشی اور سیاسی نظام درہم برہم ہو چکا ہے اور ریاستی حدود بند یوں کے اندر وسیع و عریض دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ یہ سب کچھ باہر سے درآمد کی گئی ”عرب بہار“ کے نتیجہ میں پیدا کئے جانے والے سیاسی عدم استحکام کی پیداوار ہے۔

”Ghost Fleet“ کے مصنفین کا کہنا ہے کہ اب ڈیٹرائٹ (یعنی امریکہ کی صنعتی بنیاد) امریکی معیشت کا مرکز نہیں ہے بلکہ اس کی سیلکان ویلی اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز امریکی معیشت کا مرکز ہیں۔ 1997 میں جنوب مشرقی ایشیا کے اندر پیدا ہونے والا شاک اچھے اور کرنسی بحران کے نتیجہ میں محض ایک یہودی عالمی سٹاک باز جارج سوروس نے چند ہفتوں کے اندر ملائیشیا، تھائی لینڈ اور انڈونیشیا کی کرنسی کئی سو فیصد نیچے گرا دی اور ان ”ایشین ٹائیگرز“ کی معیشت کو مکمل طور پر تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس ہولناک معاشی تباہی کا حال خود ملائیشیا کے ہر دلعزیز وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد کی زبانی سنئے۔ وہ اپنی کتاب ”A New Deal For Asia“ میں لکھتے ہیں:

”ایسی طاقتوں کی یلغار نے جو ہمارے وہم و گمان سے ماورائے ہم سے ہمارا مستقبل چھین لیا اور ہمارا فقر مایوسی میں تبدیل ہو گیا۔ جو کچھ بھی یہاں ہوا اس کا تعلق محض دولت یا معاشیات تک محدود نہیں تھا تخفیف زر اور سناک مارکیٹوں کی تباہی نے ایک نسل سے اس کے روشن مستقبل کے خواب چھین لئے اور ان کی خود اعتمادی اور حوصلہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔“

2016 میں امریکہ کے صدارتی انتخابات میں اپنی مرضی کی حکومت لانے کیلئے روس کی خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ روس کی جانب سے سوشل میڈیا پر جعلی اکاؤنٹس، ایجنٹوں اور بھاری فنڈز کا استعمال کیا گیا۔

اب مغربی جنگی ماہرین علم البشریات اور معاشیات کے ماہرین کے ساتھ مل کر چین اور روس کو خفیہ طور

پرتوڑنے کی حکمت عملی پر کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہانگ کانگ، تائیوان، تبت اور سنکیانگ کا مسئلہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ چین کے اندر طبقاتی اور علاقائی قوتوں کو بھی متحرک کیا جا رہا ہے تاکہ ایک ہی وقت میں ایک بڑا طوفان کھڑا کیا جاسکے اور سرخ فوج کو ایک بڑے مسلح ہجوم کے سامنے تیز تر کر دیا جائے اور اس طرح چین کے اندر سے بیک وقت کئی چھوٹی ریاستوں کو جنم دیا جاسکے۔

یورپی جنگی ماہرین اس حکمت عملی پر شد و مد سے کام کر رہے ہیں کہ ”غیر عسکری ذرائع“ استعمال کرتے ہوئے چین کو مذہبی اور طبقاتی خانہ جنگی میں دھکیل کر اسے سوویت روس کی مانند بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے بکھیر دیا جائے۔ اس کام کیلئے وہ نہایت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو انہوں نے چین کو ہانگ کانگ کے مسئلہ میں بری طرح الجھا دیا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی نظریں تبت اور سنکیانگ کے شورش زدہ علاقوں پر لگی ہوئی ہیں۔ مغرب کے ثقافتی جنگ کے ماہرین اس بات پر آنکھ لگائے بیٹھے ہیں کہ چین کی پونے دو ارب کی آبادی کے اندر ایک بہت بڑی تعداد خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کی ہے جبکہ عین اسی وقت چین کے اندر چار سو سے زیادہ ارب پتی موجود ہیں اور ان کی تعداد میں ہفتہ وار اضافہ ہو رہا ہے۔ عالمی جنگجوؤں کا خیال ہے کہ چین کے اندر طبقاتی، نسلی، مذہبی اور علاقائی جنگوں کو ہوا دیکر سوویت روس جیسے حالات پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر وہ بے حد پر امید نظر آتے ہیں۔ ایلون ٹوکلر اور ہائیڈی ٹوکلر نے اپنی کتاب ”War and Anti War“ میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”حیرانی کی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ارکان کی موجودہ تعداد میں سے اندازاً ایک تہائی ممالک کو اب بڑی اہم باغیانہ تحریکوں، علیحدگی پسندوں یا جلا وطن حکومتوں کا سامنا ہے۔۔۔ وارن کرستوفر نے وزیر خارجہ کا عہدہ سنبھالنے سے قبل سینٹ کی تعلقات خارجہ کمیٹی میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ہم جلد ہی ایسا کوئی طریقہ کار نہ ڈھونڈ سکیں جس پر عمل کر کے مختلف نسلی گروہ کسی ملک میں اکٹھے رہ سکیں تو پھر آج کے سو سوا ممالک کی بجائے اس کرۂ ارض پر آئندہ ہمیں پانچ ہزار ملکوں کا وجود برداشت کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔ سنگاپور میں ہم نے کیمبرج اور ہارورڈ کے تعلیم یافتہ 37 سالہ بریگیڈئیر جنرل، ڈپٹی پرائم منسٹر اور انتہائی ذہین دانشور جارج پاؤ سے اس موضوع پر بات چیت کی۔ اس کا خیال ہے کہ مستقبل کا چین سنگاپور جیسی سینکڑوں شہری ریاستوں پر مشتمل ہوگا۔“

”The Next 100 Years: A Forecast for the 21st Century“ کا مصنف جارج

فریڈمین مستقبل کی پیشگوئی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"China is incredibly poor country with a small segment that is essentially an extension of the United States."

ترجمہ: "چین ایک انتہائی غریب ملک ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا طبقہ خوشحال ہے اور وہ بھی امریکہ کے ساتھ نتھی ہوئی کی وجہ سے ہے۔"

وہ اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ چین سے درآمد کئے جانے والے ہر سات کنٹینروں میں سے ایک کنٹینر وال مارٹ کی اشیاء لیکر جاتا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر وہ کہتا ہے:

"This shows the vulnerability of the country (China). All of the prosperity of China is built on the willingness of the U.S. and Europe to buy its products".

ترجمہ: "اس سے چین کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ چین کی ساری خوشحالی محض اس بات سے بندھی ہے کہ امریکہ اور یورپ اس کی بنی اشیاء خریدتے رہیں۔" (یاد رہے کہ مصنف کا اس رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ مصنف کے خیال میں یہ ایک متعصبانہ اور یکطرفہ نقطہ نظر ہے)۔

وہ مزید کہتا ہے کہ چین کے پاس اتنے معاشی ذرائع نہیں ہیں کہ اپنے ایک ارب سے زائد غریب عوام کو غربت سے باہر نکال سکے۔ اگر چین اپنے صنعتی پلانٹ بے روزگاری کے خاتمہ کیلئے اندرون چین کے اندر بھی منتقل کر دے تب بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس کے خیال میں چینی قیادت کے پاس اس مسئلہ کا کوئی بھی حل نہیں ہے۔ اس کے خیال میں چین مستقبل قریب میں "بے ترتیبی" کا شکار ہو کر بہت سی ریاستوں میں بکھر جائے گا۔ اس سلسلہ میں اس نے اس بات کا بھی حوالہ دیا ہے کہ چین پر کمیونسٹ پارٹی کی گرفت ختم ہو چکی ہے۔ اب چین کو سرمایہ داراں اور فوج مل کر چلا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں چین کا سیاسی کلچر مرچکا ہے اور چین کسی بھی بڑے سیاسی بحران کا سامنا نہیں کر سکے گا۔

چین اور سرمایہ دارانہ دنیا کا تعلق ایک دلچسپ تماشہ ہے۔ چین نے نظام سرمایہ داری کے ساتھ نھنسی ہو کر نظام سرمایہ داری کو "ہیک" (Hack) کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے سرخ چین کا معاشی ماڈل تبدیل کرتے ہوئے پرائیویٹ سیکٹر کو کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

ساتھ ہی اس نے ریاستی پالیسی کے تحت پبلک۔ پرائیویٹ شراکت داری کے تحت بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں تشکیل دی ہیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی 100 ملٹی نیشنل کارپوریشنز میں سے 27 امریکی سرمایہ داروں کی ہیں تو اس میں سے 14 کا تعلق چین سے ہے۔ ان میں سے اکثریت چینی ریاست

کے زیر سایہ چل رہی ہیں۔ ایک زاویہ نگاہ سے چین کا یہ پبلک سیکٹر اور پبلک۔ پرائیویٹ سیکٹر پوری دنیا کے پرائیویٹ سیکٹر یعنی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کیلئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔

چین نے ریاستی سرپرستی میں ملٹی نیشنل کمپنیاں قائم کر کے امریکہ اور یورپ کے اندر درجنوں کے حساب سے چھوٹی بڑی کارپوریشنز خرید کر لی ہیں۔ حتیٰ کہ سوئٹزرلینڈ کی دیو قامت بنجینا (Syngenta) جیسی کارپوریشن بھی اس نے اپنی ریاستی کمپنی ”چائنا کیم“ کے ذریعہ خرید لی ہے۔ یہ محض ایک مثال ہے۔ اس جیسی درجنوں کارپوریشنز چینی ملٹی نیشنل خرید چکی ہیں۔ اس حکمت عملی کے تحت چین یہ سمجھتا ہے کہ اس نے خفیہ دروازہ سے داخل ہو کر سرمایہ دار دنیا میں سرمایہ اکٹھا کرنے کا فن سیکھ لیا ہے۔ جبکہ سرمایہ دار مابین یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خفیہ طریقہ سے سرمایہ داری چینی نظام کے اندر داخل کر کے چین کو سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ تختی کر لیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ہانگ کانگ کے اندر چین نے ”دونظاموں“ کی اجازت دیکر یہ سمجھ لیا تھا کہ بالآخر چین کا مرکزی نظام ہانگ کانگ کے سرمایہ دارانہ نظام کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ہانگ کانگ کے تازہ مظاہروں کے بعد یوں نظر آتا ہے کہ آنے والے دنوں میں چین اور امریکہ کے درمیان جنگ مزید شدت اختیار کر جائیگی۔ امریکہ کی ہانگ کانگ کے معاملات میں کھلم کھلا مداخلت اور چین کے خلاف تجارتی اعلان جنگ اس کی ایک بڑی مثال ہے۔

ایف بی آئی امریکہ کے ڈائریکٹر کرسٹوفر وے (Christopher Wray) نے 7 جولائی 2020 کو ہڈسن انسٹیٹیوٹ میں (Hudson Institute) خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"We've now reached a point where the FBI is now opening a new China-related counterintelligence case every 10 hours. Of the nearly 5,000 active counterintelligence cases currently under way across the country, almost half are related to China."

ترجمہ: ”ہم اس وقت اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ایف بی آئی نے چین سے متعلقہ کاؤنٹر انٹیلی جنس کا ایک نیا شعبہ کھولا ہے جس میں اوسطاً ہر دس گھنٹہ کے اندر چین کی جانب سے ایک نیا سا بھر حملہ کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ملک کے اندر زیر تفتیش پانچ ہزار کیسوں میں سے نصف صرف چین سے متعلقہ ہیں۔“

اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چین اور امریکہ ایک دوسرے کے خلاف ”خاموش جنگ“ میں کس حد تک آگے جا چکے ہیں۔

ڈائریکٹر ایف بی آئی نے چین کو عالمی چور قرار دیا۔ اس نے چین پر سا بھر حملوں اور نیکنالوجی کی چوری

کا الزام عائد کیا۔ اس نے کہا کہ چین جدید ٹیکنالوجی کے ڈیولپمنٹ تیار کر رہا ہے اور ہمارے تحقیقاتی کام اور جدید ایجادات کی چوری میں ملوث ہے۔ اس نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ چین نے سال میں اپنے کمپیوٹر ہیکرز کے ذریعہ لاک ہینڈ مارٹن کمپنی کے تیار کردہ F-35 کا ڈیزائن چوری کر کے ففٹھ جنریشن سٹیلٹھ لڑاکا طیارہ شنیانگ 31-Jet (Shenyang 31-Jet) جیٹ تیار کر لیا۔ اس نے کہا کہ چین کی جانب سے امریکہ پر اوسطاً ہر دس گھنٹہ میں ایک سائبر حملہ کیا جا رہا ہے۔

چین اور سرمایہ داری کے درمیان یہ خاموش جنگ دو بڑی عسکری طاقتوں اور دو متحارب عالمی معیشتوں کی جنگ ہے۔ یہ جہد البقاء کی جنگ ہے۔ اس میں امریکہ، چین اور عالمی سرمایہ داری سب کی بقا ناؤ پر لگی ہے۔ ایک جانب صدیوں کے پرانے گھاگ صیہونی سرمایہ دار اور امریکہ اور دوسری جانب پر عزم منو جوان چینی قیادت۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے احاطہ میں داخل ہو کر نقب زنی کی کوشش میں ہیں۔ چین کے اندر پرائیویٹ سرمایہ داری، ریاستی اہلکاروں اور سیاستدانوں کے اندر مالیاتی کرپشن، کنزیومر کلچر کا زور اور ارب پتیوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ اس بات کی مضبوط شہادت ہے کہ سرمایہ داری چین کو اپنا جانب کھینچنے لگے جا رہی ہے۔ چین عالمی سرمایہ داری کے مگرچھ سے بغلگیر ہو کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اس نے اس مگرچھ کو شکستے میں لے لیا ہے مگر سیاسی داناؤں کے مطابق شواہد بتا رہے ہیں کہ چین نے نہیں بلکہ عالمی سرمایہ داری کے مگرچھ نے چین کو اپنے اپنی شکستے کے اندر جکڑ لیا ہے۔ اگر چین اپنی اس سٹریٹیجی کو ایک معمول کی بجائے ایک عارضی حربہ کے طور استعمال کرتا تو بہتر ہوتا مگر اب سرمایہ داری چینی نظام معیشت اور باہی ڈھانچہ کے ساتھ چٹ گئی ہے۔ یہ چین کے سیاسی نظام کے اندر داخل ہو گئی ہے جو اس کی ریاستی وحدت اور اقتدار اعلیٰ کو زیر و زبر کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ قومی سلامتی اور چینی معاشرہ نااہل کی اس جنگ میں چین بھی ہر حربہ اور ہر ہتھیار استعمال کریگا۔

شواہد بتا رہے ہیں کہ چین بھی امریکہ کے خلاف اس خاموش جنگ میں کود چکا ہے۔ ممکن ہے کہ چین امریکی یلغار سے پہلے امریکہ کو اس کے نسلی تصادم میں دھکیل کر کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر ڈالے۔ یہ دھام جاری فٹائیڈ کی موت کے بہانے امریکہ کے اندر ہونے والے مسلح اور پر تشدد مظاہروں نے یہ بہت کر دیا ہے کہ امریکہ اندر سے جڑا ہوا اور ناقابل تسخیر نہیں ہے۔ 4 جولائی 2020 کو امریکہ کے یوم آزادی پروٹسٹنٹس، نیویارک اور بہت سے دیگر ریاستوں میں امریکہ کے قومی پرچم جلانے گئے جو کسی بڑے انسانی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ موجودہ ہنگاموں نے امریکہ کے ناقابل تسخیر ہونے کا بھرم بھی کھول کر لگایا ہے۔ امریکہ کے دشمن اب بخوبی جان گئے ہیں کہ امریکہ کے اندر درازوں کو مزید گہرا کر کے اندرونی

طور پر تتر بتر کیا جاسکتا ہے۔

امریکہ اس وقت لامحدود خانہ جنگی کے دہانہ پر کھڑا ہے۔ امریکہ کے اندر بسنے والے نسلی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہونے کیلئے تیار کھڑے ہیں۔ امریکہ کو داخلی طور پر ایک بڑے تصادم کا سامنا ہے۔ امریکہ میں بسنے والے تقریباً دس کروڑ افراد مرکزی معاشی اور سیاسی دھارے سے باہر کھڑے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان دس کروڑ میں 6 کروڑ ہسپانوی امیکسیکن باشندے ہیں اور 4 کروڑ کے قریب سیاہ فام افریقی باشندے ہیں۔ ان کی ایک بڑی اکثریت خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ ایک سروے کے مطابق امریکہ میں 11.8% خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ جن میں ایک بہت بڑی اکثریت ان سیاہ فام اور رنگدار لوگوں کی ہے۔ تقریباً 80 لاکھ سیاہ فام باشندوں کے صفر اٹائے ہیں۔ یعنی نہ ان کے پاس گھر ہے، نہ گاڑی ہے اور نہ ہی کوئی بینک بیلنس ہے۔ وہ اپنے ہی ملک میں خانہ بدوش ہیں اور مزکوں پر کھڑے معاشرہ کے حاشیوں پر زندگی گزار رہے ہیں۔

امریکہ معاشرہ صدیوں کے بعد بھی یورپی سفید فام اور دیگر رنگدار مخلوق کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ ان تمام گروہوں کے درمیان کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ رنگدار ہونے کی بنا پر زندگی کے ہر موڑ پر ان کے ساتھ امتیازی سلوک برقرار رکھا جاتا ہے جس نے ذہنی متشدد دروہوں کو جنم دیا ہے اور امریکی معاشرے کو ناقابل اصلاح بنا دیا ہے۔ امریکی معاشرہ کئی متصادم معاشرہ کا مجموعہ ہے جو اس وقت حالت جنگ میں ہیں۔ شکاگو سے سیاہ فام رہنما جین ٹی ٹیلر (Jeanette Taylor) نے امریکی معاشرہ کی داخلی ساخت پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"It's funny because they call it the United States but it's as broken as hell".

ترجمہ: "امریکہ کو ریاستہائے متحدہ کہنا محض ایک مذاق ہے۔ یہ اندر سے بہت بری طرح ٹوٹا ہوا ہے۔"

اسی طرح ان کا خیال ہے کہ روس از سر نو اپنے مضافاتی علاقوں پر قبضہ کرنے کی شدید خواہش میں مبتلا ہے جو جلد اسے بڑی علاقائی جنگوں میں الجھا دے گا اور مغرب اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مقامی خانہ جنگیوں کی معاشی اور عسکری طور پر حوصلہ افزائی کر کے از سر نو روس کو توڑنے کے اسباب پیدا کر لے گا اور روس عالمی معاملات سے بیگانہ ہو کر اپنے ریاستی اور علاقائی معاملات میں الجھ کر رہ جائے گا اور اسے دوبارہ کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

نئی نسل کی جنگ کا ایک اہم کردار این جی اوز کا ہے جو کسی بھی خطہ میں رفاہ عامہ کا کام کرنے والوں کے بھیس میں داخل ہو کر وہاں کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی کے اندر افرا تفری پیدا کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک بہت بڑی اکثریت این جی اوز کی ہے جن کی فنڈنگ مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی بین الاقوامی ایجنڈا رکھنے والے ڈونرز گروپس کی جانب سے آتی ہے۔ سامراج کبھی بھی انسان دوست نہیں ہو سکتا۔ سامراج کی پرورش انسانی استعمار پر مبنی ہے۔ یہ سمجھتا کہ سامراج کی کوکھ سے جنم لینے والی این جی اوز ہماری کسی بہتری کا سامان پیدا کریں گی محض احمقوں کی جنت میں بسنے کے مترادف ہوگا۔ ان این جی اوز کا ظاہری ایجنڈا کچھ اور حقیقی ایجنڈا کچھ اور ہوتا ہے جو اس کے فیلڈ آپریٹرز سے بھی مخفی رکھا جاتا ہے۔ یہ نظر نہ آنے والے وہ ”زہریلے پھو“ ہیں جنہوں نے راہبوں کا روپ دھار رکھا ہے۔

یہ این جی اوز ثقافتی اور مذہبی اقدار تبدیل کرنے کا کام کرتی ہیں۔ ان میں سے اکثر این جی اوز خاندانی منصوبہ بندی اور زچہ بچہ کا نام پر عورتوں کو بانجھ پن کے ٹیکے لگا کر ان کی افزائش نسل کو ختم کرنے کا کام بھی کرتی ہیں۔ مختلف خطوں میں پہلے تو خانہ جنگی کروائی جاتی ہے پھر مہاجرین کے غول درغول مختلف جگہوں پر اکٹھے کر کے ان کے اندر اپنی تربیت یافتہ این جی۔ اوز چھوڑ دی جاتی ہیں جو ایک خاص انداز میں ان لوگوں کے محسن بن کر ان کی سیاسی برین واشنگ کرتی ہیں۔ نفرت سے بھرے ان لوگوں کو اپنے ”سیاسی اور عسکری اثاثہ“ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ انکے ذہنوں میں اپنے مخالفین کے خلاف زہر بھرا جاتا ہے اور انہیں مستقبل میں اپنے سیاسی اور عسکری مقاصد کیلئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ جڑوں سے کٹے انسانوں کے یہ مفلوک الحال گروہ ان شاطرائین جی اوز کے تجویز کردہ سیاسی اور معاشی نسخے آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ ان خانہ جنگیوں سے دوہرا کام لیا جاتا ہے۔ ایک تو ان کا انفراسٹرکچر تباہ کر دیا جاتا ہے دوسرے اس ملک کے اندر زندہ انسانوں کی شکل میں اپنے ”سیاسی اور ثقافتی روبروٹ“ تیار کر کے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ بعد از جنگ ان ممالک کے اندر انفراسٹرکچر کی بحالی کا نام پر بڑے بڑے ٹیکے لئے جاتے ہیں اور مال بنایا جاتا ہے۔ جارج سورس جیسے عالمی سٹ باز، کارلوس سلم جیسے بڑے سرمایہ دار اور مل گئیں جیسے مجرم ان این جی۔ اوز کے پیچھے ایک لمبی قطار بنائے نظر آتے ہیں۔

جنگ اب جنگ کے روایتی میدانوں تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ عام سولیلین کی زندگیوں میں بھی شامل ہو چکی ہے۔ نیویارک کے جڑواں ماورز پر حملہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ کوئی غیر روایتی دشمن اس سے بڑے حملے بھی کر سکتا ہے اور اس کیلئے ایئر کرافٹس کی بجائے کوئی دیگر طریقے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ نیو یارک پر ہونے والے اس چھوٹے سے محدود حملہ کے نتیجے میں تقریباً تین ہزار کے قریب سولیلین شہری

مارے گئے اور اربوں ڈالر کا مالی نقصان ہو گیا اس سارے حملہ کے متاثرین کا کسی بھی قسم کی کسی جنگ سے براہ راست ہرگز کوئی تعلق نہ تھا۔ جنگ کے میدان تبدیل ہو چکے ہیں۔ جنگ اب ملکی سرحدوں تک محدود نہیں رہی۔ اب یہ شہروں کے اندر داخل ہو چکی ہے۔ اس کا دائرہ کار اب صرف ترقی پذیر ممالک تک ہی محدود نہیں ہے۔ ایک اچھوتی بیماری کی طرح اس کے جراثیم ہر جگہ پھیل چکے ہیں۔ جن کو قابو میں رکھنا اب کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ جنگ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ دشمن کے اندر گھس کر وار کرنے کی لڑائی ہے جسے کسی دور بین یا خورد بین سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ پانچویں اور چھٹی نسل کی جنگ کے بارے میں مارٹن وین کری ولڈ (Martin Van Creveled) کی کتاب "On Future War" سے چند اقتسابات پیش خدمت ہیں:

"Nor is there any reason to think that the comparatively small number of developed countries can continue to enjoy immunity for ever. On numerous occasions in the past their embassies have been attacked, their ships hijacked, their aircraft bombed out of the sky with heavy loss of life. Some of their citizens have been taken hostage and held for ransom.... To make matters worse, many developed countries now contain sizable minorities.... whether Muslims, as in Western Europe, or Hispanics, as in the United States..... who sympathize with the struggles going on in their countries of origin and who may themselves resort to violence to protest social and economic discrimination. Today, to believe one is safe from nontrinitarian war one have to be either very foolish or blind.

ترجمہ: "یہ سوچنا بعید از قیاس ہے کہ چند ترقی یافتہ ممالک ہمیشہ کیلئے نئی جنگ کی دسترس سے بچے رہیں گے۔ ماضی میں بہت سے مواقع پر ان ممالک کے سفارتخانوں پر حملے ہوئے، ان کے بحری جہاز اغوا کئے گئے اور آسمان سے خود ان ہی کے طیاروں کے ذریعہ ان پر بمباری کی گئی جس میں انکا بھاری جانی نقصان ہوا۔ ان ممالک کے بہت سے شہری تاوان وصول کرنے کی غرض سے اغوا کئے گئے۔۔۔۔۔ معاملہ۔ اس وقت اور بھی گھمبیر ہو جاتا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان ترقی یافتہ ممالک کے اندر بڑی تعداد میں اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ جیسا کہ مغربی یورپ کے اندر مسلمان اور امریکہ کے اندر ہسپانوی باشندے۔ ان

لوگوں کی ہمدردیاں اپنے آبائی وطنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ سماجی اور معاشی نا انصافی کے خلاف تشدد پر اتر سکتے ہیں۔ آج کی دنیا میں جو یہ سوچتا ہے کہ وہ جنگ کی دسرس سے باہر ہے دویا تو احمق ہے اور یا پھر اللہ کا۔“

وہ مزید لکھتا ہے:

“America's current economic decline must be halted; or else one day the crime that is rampant in the streets of New York and Washington D.C. may develop into low-intensity conflict by coalescing along racial, religious, social and political lines, and run completely out of control.... In future war will not be waged by armies but by groups whom we today call terrorists, guerrillas, bandits and robbers”

ترجمہ: ”امریکہ کا موجودہ معاشی بحران ختم ہونا چاہئے وگرنہ نیویارک اور واشنگٹن ڈی۔سی کی گلیوں کے اندر پھیلا جرائم کا سلسلہ کسی دن نسلی، مذہبی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر ایک نچلے درجہ کی جنگ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ یہ جنگ قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ مستقبل کی جنگیں پیشہ و فوجیں نہیں بلکہ وہ لوگ لڑینگے جنہیں ہم دہشت گرد، گوریلے، مسلح جتھے اور رہزنوں کا نام دیتے ہیں۔“

”خاموش جنگ“ جدید جنگ کی سب سے نئی اور خطرناک اختراع ہے۔ یہ جنگ دشمن کے مالانے کے اندر رہ کر اس کی آبادی میں لڑی جاتی ہے اور اس کے ”سپاہی“ دشمن کے علاقے سے ہی بھرتی کئے جاتے ہیں اس کیلئے ایک انتہائی مربوط اور تہہ در تہہ انٹیلی جنس کا نظام ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس جنگ کے فریقین پردہ کے چھچھے چھپے ہوتے ہیں اور ان کی ”کٹھ پتلیاں“ میدان میں سیاسی، عسکری، اقتصادی اور ثقافتی حربہ دکھا رہی ہوتی ہیں۔ اس جنگ کا کوئی میمنہ اور میسرہ نہیں ہوتا ہا ورنہ ہی اس کی کوئی فرنٹ لائن اور بیک لائن ہوتی ہے۔ یہ دیمک کی مانند دشمن کے اثاثوں کو اندر ہی اندر چٹ کر جاتی ہے اور دشمن کو اس وقت پہنچتا ہے جب پوری کی پوری ریاستی عمارت دھڑام سے زمیں بوس ہو جاتی ہے۔ یہ اسلحہ کے استعمال کے بغیر جنگ ہوتی ہے جس میں لڑے بغیر دشمن کو زیر کر لیا جاتا ہے۔

”Unrestricted Warfare“ کے مصنفین کیو لینگ اور ویگ ٹرانگسوئی (Qiao Liang and Wang Xiangsui)

دشمن کو خبر ہونے دئے بغیر شروع کی جانے والی خاموش جنگ کے بارے میں لکھتے

"If one party is at war with another, and the other party does not realize it is at war, the party who knows it is at war almost always has the advantage and usually wins." And this is the strategy set forth in Unrestricted Warfare waging a war on an adversary with methods so covert at first and seemingly so benign that the party being attacked does not realize it's being attacked."

ترجمہ: "اگر ایک فریق جنگ شروع کر دیتا ہے اور دوسرے فریق کو اس کی خبر نہیں ہوتی تو جو پارٹی اس جنگ کا علم رکھتی ہے وہی فاتح ٹھہرے گی۔ یہی لامحدود جنگ کی حکمت عملی ہے یعنی دشمن کے خلاف ایسے خفیہ طریقہ سے جنگ کا آغاز کرنا کہ دشمن کو اس بات کا ادراک ہی نہ ہو سکے کہ اس کے خلاف جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔"

یہ دشمن کو ادراک ہونے دیئے بغیر جنگ شروع ہونے سے پہلے یا جنگ کئے بغیر دشمن کو زیر کرنے کا ایک مضبوط اور فعال عمل ہے۔ اب جنگیں چوتھی اور پانچویں نسل کی جنگوں سے بہت آگے جا چکی ہیں۔ براہ راست مسلح تصادم اور حرکی جنگوں کا دائرہ کافی حد تک محدود ہو چکا ہے۔ اسلحہ اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ دشمن کو فتح کرنے کا نظریہ بہت حد تک متروک ہو چکا ہے۔ اب دنیا کچھ آگے جا چکی ہے۔ روسی مد پیوٹن نے کہا ہے کہ وہ امریکہ اور نیٹو کے ساتھ یوکرین کے مسئلہ پر جنگ نہیں کریگا۔ اسی طرح چینی کمرل کیاؤ لیانگ اور ویگ ییانگسوی (Colonel Qiao Liang & Wang Xiangsui) نے اپنی کتاب "Unrestricted Warfare" میں چینی حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ امریکہ کو براہ راست جنگ میں شکست نہیں دے سکتا لہذا اسے اس کیلئے دیگر طریقوں پر غور کرنا ہوگا۔ یہ بات واقعی واضح ہو چکی ہے کہ عراق کے اندر صدام حسین کی شکست کے بعد یہ سوچنا کہ امریکہ کو تیسری نسل کی جنگ کے ذریعہ شکست دی جاسکتی ہے ایک احمقانہ خیال ہے۔

انتہائی مہلک ہتھیاروں میں برق رفتار پیش رفت کے ساتھ ساتھ دشمن کو محض ہتھیاروں کے زور پر کرنے کا نظریہ بھی بہت حد تک متروک ہو چکا ہے۔ اب جنگ کے ہتھیار تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب فائر پارہ اور خطرناک بارود کی جگہ کئی دوسری قسم کے ہتھیاروں نے لے لی ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جس کی کوئی سرحدیں نہیں ہیں۔ یہ ایک لامحدود جنگ ہے جو دشمن کی علاقائی حدود سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اپنے خفیہ اثاثوں کے ذریعہ "پراکسی جنگ" کے طریقہ کار کے طور پر لڑی جاسکتی ہے۔ خالص جنگی نکتہ نگاہ سے ہٹ کر بہت سے دیگر عوامل بھی جدید نسل کی جنگوں کا خاصہ ہیں۔ کلازوفس نے کہا تھا کہ "جنگ دیگر ذرائع سے

سیاست کا تسلسل ہے۔ جنگ ایک خونریز سیاست ہے۔ اس میں دشمن کے خلاف ہر قسم کے سماجی، سیاسی، معاشی اور نفسیاتی ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ غیر عسکری جنگ کے وہ ”جادوئی صفت“ ہتھیار ہیں جو ایک قطرہ خون بہائے بغیر عالمی تاریخی تبدیلی کر دیتے ہیں۔ یہ ہتھیار زمانہ قدیم سے کسی نہ کسی شکل میں استعمال ہوتے چلے آ رہے ہیں مگر جدید سائنسی دور میں ان کا مربوط اور زیادہ سائنٹیفک طریقہ سے استعمال شروع ہو گیا ہے۔ ان دیگر ذرائع کو ایک مربوط شکل میں ہم اس اس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

دشمن ملک کے اندر کٹھ پتلی حکومت کا قیام

اکیسویں صدی کی جنگ کا ایک بہت ہی کارگر ہتھیار دشمن ملک کے اندر اپنی ”طفیلی حکومت“ قائم کرنا ہے۔ اس طریقہ جنگ کے مطابق دشمن ملک کے بڑے بڑے سیاستدان، بااثر شخصیات، میڈیا شخصیات اور رائے عامہ ہموار کرنے والے ادارے خریدے جاتے ہیں۔ اس حربہ کے تحت دشمن ملک کی بہت سی بااثر شخصیات ایک عام سے میزائیل کی قیمت میں خرید لی جاتی ہیں۔ اس قسم کی جنگ کی ایک بہت نمایاں مثال برٹش آرمی کرنل تھامس ایڈورڈ لارنس (المعروف لارنس آف عربیہ) کی ہے جس نے پہلی جنگ عظیم میں بھیس بدل کر اور اپنے آپکو عربوں کا ساتھی ظاہر کر کے سلطنت عثمانیہ کو تباہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج کے دور میں دشمن کی اپنی آبادی ہی میں سے کچھ لوگ ملکی کابینہ میڈیا اور عسکری قیادت کے اندر اس طرح کے لوگ داخل کر دیئے جاتے ہیں دشمن کے قریبی ساتھی بن کر آپکے ایجنڈے کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دشمن کی صفوں کے اندر بیٹھ کر وہ کام کر جاتے ہیں جو آپ باہر بیٹھ کر کبھی بھی نہیں کر سکتے۔ دشمن کیلئے ان کی شناخت بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ دشمن ملک کے ایوانوں میں آخری حد تک اثر و رسوخ حاصل کر لیتے ہیں کہ ریاست کے سچے مخلص لوگ بھی ان کے اثر و رسوخ کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ دشمن کے اندر بیٹھ کر اس کا ”بیانیہ“، ”حکمت عملی“ اور ”ترجیحات“ تبدیل کروا دیتے ہیں۔

دشمن ملک میں علاقائی، لسانی، نسلی، طبقاتی اور مذہبی اختلافات کو ہوا دینا

دنیا کا ہر ملک مختلف لسانی، مذہبی، نسلی اور ثقافتی اکائیوں کا مجموعہ ہے۔ دنیا میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے اندر ایک ہی نسل، زبان، مذہب اور ثقافتی اکائیوں کے لوگ آباد ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ملک کے اندر کچھ جھگڑے اور تعصبات علاقائی اور طبقاتی بنیادوں پر بھی چل رہے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ذہین اور سمجھدار دشمن ان اندرونی اختلافات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ پروپیگنڈہ اور سرمایہ کاری کے ذریعے ان اختلافات کو وسعت اور گہرائی دیتا ہے۔ ایک منظم اور بڑی حکمت عملی کے ذریعہ دشمن ملک کو

ایک بڑی خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر اس کی قومی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ ایسے کسی بھی منصوبہ کو نہایت خاموشی کے ساتھ خفیہ انداز میں کئی سالوں تک جاری رکھا جاسکتا ہے۔ ضروری ہوم ورک، عوامی ارتعاش اور اسلحہ کی مناسب فراہمی اور سپلائی لائن قائم کر کے کسی بھی بڑے سے بڑے دشمن کو ناکوں پنے چبوائے جاسکتے ہیں۔ یہ دنیا کی انتہائی موثر ہتیاہ کن لیکن سستی ترین جنگ ہے۔

فوج اور عوام کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنا

نئی نسل کی جنگ کا ایک آزمودہ حربہ عوام اور فوج کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنا ہے اس لئے کہ جب عوام اور فوج ایک دوسرے کی مخالف سمت میں کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس ملک کے اندر افراتفری پیدا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بڑی جنگیں ہمیشہ فوج اور عوام کے تعاون سے لڑی گئی ہیں۔ سٹالن گراؤ کے معرکہ میں روسی فوج نے جرمن فوج کو روسی عوام کی مدد سے شکست دی۔ تمام تر اسلحہ اور حکمت عملی کی برتری کے جرمن فیلڈ مارشل پالس کو پانچ ماہ، ایک ہفتہ اور تین دن کی گھمسان کی جنگ کے بعد ہتھیار ڈالنا پڑے اسلئے کہ روسی عوام اور روس کی فوج ایک جگہ اکٹھے تھے۔ جب فوج اور عوام ایک صف میں اکٹھا ہو جائیں تو وہ ناقابلِ تسخیر ہو جاتے ہیں اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی انہیں شکست نہیں دے سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نئی جنگ کے حربوں میں اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ وہاں کی عوام اور فوج کے درمیان غلط فہمیوں کو ہوا

اور سناک آپکھنچ کے ساتھ جڑی معیشت انتہائی کمزور اور ناتواں معیشت ہوتی ہے جسے کسی بھی وقت عالمی سرمایہ دار سٹ اور منڈی کو زیروز بر کر کے بکھیر سکتے ہیں۔ بحرانی حالات میں صرف خود انحصاری پر مبنی قومی معیشت ہی کام آتی ہے۔ اس لئے عالمی قوتوں کی یہ از حد کوشش ہوتی ہے کہ سہرے خواب دکھا کر اور اپنے ایجنٹوں کے نیٹ ورک کو استعمال میں لاتے ہوئے کسی ملک کی معیشت کو عالمی منڈی کی معیشت کے ساتھ منسلک کر لیا جائے۔ غیر ملکی قرضوں کے جال میں پھانس کر اس کی معیشت کو مسدود کر دیا جائے۔ اس کی معیشت کو سناک آپکھنچ کے ساتھ منسلک کر کے عالمی سٹ بازی کا حصہ بنا دیا جائے تاکہ جب جی چاہے اس ملک کی معیشت کا بھٹ بٹھا دیا جائے۔

پر تشدد عوامی احتجاج

دانشوروں، سولین اور عسکری افسر شاہی کے کارندوں، این جی اوز، قانون نافذ کرنے والے اداروں، مقامی جنگلی سردار اور کٹھ پتلی سیاستدانوں کو خرید کر دشمن ملک کے اندر مصنوعی سیاسی بحران پیدا کئے جاتے ہیں اور ناپسندیدہ حکومتوں کے تختے الٹے جاتے ہیں۔ یہ اربوں ڈالر کے غیر ملکی پراجیکٹ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سیاسی ہنگامہ آرائی اور خانہ جنگی کیلئے فضا ہموار کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یا تو اس ملک کی سامراج دشمن حکومت کو سبق سکھانا ہوتا ہے یا پھر اس ملک کی ریاستی حدود اور اقتدار اعلیٰ کو زیروز بر کرنا ہوتا ہے۔ سوڈان، عراق، شام اور لیبیا کے اندر ان ہی عناصر نے باہم متحد ہو کر خانہ جنگی کو جنم دیا۔ ان عناصر نے عالمی سامراج کی چھتری تلے ”عرب بہار“ کے نام پر انتہائی مضبوط حکومتوں کو ان کی جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا۔

این جی اوز کا غیر معمولی کردار

دشمن ملک میں سیاسی افراتفری پیدا کرنے کیلئے این جی اوز ”خاموش جنگ“ کا ایک انتہائی مؤثر ہتھیار ہیں۔ یہ ہتھیار اب تک کئی ممالک کے اندر سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کیلئے نہایت کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا چکا ہے۔ یہ دور جدید کی جنگوں میں بہت بڑا غیر عسکری ہتھیار ہے جس کی اہمیت کو کسی طور بھی کم کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ہر ملک میں ان این جی اوز کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کے ساتھ واسطہ لوگوں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنی اس افرادی قوت کو موبلائز کر کے کسی بھی حکومت کیلئے مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت مزید گھمبیر شکل اختیار کر جاتا ہے جب مقامی اور عالمی مافیاز بھاری بھر کم سرمایہ کے زور پر بہت سی دیگر شہری تنظیموں اور سیاسی عناصر کو اپنے ساتھ منسلک کر

لیتے ہیں اور میڈیا چینلز ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ چند ملکی اور مقامی سطح پر کام کرنے والی این جی اوز انسانیت کی بے بہا خدمت انجام دے رہی ہیں لیکن غیر ملکی سرمایہ سے چلنے والی اکثر این جی اوز غیر ملکی دشمن قوتوں کی آلہ کار ہیں۔ یہ اپنے اندر کسی بھی ملک کی ثقافتی اور اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے کے جراثیم لئے پھر رہی ہیں۔ ان میں سے بہت سی این جی اوز کاوروں پردہ سیاسی ایجنڈا ہوتا ہے۔ کچھ این جی اوز دشمن کیلئے جاسوسی کا فریضہ بھی انجام دیتی ہیں۔ اکثر این جی اوز کا اصل سرمایہ کار ایک ہی گروہ ہوتا ہے۔ وہ گروہ ان این جی اوز کو کسی ملک کے اندر ایک خاص قسم کی رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے اور بسا اوقات سیاسی عدم استحکام اور خانہ جنگی میں ملوث ہوتا ہے۔ یہ گروہ ان این جی اوز کے ذریعہ عوام کے اندر احتجاج اور ہنگامہ آرائی کا ماحول پیدا کرنے میں مدد لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ذریعہ اثر و رسوخ رکھنے والے دیگر گروہوں کو خرید کر ایک بڑی ہنگامہ آرائی کو جنم دیتے ہیں۔ ”عرب بہار“ کے نام پر پیدا کئے جانے والے سیاسی عدم استحکام اور خانہ جنگی میں ان این جی اوز نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

میڈیا پر قبضہ

میڈیا جدید دور کا خطرناک ترین جنگی ہتھیار ہے۔ میڈیا ایک خطرناک وائرس کی طرح انسانی ذہن کے اندر گھس کر اس کے سوچنے سمجھنے کے انداز اور رویوں کو تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا غیر مرئی وائرس ہے کہ اس کے شکار کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی سوچ اور رویوں میں کب اور کیسے تبدیلی واقع ہو گئی؟ میڈیا کا شکار انسان اپنے ان بدلے ہوئے رویوں کو قدرت کی کرشمہ سازی خیال کرتا ہے جب کہ وہ میڈیا کا کمال ہوتا ہے جو کسی آہستہ روزہر (Slow Poisoning) کی طرح آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو پر اثر انداز ہو کر اسے تبدیل کر دیتا ہے۔ انسانی ”ذہن کنٹرول (Mind Control)“ کرنے کی ٹیکنالوجی اب کافی ترقی کر چکی ہے۔ یہ ایک باقاعدہ سائنس ہے جس سے مغربی میڈیا بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے۔

تمام میڈیا ہاؤسز بڑے سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور سینکڑوں الیکٹرانک چینلز صبح و شام اپنے سامراجی آقاؤں کی خدمت بجالانے کیلئے خبروں کو سنسر کرنے، عوام کو گمراہ کرنے اور سامراجی مفادات کے تحفظ کیلئے عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا فریضہ انجام دینے میں لگے رہتے ہیں۔ میڈیا کا کام اب عوام کو بچ دکھانا نہیں بلکہ اپنے سرمایہ دار مالکان کی پالیسیوں کو عام کرنا اور جھوٹا پردہ پگندہ کرنا ہے۔ عالمی اور مقامی میڈیا کس قدر طاقتور ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے اندر سیاسی انتشار اور خانہ جنگی پیدا کرنے کیلئے سب سے پہلے امریکی سی آئی اے نے کویت کے مشہور چینل

”الجزیرہ“ کو خرید اور وہاں اپنی مرضی کی انتظامیہ اور اسٹکرز تعینات کئے۔ ان کے ذمہ یہی کام لگایا گیا تھا کہ وہ اس غیر ملکی مداخلت سے پیدا کئے گئے سیاسی فساد کو عوام اور جمہوریت کی فتح کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر لہنے کا پروپیگنڈہ کر کے مقامی اور عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرتے رہیں اور عوام کو یہ باور کرواتے رہیں کہ آمریت کے خلاف جمہوریت فتح حاصل کر رہی ہے۔ حالانکہ اربوں ڈالر کی بھاری سرمایہ کاری اور غیر ملکی مداخلت کے ذریعے یہ سیاسی انتشار پیدا کیا گیا تھا۔

عالمی میڈیا کے ذریعہ لوگوں کی برین واشنگ کر کے ان کے ذہن تبدیل کئے جاتے ہیں اور انہیں ذہنی طور پر ایک خاص مقصد کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ میڈیا چینلز پر مقامی اور عالمی سرمایہ دار گروہوں کا قبضہ ہے۔ عوام تک وہی اطلاعات پہنچتی ہے جو وہ پہنچانا چاہتے ہیں اور عوام وہی کچھ سمجھتے ہیں جو وہ سمجھانا چاہتے ہیں۔ ڈس انفارمیشن میڈیا کا خاصہ ہے۔ ہر انفارمیشن کچھ مفاد پرست گروہوں کی پھلنی سے گزر کر سامعین تک پہنچتی ہے۔ سچ چھپایا جاتا ہے اور جھوٹ اتنی بار بولا جاتا ہے کہ سننے والا اسے سچ سمجھنے لگتا ہے۔

جدید جنگ میں میڈیا ایٹمی ہتھیاروں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا کو ایک بڑے عوامی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ ریاستی اور غیر ریاستی عناصر دونوں ہی اس ہتھیار کا بھرپور استعمال کر رہے ہیں۔ ”ماسٹڈ کنٹرول“ کی سائنس میں میڈیا کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے چین نے بھی اس شعبہ میں سرمایہ کاری شروع کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے ”Wolf Warrior“ اور ”Operation Red Sea“ جیسی فلمیں بنانا شروع کی ہیں تاکہ اپنے عوام اور دنیا کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ان کے ذہنوں پر بھی اثر انداز ہوا جاسکے۔ چین نے اپنے شمالی شہر کوئنگ ڈاؤ (Qingdao) میں عالمی سطح کا فلم سٹوڈیو بنانے پر 8 بلین امریکی ڈالر کی خطیر رقم صرف کی ہے۔ چین اس سلسلہ میں ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کا معیار اپنانا چاہتا ہے۔ چین کی کوشش ہے کہ وہ عالمی میڈیا کا حصہ بن جائے۔ اس مقصد کیلئے وہ بھاری سرمایہ کاری کی جانب جا رہا ہے جو اس کی قومی بقا اور اطرافِ عالم میں پھیلی معیشت کے تحفظ کیلئے از حد ضروری ہے۔

میڈیا اب محض جیتا جا بجا جانے یا خبریں دینے کا آلہ نہیں رہا بلکہ عالمی جنگ کا حصہ بن چکا ہے۔ عالمی میڈیا چین کے خلاف تبت اور سکیمیاگ کے عوام کو مسلسل بھڑکا رہا ہے اور چین کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کر رہا ہے۔ ہانگ کانگ کے اندر لمبے عرصہ سے جاری رہنے والے مظاہرے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جنگ کے مظاہر ہر جگہ بدل رہے ہیں۔ ہانگ کانگ میں عالمی میڈیا کا اشتعال انگیز پروپیگنڈہ جلتی پرتیل کا کام کر رہا ہے اور چین کے خلاف مظاہرین کو مجتمع ہونے میں ان کی نفسیاتی اور اطلاقی

عد کر رہا ہے۔ ہانگ کانگ کے علاوہ دنیا کے دیگر خطوں میں بھی زیادہ تر جنگیں میڈیا کی بھڑکائی (Media Provoked) ہوئی ہیں۔

لڈل ہارٹ کہتا ہے کہ جنگ کا فیصلہ فوج کے سپاہیوں کے اجسام میں نہیں بلکہ فوج کے کمانڈروں کے ذہن کے اندر ہوتا ہے۔ اگر وہ ذہنی طور پر اپنے آپکو کمزور اور شکست خورہ اور دشمن کو اپنے سے طاقتور تسلیم کر لیں تو ان کی شکست یقینی بن جاتی ہے۔ فوج کے کمانڈروں اور سیاستدانوں کا یہ ذہن دشمن کے رویوں کے وجہ سے نہیں بلکہ اپنے عوام اور میڈیا کی رائے سے متاثر ہو کر بنتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے میڈیا جھنڈو اور صحافی امریکی سی آئی اے اور اسرائیلی سوساد کے پے رول پر ہیں۔ اس صدی کی جنگ کا اہم ترین پہلو اس کا نفسیاتی اور ثقافتی پہلو ہے۔ جنگ کے نفسیاتی پہلو پر سن ترو نے بہت خوبصورت بات کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"War is a moral contest, they are won in temples long before they are ever fought". (Sun Tzu, Art of War)

ترجمہ: "جنگ ایک اخلاقی جدل ہے۔ یہ جنگ کے شروع ہونے سے بہت قبل مندروں کے اندر جیتی جاتی ہے۔"

حیرانی کی بات ہے کہ چین اور روس دونوں جدید اسلحہ کے لحاظ سے سپر پاور بن گئے مگر انہوں نے میڈیا کے معاشی اور جنگی کردار کی جانب کوئی مناسب توجہ مبذول نہیں کی جس کا اب انہیں نقصان ہو رہا ہے۔

(VI) تہہ در تہہ پردوں کے پیچھے چھپا دشمن

عالمی سامراج "نیو ورلڈ آرڈر" کے تحت ایک عالمی حکومت قائم کرنے کیلئے بھرپور طریقہ سے دنیا پر حملہ آور ہو چکا ہے لیکن وہ قوتیں جو سامراج دشمن ہیں یا جن کے ملکی یا تہذیبی مفادات عالمی سامراج سے متصادم ہیں ابھی تک نہ تو اپنے ناپید دشمنوں کو پہچان پا رہے ہیں اور نہ ہی میدان جنگ کا تعین کر پا رہے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ نہیں پا رہے کہ اس جنگ میں کون سے ہتھیار استعمال کرنے ہیں۔ وہ ابھی تک دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کے ہتھیاروں سے اپنے آپکو لیس کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ دشمن کے ہمسایہ کے بچوں کو مار کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے دشمن پر ضرب کاری لگائی ہے۔ کسی جگہ پر ایک یا ایک سے زائد دہشت گرد حملوں کے نتیجے میں دشمن کا کیا بگڑے گا؟ امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی بھی تین ہزار بیگانہ لوگ مارے گئے جن کا اس جنگ کے ساتھ براہ راست یا باواسطہ کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس کے نتیجے میں امریکی

سناک ایک پیچھے صرف چار دن بند رہی۔ کیا اس سے امریکہ ختم ہو گیا یا اس کا کوئی بہت بڑا نقصان ہو گیا؟ عالمی سرمایہ داروں کو اس سے کیا نقصان پہنچا؟ صاف ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں تو پھر ایسی جنگی بیہودگی کا کیا فائدہ؟ اگر پیٹنا گان کا کوئی حصہ تباہ ہو بھی جاتا تو بلند ٹگ کا وہ حصہ دوبارہ تعمیر ہو جاتا۔ دشمن کو اس سے کس قدر نقصان پہنچ سکتا تھا؟

مسلم خانہ جنگیوں کے ذریعہ ملکوں کی علاقائی حدود کے اندر تبدیلیاں، ان کے قدرتی وسائل پر قبضہ اور ان کی لوٹ مار اور اقتدار اعلیٰ کے خاتمہ کے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ عالمی سامراج نے اپنے آپکو امریکہ، یورپی ممالک اور نیو کی فوجوں کے پیچھے چھپایا ہوا ہے۔ یہ تمام قوتیں باہم متحد ہو کر عالمی صیہونی سامراج کیلئے دنیا کے اندر جنگیں لڑ رہی ہیں۔ یہ جنگیں امریکہ اور یورپی ممالک اپنے عوام کے ٹیکس اور عالمی ساہوکاروں کے بڑی شرح سود پر لئے گئے قرضوں کے ذریعہ لڑ رہے ہیں۔ صیہونی سامراج کیلئے یہ جنگیں لڑتے لڑتے امریکہ نڈھال ہو گیا ہے۔ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم کے بعد لاکھوں کی تعداد میں اپنے فوجی مردائے۔ اربوں ڈالر کا خسارہ برداشت کیا۔ بائیس ٹریلین ڈالر کا مقروض ہو گیا۔ معاشی حالت بگڑنے پر اب ایک بڑی خانہ جنگی کے دہانے پر جا کھڑا ہوا ہے۔

صیہونی سامراج یورپی اور امریکی حکومتوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ صیہونی سامراج کے مفادات کیلئے شروع کی گئی ان عالمی جنگوں سے امریکی اور یورپی عوام بری طرح تنگ آ چکے ہیں اور لڑنے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس کے خلاف شدید ردِ عمل کے خطرہ کے پیش نظر عالمی سامراج نے ”کرایہ کی فوجوں“ کا نیا نسخہ تلاش کیا ہے۔ یہ وہی پرانا آزمودہ نسخہ ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے آج سے تین سو سال قبل ہندوستان کے اندر آزمایا تھا۔ یعنی چند ہزار انگریز افسروں کی ماتحتی میں لاکھوں مقامی ہندوستانی لوگوں کو تنخواہ پر بھرتی کر کے اور مقامی جنگجو سرداروں (جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں) کو ساتھ ملا کر آزادی پسندوں کی ”بغاوتوں“ کو کچلا جائے۔

تھوڑی سے رد و بدل کے ساتھ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسی سابقہ آزمودہ نسخہ کو دوبارہ دہرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سابقہ نسخہ کے وقت عالمی ملٹری کارپوریشنز وجود نہیں رکھتی تھیں۔ اب مقامی اشرافیہ اور مقامی جنگجو سرداروں کے ساتھ ان ملٹری کارپوریشنز کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں عالمی جنگی سرداروں کی ماتحتی میں جنگ کو مختلف علاقوں اور مختلف سیکٹرز کے اندر تقسیم کر کے پرائیویٹائز کر دیا گیا ہے اور جنگجوؤں کے مختلف ذہنوں کو ٹھیکہ پر دے دیا گیا ہے۔ اس نئی منصوبہ بندی کے تحت عالمی جنگجو اپنی پرائیویٹ ملوی کارپوریشنز کے ذریعہ مقامی اشرافیہ، مختلف جرائم پیشہ گروہوں اور دیگر ممالک سے بھرتی

کر کے لائے گئے کرایہ کے فوجیوں کے ذریعے سامراج دشمن قیادت کے خلاف صف بندی کرتے ہیں۔ ان کی رہنمائی اور تربیت کیلئے دنیا کے مختلف کونوں سے انتہائی تربیت یافتہ کرایہ کے فوجی کمانڈر لائے جاتے ہیں اور چند درجن امریکی یا یورپی افسران کی زیر نگرانی ان طے شدہ جنگوں کے مشن مکمل کئے جاتے ہیں۔ عالمی اور مقامی زر خرید میڈیا رات دن سامراج دشمن قیادت کے خلاف عوامی ذہن کو پراگندہ کرنے کیلئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ بڑے بڑے جبہ پوش اور عوامی اثر و رسوخ کے حامل مذہبی رہنما اور سیاستدان انتہائی بھاری قیمت پر خرید لئے جاتے ہیں اور ان سے سامراج کی خدمت گزاری کا کام لیا جاتا ہے۔

گویا عالمی سرمایہ داروں نے امریکہ اور یورپی ممالک کو ڈھال بنایا اور اب ان ممالک نے تیسری دنیا کے غریب عوام کو کرایہ پر خرید کر بطور ڈھال استعمال کرنا شروع کر دیا تاکہ امریکہ اور یورپ کے اندر کسی بڑے سیاسی رد عمل سے بچا جاسکے۔ اب جنگیں عالمی صیہونی سرمایہ دار کے مفادات کیلئے لڑی جا رہی ہیں۔ پیسہ اور اسلحہ امریکہ اور یورپی ممالک دے رہے ہیں اور خون تیسری دنیا کے کرایہ پر لئے گئے سپاہیوں کا بہہ رہا ہے۔ مریں گے تو کرایہ کے فوجی مرینگے۔ ان کا تو کوئی نہیں مرے گا۔ اسلحہ کی ان کے پاس کوئی کمی نہیں ہے اسلئے کہ ان کی فیکٹریاں صبح شام انتہائی جدید اسلحہ کے ڈھیر لگا رہی ہیں۔ سرمایہ امریکی اور یورپی عوام کا لگے گا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ وہ آپکو مار رہے ہیں اور آپ ان تک پہنچ نہیں پارہے اور ان کی جگہ بیگناہ لوگوں کو مار کر اپنے خلاف عوامی رد عمل اکھٹا کر رہے ہیں۔ بے گناہ اور غیر متعلقہ لوگوں کو مارنے سے نہ تو حقیقی دشمن کو کوئی نقصان پہنچے گا اور نہ ہی جنگ کی گرمی ان کے گھروں تک جائے گی۔ اگر کوئی دہشت گرد روہ کسی غیر ملکی بینک کو اڑا دیتا ہے تو اس سے عالمی سرمایہ داروں کو کیا نقصان پہنچے گا۔ مقامی ملازمین مارے جائینگے۔ مالک مکان کی بلڈنگ تباہ ہو جائے گی۔ بینک مالکان کا تو کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ نہ ان کا کوئی عزیز مرے گا اور نہ ہی ان کا کوئی مالی نقصان ہوگا اسلئے کہ بینک کے سارے اثاثے اور کیش تک انشورڈ ہیں اور انشورنس کمپنیاں اس نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ تو پھر ایسی احمقانہ کارروائیوں کا کیا فائدہ جس میں تمہارے بیگناہ ہموطن مارے جائیں اور دشمن کا ایک ٹکے کا بھی نقصان نہ ہو؟

جنگ کے یہ پہلو پہلے بھی کامیاب فاتحین کے زیر غور رہے ہیں اور وہ اس کو استعمال بھی کرتے رہے ہیں مگر اب یہ پہلو محض جنگ کے ”حاشیہ“ کا حصہ نہیں رہے بلکہ جنگ کا مرکزی حصہ بن گئے ہیں۔ عوامی بیداری اور میڈیا کی حکمرانی کے دور میں اس میں کامیابی حاصل کئے بغیر کوئی جنگ جیتنا محال ہے۔ اب

جنگ کی اس شکل نے باقاعدہ سائنس کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نئی نسل کی جنگ سیاسی، اقتصادی، نفسیاتی، ثقافتی، مذہبی اور فوجی حکمت عملی کا ایک مربوط اور جامع مرقع ہے جسے لڑنے کیلئے ایک نئی تربیت اور بالکل نئے مائنڈ سیٹ کی ضرورت ہے۔ اب جنگ کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے اور اسے صرف اسلحہ بارود کے کھیل تک نہیں چھوڑا جاسکتا۔ جدید جنگ جیتنے کیلئے کسی بھی ملک کی فوجی اسٹریٹجی کو ڈیجیٹل اور الیکٹرانک جنگ کے ساتھ خاموش اور غیر عسکری جنگ کیلئے انفارمیشن ٹیکنالوجی، سیاسی معاشیات اور ثقافتی جنگ کے ماہرین پر مشتمل نئے بریگیڈ تشکیل دینا ہونگے جو نئی جنگ میں حاشیہ پر نہیں بلکہ مرکزی ہر اول دستہ کا کردار ادا کریں گے۔

اکیسویں صدی کی جنگیں ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال سوویت روس کی شکست و ریخت ہے جہاں بغیر کسی میدان جنگ کے اور بغیر کوئی گولی چلے روسی سپر پاور سات ہزار ایٹمی ہتھیاروں، بین الہر اعظمی اور لیزر گائیڈڈ میزائلوں کی بڑی کھیپ، بھاری بھر کم اسلحہ اور ایک بڑی فوج کی موجودگی میں ”اچانک“ پندرہ مختلف النوع ریاستوں میں ٹوٹ کر بکھر گیا اور سرخ فوج دیکھتی رہ گئی۔ کیا کوئی دوسری اور تیسری جزییشن کے طریقہ جنگ کا ماہر جرنیل اس ”الیاتی کہانی“ کا تجزیہ کرنا پسند کریگا؟ بہر طور کوئی مانے یا نہ مانے ایک بات ثابت ہے کہ انڈوس کے طریقہ جنگ کا زمانہ ختم ہو چکا۔ اب جنگ صرف اکیلے پیشہ ور جرنیلوں کے بس کی بات نہیں رہی بلکہ اس کی جگہ نہ صرف جدید جنگ کے طریقے اپنانے کی ضرورت ہے بلکہ عوام کو اس جنگ میں شامل کرنا بھی از حد ضروری ہے۔ عوام دشمن عالمی سامراج کی دم چھل افسر شاہی اور مقامی جنگجو سرداروں سے پرے ہٹ کر عوام کو ریاستی معاملات میں شراکت دار بنانا ہوگا ورنہ پیشہ ور جرنیل یہ جنگیں ہار جائیں گے۔ عوام کی بھر شمولیت کے بغیر کوئی بھی جنگ نہیں جیتی جاسکتی۔ فوج اور عوام کے اندر یکا نگت اور ایک نظریاتی ہم آہنگی کا احساس ہی آج کی جنگ میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہ نئی نسل کی عوامی جنگوں کا ہی ”کرشمہ“ ہے کہ تمام تر بڑی جنگی مشینری کے باوجود سرخ روس کو افغانستان اور امریکہ کوویتنام اور افغانستان دونوں سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنی تمام تر ہیبت ناک کی باوجود روس کی جنگی مشینری چھوٹا اور گرد زنی کے چھوٹے سے علاقہ کو فتح کرنے میں ناکام نظر آتی ہے۔

آج کی دنیا میں آپ دیواریں تعمیر کر کے نہیں رہ سکتے۔ دشمن آپ کے اندر ہمہ وقت موجود ہے اور آپ کو بھی ہمہ وقت دشمن کے اندر موجود رہنا ہے۔ آپ کو چوبیس گھنٹے حالت جنگ میں رہنا ہے۔ آپ کو دشمن کے علاقہ میں اپنے ”ٹروجن ہارس“ تلاش کرنے ہیں۔ عالمی سرمایہ داروں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اقوام متحدہ کے ذریعہ ایران، شمالی کوریا اور کیوبا کے خلاف معاشی پابندیوں کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا

ہے۔ یہ بالکل نئی قسم کی جنگ ہے۔

گلوبلائزیشن کی طرح جنگ بھی گلوبلائز ہو چکی ہے۔ ہم جنگ کو ماضی کی طرح ملکی یا علاقائی سرحدوں کے اندر بند نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر 22 فروری 2020 کو اسرائیل نے ہندوستان کے ساتھ ملکر اپنے جنگی جہازوں اور پائیکوں کے ساتھ پاکستان پر حملہ کر دیا حالانکہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان نہ تو کوئی سرحد مشترک ہے اور نہ ہی کوئی علاقائی جھگڑا ہے۔ یہ ایک نظریہ کی دوسرے نظریہ سے ریاستی سرحدوں سے بالاتر جنگ ہے جو بدلتی ہوئی عالمی سیاست کا مظہر ہے۔ اسی بارے میں مارٹن وین کری ویلڈ کہتا ہے:

"As frontiers go, so will territorial States. All of which is to say that the tail wags the dog by as much as the dog wags the tail. To the extent that war is indeed the continuation of politics, radical shifts in war will inevitably be followed by important changes in politics"

ترجمہ: "سرحدوں کے ختم ہونے سے علاقائی ریاستوں کا وجود بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کتنا دیرم کو ہلاتا ہے دم بھی کتے کو اتنا ہی ہلاتی ہے۔ جنگ سیاست کا تسلسل ہے۔ جنگ اور سیاست میں ہونے والی تبدیلیاں لازمی طور پر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوں گی۔"

اگر جنگ گلوبلائز ہو چکی ہے تو پھر جتنے کیلئے حکمت عملی بھی گلوبلائز ہی چاہیے۔ گلوبلائزڈ جنگ مقامی یا علاقائی کھلاڑیوں کے ذریعہ نہیں لڑی جاسکتی۔ ایسی جنگ میں شکست یقینی ہے۔ اس شکست سے بچنے کیلئے ماضی کے کلاز وٹین طریقہ جنگ سے باہر نکلنا ہوگا اور نئی جنگی حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔ اس سلسلہ میں "خاموش جنگ" شروع کی جاتی ہے جو کہ دشمن کے علاقے کے اندر رہ کر اس کی آبادی میں لڑی جاتی ہے اور اس کے "سپاہی" دشمن کے علاقے سے ہی بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس کیلئے ایک انتہائی مربوط اور تہہ در تہہ انٹیلی جنس کا نظام ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس جنگ کے فریقین پردہ کے پیچھے چھپے ہوتے ہیں اور ان کی "کھپتلیاں" میدان میں سیاسی، عسکری، اقتصادی اور ثقافتی کرتب دکھا رہی ہوتی ہیں۔ یہ اسلحہ کے استعمال کے بغیر جنگ ہوتی ہے جس میں لڑے بغیر دشمن کو زیر کر لیا جاتا ہے۔

ہر دور کی جنگ اپنے عہد کے شعور کی قیدی ہوتی ہے۔ ہر دور کے کماندار سابقہ جنگوں کے تجربہ کی بنیاد پر اس میں جدت طرازی کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ابھی تک جنگوں کی اقسام کے پر فریب نعروں کے آسیب میں مبتلا ہیں مگر ماضی کے پیچھے میں قید ہیں۔ شوق پورا کرنے کیلئے یا انصافی اصطلاحات کو بہتر کرنے کیلئے ان جدید جنگوں کو چاہے آٹھویں یا سوویں نسل کی جنگیں کہہ لیا جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ حقیقت

اپنی جگہ برقرار رہے گی کہ یہ سابقہ یعنی پہلی نسل کی جنگوں کا ہی تسلسل ہیں۔ اس وقت القائدہ، حزب اللہ، داعش یا دیگر عسکری گروہ جو جنگیں لڑ رہے ہیں وہ تھوڑی بہت اختراع کے ساتھ سابقہ جنگوں کا ہی تسلسل ہیں۔ یہ جنگیں ایک محدود علاقہ کے اندر رہ کر لڑی جا رہی ہیں۔ جدید اسلحہ کے دور میں دو چار سو مربع میل کے علاقہ کا محض چند ایٹمی یا کچھ بڑے تباہ کن روایتی ہتھیاروں سے صفایا کیا جاسکتا ہے لہذا ان کے ناقابل تخیل ہونے کے سبب دعوے محض خود فریبی اور کم عقلی کی پیداوار ہیں۔ کوئی بھی ”مایوس دشمن“ ایک خاص علاقہ کے اندر مقید گوریلا اڈوں کو دو چار بڑے ہتھیاروں کا استعمال کر کے صفحہ ہستی سے معدوم کر سکتا ہے۔ دشمن سفاک ہے۔ ہیر و شیماء اور ناگاساکی مثالیں سامنے ہیں۔ روایتی جنگ اب اپنی آخری سٹیج پر ہے۔ مارٹن وین کری ویلڈ اس کے بارے میں کہتا ہے:

"Like a man who has been shot in the head but still manages to stagger forward a few paces, conventional war may be at its last gasp".

ترجمہ: ”روایتی جنگ کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے سر میں گولی لگ جائے لیکن وہ پھر بھی چند قدم آگے کو چلا جائے۔ روایتی جنگ اپنے آخری سانس گن رہی ہے۔“

(VII) اگلی جنگ کون جیتے گا؟

زمانہ قبل از مسیح کا مشہور ماہر حرب سن تھو کہتا ہے:

”اگر تم اپنے آپکو اور دشمن کو اچھی طرح سمجھ لو تو تم ہزار ہا جنگیں بلا خوف و خطر لڑ سکتے ہو۔ جو اپنے آپ کو تو سمجھتا ہے مگر اپنے دشمن کو نہیں سمجھتا وہ چند جنگیں جیت سکتا ہے اور جو نہ تو اپنے آپکو سمجھتا ہے اور نہ ہی اپنے دشمن کو سمجھتا ہے تو اس کی شکست یقینی ہے۔“

اگلی جنگ وہی جیتے گا جو مستقل جائے گا اور زمانہ امن میں اس کیلئے بھرپور تیاری کرے گا۔ دشمن کی پہچان، میدان جنگ کا تعین، اہداف کی نشاندہی، معیاری اور جدید ترین اسلحہ اور لاجسٹک کی سپلائی کا خاطر خواہ بندوبست اس قبل از وقت جنگ کی تیاری کے لازمی جزو ہونگے۔ برق رفتاری، مجتمع طاقت کا استعمال، صحیح ہدف اور درست وقت کا انتخاب اس جنگ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

اکیسویں صدی کی جنگ کے لئے عسکری اور غیر عسکری ہتھیاروں کی زمانہ امن میں تیاری اور دشمن کو بے خبر رکھ کر اس کے اثاثوں کا خاتمہ اس جنگ کو جیتنے کے بنیادی عناصر ترکیبی ہیں۔ مستقبل کی جنگ عسکری اور غیر عسکری ہتھیاروں کے ملاپ کی ایک ہائبرڈ (Hybrid) قسم ہوگی۔ عسکری محاذ پر ڈیجیٹل، خلائی، الیکٹرومیکینیک، لیزر اور الیکٹرونک ٹیکنالوجی اور غیر عسکری محاذ پر دشمن ملک کے اندر نہ بچھنے والی فسادات کی

آگ اور مستقل خانہ جنگی اس نئی جنگ کے فیصلہ کن ہتھیار ہوں گے۔ ان ہتھیاروں کی نوعیت سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کو کس قدر پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یہ نئی جنگ حرکی اور غیر حرکی جنگوں کا مجموعہ ہوگی۔ یہ ہر جگہ اور ہمہ وقت لڑی جائے گی۔ اس کیلئے ہمہ وقت جاگنا ہوگا اور دشمن کے علاقوں اور عوام کے اندر داخل ہو کر یہ جنگ لڑنا ہوگی۔ سابقہ نسلوں کی جنگوں کے کھلاڑی عراق کے صدام حسین کی طرح ذلت آمیز طریقہ سے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

دنیا ایک بہت بڑے سیاسی عدم استحکام کا شکار ہونے جا رہی ہے جس میں موجودہ وقت کی بہت سی بڑی ریاستوں کے انتظامات درہم برہم ہو کر رہ جائیں گے اور ان کی جگہ نئے ریاستی اور غیر ریاستی کھلاڑی آگے آئیں گے۔ مصنوعی ذہانت، 5-G، ٹیکنالوجی، جدید جنگی طریقہ کار اور پیداواری ٹیکنالوجی میں انقلابی تبدیلیاں دنیا کے پوری معاشی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کرنے جا رہی ہیں۔ یہ دنیا سے کروڑوں انسانوں کے روزگار کا خاتمہ کر دیں گی۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سیاسی عدم استحکام متحارب قوتوں کیلئے ایک بڑا میدان جنگ ثابت ہوگا اور اس کیلئے متحارب گروہوں کو وقت سے پہلے اپنے اہداف اور ان کیلئے مناسب ”ہتھیار اور رسل و وسائل“ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ معاشی تنازعے کے نتیجے میں پیدا ہونے والا یہ بڑا بحران ترقی پذیر کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک کے اندر بھی لسانی، نسلی اور مذہبی تضادات کو تیز کر کے بحران کو ایک مسلح جنگ میں تبدیل کر دیگا۔

قوی ریاستوں کے پاس بے پناہ مالی اور افرادی وسائل ہوتے ہیں۔ اگر ان کو مجتمع کر کے استعمال میں لایا جائے تو سامراج کے خلاف قیامت برپا کی جاسکتی ہے۔ اس سے بڑے میڈیا ہاؤسز قائم کئے جاسکتے ہیں۔ صرف کسی بھی جگہ پر دو ایکڑ کا کمرشل پلاٹ فروخت کر کے اس سے دس ارب روپیہ کمایا جاسکتا ہے اور اس رقم سے عالمی سطح پر ایک بڑی گوریلا جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ چند ہاؤسنگ سوسائٹیز یا محض ایک نیا شہر آباد کر کے اس کے کمرشل پلاٹ بیچ کر دس بڑی گوریلا جنگیں لڑی جاسکتی ہیں۔ جنگی فنڈ کے نام پر اربوں روپیہ اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔ کسی ایک فارمیٹنگ کمپنی یا کارڈر آمد کرنے والی کمپنی سے اربوں ڈالر وصول کئے جاسکتے ہیں۔ قوی ریاستوں کے پاس سرمایہ کی کوئی کمی نہیں ہے۔ تیسری دنیا (خاص طور پر اسلامی دنیا کے بیشتر ممالک) کے پاس بے پناہ بیروزگار افرادی قوت موجود ہے۔ نوجوانی میں فوج سے ریٹائرمنٹ لینے والے بے پناہ اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تربیت یافتہ لڑاکا فوجی اور انسٹرکٹرز موجود ہیں۔ ایک بڑی پرائیویٹ فوج کی تشکیل چند ہفتوں کا کھیل ہے جو پوری دنیا کے اندر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتی ہے۔ جدید جنگوں کی اس دنیا میں کوئی ملک بھی ناقابلِ تسخیر نہیں ہے۔ ہر ملک مختلف النوع تضادات سے بھرا

پڑا ہے۔ یورپ اور امریکی نسلی تصادم سے پہلو تہی کر کے نہیں گزرا جاسکتا۔ یورپ امریکہ کی جنم بھومی ہے۔ امریکی سفید فام نسل اپنی تاریخ یورپ سے مستعار لیتی ہے۔ دونوں عیسائیت کی اجتماعی اقتدار کے پاسبان ہیں۔ یورپ کے اندر صیہونیت دشمنی کی ہزار سالہ تاریخ ہے۔ یورپ کے اندر مذہبی اور نسلی تفاوت اب بھی بہت زیادہ ہے اور یہی صورت حال امریکہ کی ہے۔ جلد یا بدیر امریکہ اور یورپی ممالک کے اندر سفید فاموں کی نسلی تحریکیں جنم لیں گی جو اپنی اپنی روح کے اندر صیہونیت دشمنی لپیٹے ہوئے ہوں گی۔ یورپ اور امریکہ اس وقت ایک بڑے معاشی بحران کی جانب بڑھ رہے ہیں جو ایک بڑی پیروزگاری اور معاشی تباہ حالی کو جنم دے گی۔ ان حالات میں امریکہ اور یورپ کے اندر ان ممالک کی سفید فام نسلیں جارحانہ اقدام کی جانب بڑھ کر عالمی صیہونیت پر حملہ آور ہو سکتی ہیں۔ سفید فام تحریکیں سرمایہ دارانہ تسلط کے خلاف ایک اندوہناک جنگ شروع کر سکتی ہیں صرف ان کو سمت اور قیادت کی ضرورت ہے۔ عالمی صیہونیت بڑے ہی شاطرانہ انداز سے میڈیا پروپیگنڈہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپ اور امریکہ کے جارحانہ رویوں کا رخ عالم اسلام کی طرف موڑے ہوئے ہے حالانکہ دونوں کا مشترکہ دشمن ایک ہی یعنی عالمی صیہونیت ہے۔

امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کے بڑوں نے ایک بڑی دولت غلاموں کی تجارت کے ذریعہ کمائی ہے۔ یہ افریقہ سے غلام پکڑ کر لاتے اور منڈیوں کے اندر انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کرتے تھے۔ نسل پرستی اور کالوں کو گھٹیا اور حقیر سمجھنا مغرب کے ثقافتی ڈی این اے (Cultural D.N.A) کا حصہ ہے۔ وہ ان کی ذہنی ساخت میں اس حد تک راسخ ہو چکا ہے کہ وہ نسلی تفاخر ختم کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دینگے۔ لہذا یورپ (خاص طور پر امریکہ) کے اندر سفید فام اور سیاہ فام باشندوں کے درمیان مسلح تصادم کو اس وقت دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ امریکہ اور یورپی ممالک عالمی صیہونی سامراج کا ہر اول دستہ ہیں۔ اگر امریکہ کی عالمی منڈیاں بند ہو جائیں یا وہاں نسلی تصادم مسلح شکل اختیار کر جائے تو امریکہ بکھر جائے گا۔ امریکہ کے بکھرنے سے عالمی صیہونی سامراج کا ہر اول دستہ ٹوٹ جائیگا۔ اس کے بعد اس کی واحد طاقت پرائیویٹ ملٹری کارپوریشنز کے مسلح دستہ رہ جائینگے جو عالمی انقلاب کے اندر خش و خاشاک کی مانند بہہ جائینگے اور یہودی کی عالمی بادشاہت کا خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔

سامراج نے دنیا کے اندر ایک لامتناہی اور دیر پا جنگ شروع کر دی ہے جس کے فوری خاتمہ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو شاید کئی نسلوں تک جاری رہے۔ مشہور عسکری سائنسدان سین میک فیٹ (Sean McFate) کہتا ہے:

"Future wars will not begin and end; instead, they will hibernate and smoulder".

ترجمہ: ”مستقبل کی جنگوں کا آغاز اور اختتام نہیں ہوگا۔ وہ اندر ہی اندر سلگتی اور دم پخت ہوتی رہیں گی۔“

پہلی جنگ عظیم کے وقت برطانوی سیکرٹری خارجہ سرائڈورڈ گرے نے کہا تھا:

”The lamps are going out all over Europe, we shall not see them lit again in our life-time“.

ترجمہ: ”پورے یورپ کے اندر روشنیاں گل کر دی گئی ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں انہیں دوبارہ جگمگاتا نہ دیکھ سکیں گے۔“

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایک لامحدود جنگ شروع ہو چکی ہے اور اس میں ہماری اپنی خواہشات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ہم ایک دفاعی جنگ کا حصہ ہیں۔ عالمی سطح پر لڑی جانے والی یہ جنگ ایک بڑی جنگ ہے مگر بد قسمتی سے ترقی پذیر ممالک کے طول و عرض میں پھیلی ناعاقبت اندیش سیاسی قیادت اور ان کے دوسری اور تیسری نسل کی جنگوں کے ماہر پیشہ ور جنرل اس جنگ کے مقابلہ میں ذہنی اور تجربہ کے اعتبار سے بہت چھوٹے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کی جیت کا زیادہ تر انحصار ریاستی کی بجائے غیر ریاستی کھلاڑیوں کی کارکردگی اور عزائم کی پختگی پر ہے۔

شائد یہ جنگ بہت طویل ہو یا پھر بہت ہی مختصر۔ شائد ہم اس جنگ کو دیکھ سکیں یا شائد نہ دیکھ سکیں۔ بہر طور نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اس جنگ کا حصہ ہیں اور اس میں اپنی طرف سے حصہ ڈال سکتے ہیں۔ اگر ہم اس جنگ کے فاسل راؤنڈ کو نہ بھی دیکھ سکیں تب بھی ہم اپنے پیچھے ایسی شاندار روایات (Legacy) چھوڑ سکتے ہیں جو ایک طویل عرصہ تک دشمن کو ہمارے زندہ ہونے کی یاد دلاتی رہیں۔

10

عصر حاضر کے نظریات کا تقابلی جائزہ (مستقبل کا نظریاتی جدل)

انسان نے انسان کو فتح کرنے کیلئے آج تک جتنے بھی ہتھیار دریافت کئے ہیں جھوٹ (میڈیا) اور نفرت (تشدد۔ جنگ) ان سب میں کمزور ترین ہتھیار ہیں۔ کسی بھی برتر نظریہ کو محض تشدد اور ہتھیاروں کی جنگ کے ذریعہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ آتشیں اسلحہ نظریہ کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ انجام کار بدوقت کو ایک سچے اور برتر نظریہ کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑتے ہیں۔ میڈیا اور تشدد کی طاقت بجا لیکن یہ ہمیشہ محض عارضی ثابت ہوتی ہے۔ انسانی جبلت کو نہ تو غیر معینہ عرصہ کیلئے طاقت کے زور پر دبایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہمیشہ کے لئے محض میڈیا پروپیگنڈہ سے گمراہ رکھا جاسکتا ہے۔ آخر کار انسان کی تاریخی اور ثقافتی جبلت میں چھپی ابدی سچائیاں جھوٹ، فریب، ریاکاری اور غیر منصفانہ نظام کی قوتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”حق آیا اور باطل مٹ گیا اسلئے کہ باطل کو بالآخر مٹنا ہی ہوتا ہے۔“

(سورہ الاسراء آیت نمبر 81)

انسان اپنی نفسیاتی ساخت کے اعتبار سے اپنی روحانی بالیدگی چاہتا ہے اور بہتر زندگی گزارنے کیلئے ایک منصفانہ اور متوازن معاشرہ کا وجود چاہتا ہے۔ انسانی جبلت ہمیشہ ایک بہتر اور زیادہ منصفانہ معاشرہ کی کھوج میں رہتی ہے اور موقع ملے ہی جبر اور تشدد سے لاگو کئے گئے ضابطوں کے خلاف بغاوت کر کے ان سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کرتی ہے۔ کسی غیر منصفانہ نظریہ کو محض پروپیگنڈہ کے زور پر انسانی ذہنوں کے اندر راسخ نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ یہ انسان کی ثقافتی اور نفسیاتی جبلت (Cultural & Psychological DNA) سے براہ راست متصادم ہے۔ ایک منصفانہ اور متوازن نظریہ ہی برتر اور سچا نظریہ ہوتا ہے اور وہی ایک غیر منصفانہ اور غیر متوازن نظام کو شکست فاش سے دوچار کرتا ہے۔ ایک برتر نظریہ حیات کبھی سمجھوتہ نہیں

کرنا بلکہ وہ پوری دنیا کے سامنے چیخ کر کہتا ہے کہ ”صرف میں سچا ہوں اور میرے علاوہ سب غلط ہیں۔“

اس وقت اسلام، سرمایہ داری (Capitalism) اور اشتراکیت (Marxism) بطور الگ نظریہ کے دنیا میں اپنی برتری کے دعویٰ دار ہیں۔ سیکولرزم کوئی معاشی نظریہ تو نہیں ہے مگر سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کی بنیاد میں شامل ہے لہذا ہم اس کو بھی اپنی بحث کا حصہ بنائیں گے۔ اگرچہ سرمایہ داری اشتراکیت معاشی نظام ہونے کے دعویدار ہیں مگر حقیقت میں یہ الگ سے نظام زندگی ہیں جن کا اپنا علیحدہ کلچر اور سماج ہے۔ سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام نہ صرف جداگانہ اخلاقی اقدار کے مالک ہیں بلکہ اپنے جداگانہ نوعیت کے سماج کی بھی تشکیل کرتے ہیں۔ چند نقاط میں ان تینوں نظاموں کے اندر ظاہری مشابہت نظر آسکتی ہے مگر یہ محض فریب نظر ہے۔ اسلئے کہ اپنے آخری تجزیہ میں یہ سب نظریات ایک دوسرے سے الگ اور متضاد خصوصیات کے مالک ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے اندر گڈمڈ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس باب میں ہم اسلام، سرمایہ داری، اشتراکیت اور سیکولرزم کا تقابلی جائزہ لینگے۔ شروع میں ہم ان تمام نظریات کا مختصر خلاصہ پیش کریں گے اور آخر میں ان کا تقابلی جائزہ لیں گے۔

سیکولرزم

بظاہر بے ضرر اور ”غیر سیاسی“ نظر آئیوا! سیکولرزم کا نظریہ یہودی فکر کی وہ خطرناک ترین ایجاد ہے جس نے کہ خدائی احکامات اور مذہبی اخلاقیات کو ریاستی معاملات سے علیحدہ کر کے ایک ”بے دین ریاست“ کی بنیاد رکھی۔ سیکولرزم ہی وہ مرکزی دروازہ ہے جس کے ذریعہ سے یہودی عالمی سیاست میں داخل ہوئے اور انہوں نے دنیا کی معیشت اور سیاست پر قبضہ کیا۔ انقلاب فرانس سے قبل یہودی کو سوائے پولینڈ کے دنیا کے کسی ملک میں حقوق شہریت حاصل نہ تھے۔ انقلاب فرانس سے قبل یہودی عالمی معیشت اور سیاست کے حاشیوں پر ایک اجنبی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انقلاب فرانس نے یہودیوں کے لئے سب ملکوں میں شہریت کے دروازے کھول دیئے اور وہ پوری دنیا میں برابر کے شہری بن بیٹھے اور یہی سے عالمی تباہی کا آغاز ہوا۔

انقلاب فرانس نے پوری دنیا کے اندر خوف و دہشت کی فضا پیدا کر دی۔ یہودی ساہوکاروں نے امریکی حکمرانوں کو انقلاب فرانس جیسی شورش برپا کرنے کی دھمکی دیکر خوف زدہ کر دیا اور اپنا مالیاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے انقلاب فرانس کے ایک سال بعد یعنی 1790 میں امریکہ میں برابر کے شہری حقوق حاصل کر لئے۔ انقلاب فرانس کے دو سال بعد 1791 میں یہودی نے فرانس میں بھی برابر کے شہری حقوق

حاصل کر لئے۔ اس کے بعد یہودی نے یکے بعد دیگرے یورپ کی تمام ریاستوں میں برابر کے شہری حقوق حاصل کر لئے۔ جب یہودیوں کو ایک مرتبہ یورپ اور امریکی سیاست کے اندر برابری کی سطح پر داخل ہونے کا موقع مل گیا تو پھر ان کیلئے راستہ کھلا تھا۔ یہودی یورپ اور امریکہ کی سیاست و معیشت کے ذریعہ سے عالمی منڈی اور عالمی سیاست میں داخل ہوا اور نہایت تیزی کے ساتھ عالمی معیشت اور سیاست پر قابض ہو گیا۔ آج پوری دنیا صیہ ہونی ساہوکاروں کے سودی ٹکٹے میں جکڑی پڑی ہے۔ قومی حکومتیں عالمی ساہوکاروں کے خوف سے قہر قہر کانپ رہی ہیں اور ان کا سیاسی اور معاشی اقتدار اعلیٰ بڑی تیزی سے ڈگمگا رہا ہے۔

آج کی عالمی سرمایہ داری نے سیکولرازم کی پھری (Hatchery) سے جنم لیا ہے۔ اگر دنیا کے اندر سیکولرازم نہ آتا تو جدید عالمی سرمایہ داری کا بھی وجود نہ ہوتا اور اشتراکیت بھی بطور فلسفہ کے سامنے نہ آتی۔ سرمایہ داری، اشتراکیت اور سیکولرازم تینوں جڑواں بھائی ہیں۔ ان میں سیکولرازم سب سے بڑا، سرمایہ داری درمیانہ اور اشتراکیت سب سے بعد کا چھوٹا بچہ ہے۔ جدید سرمایہ داری نے سیکولرازم کی گود میں پرورش پائی ہے۔ سیکولرازم ہی وہ فلسفہ ہے جس نے یورپ اور امریکہ کے اندر یہودی سرمایہ داروں کو شہریت اور برابری کے حقوق لے کر دیئے۔

سیکولرازم یہودی کے ساتھ ساتھ یورپی سرمایہ داروں کی بھی ضرورت بن گیا اسلئے کہ منڈیوں کی جنگ میں اسے اپنی قومی ریاستوں کی فوج کی مدد کی ضرورت تھی۔ اگر پورے یورپ کے اندر ”مسیحی تہذیب“ قدر مشترک کے طور پر موجود رہتی تو نیشنلزم کی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگوں کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہ جاتا تھا۔ یہاں پر آکر یہودی اور ”عیسائی سرمایہ دارمہم جوؤں“ کے مفادات مجتمع ہو گئے۔ دونوں کے درمیان سیکولر نیشنلزم قدر مشترک بن گیا۔ اب دین عیسیٰ کی جگہ ”سیکولر نیشنلزم“ کو بطور سرمایہ دارانہ دنیا کے نئے مذہب کے طور پر روشناس کروایا گیا۔ اس نئے مذہب کی بنیاد کسی اعلیٰ و بلند تر اخلاقی اقدار یا کسی روحانی و مذہبی عقیدہ پر نہیں بلکہ ”وطن پرستی“ کے ایک مبہم نظریہ پر رکھی گئی۔ اس کی بنیادوں میں علاقائی، نسلی اور لسانی تعصبات کی نفرت کا مواد پوشیدہ تھا۔ اب دین عیسیٰ کی جگہ ”سیکولر نیشنلزم“ یورپ کا نیا مذہب تھا۔ چونکہ ”سیکولر نیشنلزم“ کی بنیاد کسی برتر اخلاقی نظریہ کی بجائے رنگ و نسل کے امتیازات پر رکھی گئی تھی لہذا یہ جلد ہی تہذیبی اور اخلاقی گراؤ میں بدل گئی۔ گویا یورپ میں ”سیکولر نیشنلزم“ کے بدلے انسان سے اس کا مذہب چھین لیا گیا۔ اب مذہب کی جگہ ریاست کو نیا خدا تسلیم کیا گیا۔ شاعروں نے حب الوطنی اور ”وطنیت“ کی تعریف میں نغمے لکھے۔ ”وطنیت“ پر قربان ہونے والوں کو قومی ہیرو تسلیم کیا گیا۔ ان کی قبروں پر پھول

چڑھائے گئے اور ان کی مدح میں ملی نغمے گائے گئے۔ مذہب کی جگہ قوم پرست وطنیت نے لے لی۔ مسیحی عقائد کی جگہ ہیگل کے فلسفہ نے لے لی۔ ہیگل نے کہا کہ ریاست کو صرف قانون ساز ہی نہیں بلکہ اخلاق ساز بھی ہونا چاہئے۔ ہیگل نے ”ریاست“ کو زمین پر خدا کا نیاروپ قرار دیا۔ ہیگل نے کہا:

”State is a march of God through earth“.

ترجمہ: ”ریاست زمین پر خدا کا اوتار ہے۔“

بقول اقبالؒ:

مملکت را دین او معبود ساخت
فکر او مذموم را محمود ساخت
مذہب او تنگ چوں آفاق او
از عشاء تاریک تر اشراق او

ترجمہ ”سیکولریشنلزم نے ریاست کو خدا بنا دیا۔ اس تنگ نظر سوچ نے قابل مذمت سوچ کو اعلیٰ وارفع کہنا شروع کر دیا۔ اس نئے مذہب کے عقائد اس کے ذہنی افق کی طرح تنگ نظر تھے۔ اس کی ہر صبح اس کی سابقہ شام سے تاریک تر تھی۔“

اور یہ کہ:

دہریت چوں جامہ مذہب درید
مرسلے از حضرت شیطان رسید
مردی اندر جہاں افسانہ شد
آدمی از آدمی بیگانہ شد

ترجمہ ”دہریت نے جب مذہب پر حملہ کیا تو ہر جگہ شیطانییت کا چرچا ہو گیا۔ دنیا کے اندر انسانی اقدار افسانہ بن کر رہ گئیں اور انسان کا انسان سے رشتہ ٹوٹ گیا۔“ بقول اقبالؒ:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نئے فلسفہ نے ریاست کو خدا کا درجہ دے دیا۔ اس فلسفہ نے رنگ و نسل اور قومیت کی بنیاد پر اپنے معبود تعمیر کئے۔ عالمی سرمایہ داروں نے قوموں کو ان کے دین اور تاریخی جڑوں سے جدا کرنے کیلئے بڑی بھائی رقوم خرچ کی ہیں۔ امریکی عوام کی تو ویسے بھی کوئی تاریخی اور ثقافتی جڑیں نہیں ہیں۔ وہ سب کے سب

”مہاجر“ ہیں۔ عیسائی مذہب کو ویسے ہی سائیڈ لائن کر دیا گیا ہے تو پھر وہ کونسی اقتدار بچ جاتی ہیں جن کی سر بلندی اور بقا کیلئے ایک امریکی شہری جان دیگا یا اپنے مالی مفادات کی قربانی دیگا؟ تہذیب کے پھول شہداء کے خون کی آبیاری سے پیدا ہوتے ہیں مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے جو اپنے وطن ریاستہائے متحدہ امریکہ کو آٹھ صیہونی خاندانوں کے خوئیں بھجوں سے نجات دلائے گا۔ سامراج اور انسان دشمنوں سے صرف وہی لوگ لڑ سکتے ہیں جو اپنے مذہب، تاریخ اور ثقافت سے جڑے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اپنی جڑوں سے کٹ چکے ہوں وہ زندہ درگور لوگ کبھی اپنی تہذیب و ثقافت کی بقا کیلئے نہیں لڑتے۔

نظام سرمایہ داری کا خلاصہ

یہودی معیشت کی بنیاد سود پر ہے۔ سود سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔ گویا موجودہ نظام سرمایہ داری کی جڑیں یہودیت کے اندر پیوست ہیں اور سرمایہ داری یہودیت کا ذہنی اور روحانی بچہ ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آج کی دنیا میں عالمی سرمایہ داری کی قیادت اور قبضہ یہود کے پاس ہے۔ نیکلسن کا مشہور کردار ”شائی لاک“ اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ ”سود خوری“ اور ”ذہنی سفاکی“ نظام سرمایہ کی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ سرمایہ یہودی کا دین ایمان ہے اور سودی سرمایہ کے ذریعہ یہ لوگ دنیا کو اپنا ملکوم بناتے ہیں۔

نظام سرمایہ داری میں انفرادی ملکیت پر کوئی قدغن عائد نہیں ہے۔ کوئی شخص چاہے پورا ملک خرید کر لے یا کسی شعبہ زندگی پر مکمل قابض ہو کر دیگر سب کو دیوالیہ کر کے نکال باہر کرے۔ چونکہ پورا ریاستی ڈھانچہ سرمایہ داراشرافیہ کا تشکیل کردہ ہے لہذا اتمام ریاستی ادارے اسی نظام کے تحفظ پر مامور ہیں۔ سرمایہ دارانہ ریاست کے اندر ایک جانب سرمایہ دار اقلیت اور دوسری جانب مزدور طبقہ ہے۔ سرمایہ داری کی کوئی اخلاقی قدریں نہیں ہوتیں۔ اس نظام میں ہر چیز حتیٰ کہ انسان کا وجود تک قابلِ فروخت ہے۔ فحاشی، عریانی اور جسم فروشی کے ذریعہ پیسہ کمانا بھی اس نظام کے اندر جائز ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست کے اندر انسان کی قدر و قیمت اس کے اخلاق اور کردار سے نہیں بلکہ اس کے قابلِ فروخت اثاثوں اور بینک بیلنس سے کی جاتی ہے۔ ہر چیز کی قدر کا تعین منڈی میں کیا جاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتوں کا تعین بھی منڈی کے ایک خود ساختہ اور فرضی مسابقتی عمل کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیاد دوسری اقوام کے قدرتی وسائل پر قبضہ اور ان کی منڈیوں پر اجادارانہ قبضہ جمانے میں ہے۔ اس مقصد کیلئے عالمی سامراج ہر لمحہ بہت سی جگہوں پر جنگ جاری رکھے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ عالمی سرمایہ دار کمپنیوں کا بہت بڑا ریونیو اسلحہ کی فروخت سے آتا ہے اسلئے یہ ہر لمحہ دنیا

کے اندر جنگ کے بادل بھڑکانے کیلئے سازشوں میں لگے رہتے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق دوسری جنگ عظیم سے لیکر آج تک صرف چھبیس دن ایسے ہیں جب دنیا میں کہیں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اور چھبیس دن بھی جنگوں کے درمیانی وقفہ (Ceasefire) کے دن ہیں وگرنہ ایک دن بھی ایسا نہیں گزرنا جب اس کرۂ ارض پر سامراجی تاخداؤں نے نسل انسانی کا خون بہانے میں کوئی کسر باقی چھوڑی ہو۔

یہودی دنیا کے اندر سود اور نظام سرمایہ داری کی بنیادیں رکھنے والی قوم ہے۔ ان لوگوں کا اجتماعی فلسفہ حیات یہ ہے کہ ”ہم سور ہے ہیں اور ہمارا سرمایہ جاگ رہا ہے“۔ یعنی ہماری محنت کے بغیر ہمارے سرمایہ میں افزودگی ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مہنگی گاڑی لیوزین کی مثال دی جاتی ہے کہ وہ دس ڈاکٹروں اور بیس وکیلوں کے برابر پیسہ کماتی ہے۔ گویا جس آدمی کے پاس کرایہ پر چلانے کیلئے ایک لیوزین گاڑی ہے اسے کوئی کام کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آرام کے ساتھ بیٹھ کر دس ڈاکٹروں کی آمدنی کے برابر بغیر کوئی محنت کئے رقم کما سکتا ہے۔ محنت کے بغیر صرف سرمایہ کے ذریعہ پیسہ کمانے کا نام ہی سرمایہ داری ہے۔

جہاں تک نظام سرمایہ داری کا تعلق ہے اس کے بارے میں تو کوئی بہت زیادہ بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ یہ ایک ”غیر انسانی“ معاشرہ اور طبقاتی ریاست ^{تخلیل} دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں ریاست سارے عوام کی نہیں بلکہ ایک مخصوص طبقہ یعنی سرمایہ دار طبقہ کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ سرمایہ داری (Capitalism) کی بنیادیں ”جسکی لاشی اس کی بھینس“ کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ لوٹ مار اور استحصال اس نظام کے نمایاں اجزائے ترکیبی ہیں۔ بقول اقبال:

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے

ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار

سرمایہ دارانہ معیشت ایک انسانی معاشرہ کی بجائے ایک بدترین طبقاتی معاشرہ کو جنم دیتی ہے۔ سرمایہ کی اجارہ داری نے بین الاقوامی لوٹ مار کے ساتھ ساتھ خود ترقی یافتہ ممالک کے اندر بھی انسانوں کے درمیان بہت بڑی طبقاتی تفریق قائم کر رکھی ہے۔ نیویارک ٹائمز کی مورخہ 25 مئی 2018ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک نیشنل انٹرنیشنل کمپنی کے چیف ایگزیکٹو کی سالانہ تنخواہ 0.6 ملین ڈالر ہے۔ جبکہ اس کے اوسط درجہ کے ملازم کی سالانہ تنخواہ 24,406 ڈالر ہے۔ گویا اس اوسط درجہ کے ملازم کو 70.6 ملین ڈالر کی رقم اکٹھی کرنے کیلئے 2893 سال کی عمر درکار ہے۔ وال مارٹ میں ایک اوسط درجہ کے ملازم کی تنخواہ 19177 ڈالر سالانہ ہے جبکہ اسکے چیف ایگزیکٹو کی تنخواہ 22.2 ملین سالانہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک

اوسط درجہ کے ملازم کو 22.2 ملین ڈالر کی رقم کمانے کمانے کیلئے ایک ہزار سال کی عمر درکار ہے۔ اسی طرح ٹائم وارنر (Time Warner) کے چیف ایگزیکٹو کی سالانہ تنخواہ 49 ملین ڈالر ہے جبکہ کہ ایک اوسط کارکن کی تنخواہ 75217 ڈالر سالانہ ہے۔ گویا ایک اوسط درجہ کے کارکن کو 49 ملین ڈالر کی رقم اکٹھی کرنے کیلئے 651 سال کی عمر درکار ہے جبکہ اس ادارہ کے چیف ایگزیکٹو یہ رقم ایک سال میں بطور تنخواہ حاصل کر لی ہے۔

کیا دنیا کا کوئی ضابطہ اخلاق انسانی معاشرہ کے اندر اس قسم کی لمبی چوڑی طبقاتی تقسیم کو برداشت کر سکتا ہے؟ کیا طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر قائم کیا گیا ایسا معاشرہ ایک انسانی معاشرہ کہلانے کا حقدار ہے؟ کیا بین الاقوامی سطح پر لوٹ کھسوٹ کے نظریہ پر مبنی نظام کو ایک منصفانہ نظام قرار دیا جاسکتا ہے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب نفی میں آئے گا۔ کوئی بھی زندہ ضمیر شخص ایسے معاشی نظام کی وکالت نہیں کر سکتا۔

نظام سرمایہ داری میں انفرادی سرمایہ اور اثاثوں کی کوئی حد بندی مقرر نہیں ہے۔ کسی بھی سرمایہ دار پر کسی بھی قسم کی کوئی ریاستی یا معاشرتی پابندیاں عائد نہیں ہیں۔ کوئی بھی شخص لامحدود دولت اور اثاثے رکھ سکتا ہے۔ سرمایہ داری کے فلسفہ فکر کے تحت معیشت کے اندر ڈارون کے اصول "Survival of the Fittest" اور "Struggle for Existence" کے جنگلی اصول کا رفرما ہیں۔ یعنی معاشرہ اور ریاست کے کوئی اخلاقی پیمانے نہیں ہیں بلکہ جو کوئی جتنا اکٹھا کر سکتا ہے کر لے۔ اس وقت دستیاب معلومات کے مطابق دنیا کے دس بڑے ارب پتی لوگوں کے پاس دنیا کی آدمی سے زیادہ دولت ہے۔ جبکہ یہ اعداد و شمار بھی اس اعتبار سے درست نہیں ہیں کہ اس میں بڑی ملٹی نیشنل مالیاتی اور دیگر کارپوریشنز کے بارے میں معلومات کو خفیہ رکھا گیا ہے۔ اب روٹھسائٹڈ اور اس کے ہم نوا چند خاندانوں کے پاس شاید اس سے بھی کہیں زیادہ دولت ہے۔ ان لوگوں نے دنیا کو ایک سودی قمار خانہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ انہوں نے پوری دنیا کو سودور سود کے لامتناہی سلسلوں کے اندر جکڑ رکھا ہے اور قوموں کی معیشت اور سیاسی خود مختاری کو اپنے پاس رہن رکھا ہوا ہے۔ ایک عام اندازے کے مطابق ان چند دولت مند گھرانوں کے پاس دنیا کی اسی فیصد سے زیادہ دولت ہے اور بقیہ سات ارب آدمی ان کے پاس بیچ جائے، انہیں فیصد سے کم دولت ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

دو عالمگیر جنگیں نظام سرمایہ داری کا منطقی نتیجہ تھیں۔ دونوں عالمی جنگیں سرمایہ دارانہ مقاصد کی خاطر

منڈیوں کے حصول کیلئے لڑی گئیں۔ پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ کے قریب انسان مارے گئے اور دوسری جنگ عظیم میں ایک اندازہ کے مطابق سات سے ساڑھے آٹھ کروڑ انسان مارے گئے۔ ان چند درجن سرمایہ داروں نے منڈیوں کے حصول کیلئے کرف ارض کو مقل گاہ میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اب تک کئی سو چھوٹی بڑی جنگیں لڑی جا چکی ہیں جن میں ایک اندازہ کے مطابق اٹھارہ کروڑ سے زائد انسان مارے جا چکے ہیں۔ 2018 کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت بھی دنیا کے چھتیس ممالک میں باون کے قریب چھوٹی بڑی جنگیں جاری ہیں۔ محض پچھلے چند عشروں میں دنیا کے تیل اور معدنی ذرائع کے حصول کیلئے عالمی سامراج نے عراق، شام، لیبیا، سوڈان، افغانستان، سابقہ یوگوسلاویہ، صومالیہ اور کئی دوسرے ممالک کو مقل گاہ بنا رکھا ہے۔ جس میں لاکھوں لوگ بے گھر ہو کر مستقل خانہ بدوش بن چکے ہیں۔ کولمبیا کے اندر ستر لاکھ کے قریب مہاجرین موجود ہیں جبکہ کولمبیا کے ارد گرد کے ممالک کا رخ کرنے والوں کی رجسٹرڈ تعداد تین لاکھ ساٹھ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ بروکنگ انسٹیٹیوٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق 2011 میں دمشق کے بزموک کمپ کے اندر پناہ گزین فلسطینیوں کی تعداد ڈیڑھ سے دو لاکھ تھی جبکہ شامی پناہ گزینوں کی تعداد ساڑھے چھ لاکھ تھی۔ کمپ کے اندر مختلف گروہوں کی آپس کی لڑائیوں اور ضروریات زندگی کی فراہمی کی کمی کی وجہ سے کمپ ایک جہنم کدہ بنا ہوا تھا۔ لوگوں نے جان بچانے کیلئے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ 1948 سے لیکر آج تک 600,000 سے 840,000 فلسطینی باشندے بے گھر ہو کر پناہ گزین کیمپوں اور ارد گرد کی عرب ریاستوں کے اندر مہاجرین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پچھلے سات عشروں سے قتل اور بربادی کا یہ نہ رکنے والا عمل جاری ہے۔ اس وقت کئی ملین لوگ سامراج کی بھڑکائی ہوئی ان جنگوں کا شکار ہو کر پناہ گزین کیمپوں کے اندر کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اکثر جگہوں پر خیمہ بستیاں بسائی گئی ہیں۔ دس ضرب دس کے خیمہ میں پورے پورے خاندان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونسنا گیا ہے۔ ان لوگوں کی معاشرتی اور ازدواجی زندگیاں تباہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

صومالیہ کے 330,000 رجسٹرڈ مہاجرین کینیا میں بسائے گئے کیمپوں میں کئی عشروں سے موجود ہیں۔ 12 ملین شامی، 4.2 عراقی، 2.2 یمنی اور کم از کم 1 ملین لیبیائی باشندے مہاجرین کی شکل میں زندگی گزار رہے ہیں۔ 5 ملین فلسطینی اور 4 ملین سوڈانی اس کے علاوہ ہیں۔ 10 ملین سے زیادہ افغانی پاکستان، ایران اور دیگر ملحقہ ریاستوں کے اندر مہاجرین کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تقریباً 10 ملین کے قریب یا اس سے بھی کچھ زیادہ افغانستان کے اندر ہی اپنے گھروں کی بربادی کے بعد خانہ بدوش پناہ گزینوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ان کے بچوں کیلئے تعلیم، صحت اور دیگر تمام ضروری شہری سہولیات کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ بیروزگار ہیں یا اور معمولی محنت مشقت پر زندگی گزار رہے ہیں۔ اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کی جانب سے دی جانے والی امداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر کسی نے دنیا میں دوزخ کی زندگی دیکھنی ہو تو ان لوگوں کے کیمپوں کا مشاہدہ کر لیا جائے۔ فلسطین، بوسنیا، کوسوو، لبنان، کمبوڈیا، مشرقی تیمور، شام، عراق، لیبیا، سوڈان، افغانستان روئے زمین پر جلتے دوزخوں کی زندہ مثالیں ہیں۔ یہ سارے دوزخ عالمی سرمایہ داروں نے بھڑکائے ہیں۔ ایک عالمی منصوبہ کے تحت دنیا کو عدم استحکام کے سمندر میں دھکیلا جا رہا ہے۔

مارکسزم

مارکسزم پر بحث سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مارکسزم کے بانی کارل مارکس کے نسلی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی ڈی این اے (DNA) کا مختصر تجزیہ کریں۔ تاکہ ہم اس فلسفہ کے بانی کے باطن کی کہانی اور اس کے شجرہ نسب کے بارے میں کچھ آگاہی حاصل کر سکیں اور اس فلسفہ کے پیچھے چھپے اغراض و مقاصد اور درپردہ محرکات کو سمجھ سکیں۔

کارل مارکس 5 مئی 1818 کو پروشیا (جرمنی) کے شہر ٹرائیر میں پیدا ہوا اور 14 مارچ 1883 کو برطانیہ کے شہر لندن میں فوت ہوا۔ کارل مارکس کے خاندان کے بڑے صدیوں سے یہودی پیشوائی (Rabbi) کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ کارل مارکس کا باپ ہنرک مارکس ایک شاطر یہودی وکیل تھا مگر ٹرائیر شہر میں یہودیوں کے خلاف پائی جانے والی تعصب کی گہری فضا کے باعث اس کا کاروبار نہیں چل پا رہا تھا۔ اس نے اپنے روزگار کو بہتر کرنے کیلئے اپنے آپکو کیلونٹ عیسائی (Calvinist Christian) مشہور کر دیا۔ ہنرک مارکس تبدیلی مذہب کے اعلان کے بعد اس شہر کا کامیاب ترین وکیل بن گیا۔

کارل مارکس اور روتھسائلڈ خاندان کا تعلق اشک زئی یہودی فرقہ سے ہے۔ ان دونوں خاندانوں کا جید امجد ایک ہے اور تیسری نسل میں ان کا شجرہ نسب (Genealogical Chart) ایک دوسرے سے جاملتا ہے اسی لئے کارل مارکس کو روتھسائلڈ خاندان کا تھرڈ کزن (Third Cousin) کہا جاتا ہے۔ تیسری نسل میں ایمسٹرڈم کے مشہور اشک زئی یہودی خاندان کا سربراہ ہارنٹ کوہن (Barent-Cohen) ان کا مشترک جید امجد تھا (یہ شجرہ نسب انٹرنیٹ پر موجود ہے)۔ کارل مارکس پروشیا کا باسی تھا۔ اس نے 1849 میں اس وقت لندن ہجرت کی جب اس کا قریبی یہودی عزیز (کزن) لائل ناتھن روتھسائلڈ (Lionel Nathan Rothschild) ویسٹ منسٹر لندن کے علاقہ سے ممبر پارلیمنٹ تھا۔ یاد رہے کہ اسی کے بیٹے لائل والنر روتھسائلڈ (جو کہ ہاؤس آف لارڈز کا ممبر ہونے کی وجہ سے لارڈ روتھسائلڈ کہلاتا تھا) کی کوشش سے

برطانوی حکومت نے بالغور ڈیکلیریشن جاری کیا جس کے تحت اسرائیل وجود میں آیا۔ اس اعتبار سے کارل مارکس کے ڈانڈے بہت قریب سے جا کر عالمی سرمایہ داری کے سب سے بڑے سرغنہ صیہونی خاندان روتھسائٹڈ سے جا ملتے ہیں۔ کارل مارکس کا اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا۔ اس کی کوئی ایسی آبائی جائیداد بھی نہیں تھی جہاں سے اسے کوئی آمدنی ہوتی ہو۔ اس نے ملازمت بھی نہیں کی حالانکہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ (پی۔ ایچ۔ ڈی) تھا۔ اس کے سات بچے تھے۔ تو پھر وہ لندن جیسے مہنگے ترین شہر میں زندگی کیسے گزار رہا تھا؟ کیا اس کیلئے کسی دوسرے سیارچہ سے من و سلوئی اتر رہا تھا؟ یہ تلخ سوالات اپنا جواب چاہتے ہیں۔ تمام واقعاتی اور حقیقی شہادتیں اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ لندن میں یقینی طور پر کوئی خفیہ ساہوکار اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ یہ سرپرست اس کے قریبی رشتہ دار روتھسائٹڈ خاندان کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟

گویا یہ سارا پراجیکٹ عالمی بنکار روتھسائٹڈ صیہونی خاندان کا ہی تھا۔ جو دنیا سے مذاہب کا خاتمہ کرنے کا پراجیکٹ تھا۔ کیونکہ یہودی شاطر اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ جب تک دنیا کے اندر مذہب کی طاقت قائم ہے ”ارضی صیہونی بادشاہت“ کے خلاف مزاحمت برقرار رہے گی اور عالمی صیہونی بادشاہت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ یہ سوال بہت سے دانشوروں نے اٹھایا ہے کہ ”کارل مارکس کے پیچھے کون تھا؟“۔ بہت سے تحقیقی دانشوروں نے ان ہی عوامل کی جانب اشارہ کیا ہے کہ کارل مارکس کے پیچھے عالمی صیہونیت تھی جو دنیا سے یہودیت کے علاوہ دیگر تمام مذاہب اور ثقافتوں کا خاتمہ چاہتی ہے۔

مارکس تمام مذاہب کا مخالف تھا اس کے نظریہ کے مطابق مذہب ایک ایسی افیون ہے جو سرمایہ دارانہ استحصال کو جاری رکھنے کا اخلاقی جواز فراہم کرتی ہے اور عامۃ الناس کو اس بات کی قائل کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام خدائی نظام ہے اور سرمایہ داروں کو یہ ساری دولت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی ہے لہذا اس پر اعتراض کرنا گویا خدا کے خلاف بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ مارکس کے نقطہ نظر کے مطابق مذہب سرمایہ داری نظام کے ہاتھ میں ایک نظریاتی آلہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کو نظریاتی تحفظ فراہم کرتا ہے اسلئے اس کا اسکا خاتمہ ضروری ہے مگر جب یہودیوں کی سیہ کاریوں پر تنقید کی گئی تو وہ یہودیوں اور یہودی مذہب کی حمايت میں ڈٹ کر سامنے آگیا۔ اس سلسلہ میں کارل مارکس نے یہودی مسئلہ پر دو مضامین (On The Jewish Question) اور ایک کتاب (World Without Jews) لکھی۔ جس میں اس نے بڑے شاطرانہ انداز میں سیکولر ازم کی وکالت کی اور یہودیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی ”سیاسی تباہی“ ختم کر کے اپنے ممالک کی سیاست کا حصہ بنیں۔ کارل مارکس نے ان تمام دانشوروں اور فلسفیوں پر بھی سخت تنقید کی جو یہودیوں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ کارل مارکس نے بھرپور طریقہ سے

یہودیوں کی سود خوری اور شراغیزی کا دفاع کیا۔ اس نے کہا کہ صرف یہودی ہی سود خور نہیں ہیں بلکہ عیسائی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس نے یہودیوں کی مظلومیت کا بھی رونا رویا اور لکھا کہ یہودی سلطنت عثمانیہ کے اندر مسلمانوں کے ظلم و جبر کا شکار ہیں۔ اس سلسلہ میں اس وقت کے مشہور روسی انقلابی فلسفی میخائل بیکونین کے خیالات قابل غور ہیں۔ وہ کارل مارکس کے اندرونی تضادات اور ”نظریاتی خلفشار“ کے بارے میں کہتا ہے:

“This whole Jewish world, comprising a single exploiting sect, a kind of blood sucking people, a kind of organic destructive collective parasite, going beyond not only the frontiers of states, but of political opinion, this world is now, at least for the most part, at the disposal of Marx on the one hand, and of Rothschild on the other. [...] This may seem strange. What can there be in common between socialism and a leading bank? The point is that authoritarian socialism, Marxist communism, demands a strong centralisation of the state. And where there is centralisation of the state, there must necessarily be a central bank, and where such a bank exists, the parasitic Jewish nation, speculating with the Labour of the people, will be found ”

--(Mikhail Bakunin, Profession de foi d'un démocrate socialiste russe précédé d'une étude sur les juifs allemands, 1869.[18]http://en.metapedia.org/wiki/Karl_Marx)

ترجمہ: ”پوری دنیا کے یہودی من حیث القوم دنیا کا خون چوسنے والے، اجتماعی طور پر تباہی لانے والے اور قومی سرحدوں کو پھلانگ کر سیاسی آراء کی تشکیل کرنے والے ہیں۔ آج کی دنیا ایک جانب مارکس اور دوسری جانب روٹسکیلڈ کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ سوشلزم اور اور بینکار کے درمیان کوئی قدر مشترک ہے؟ اصل نکتہ یہ ہے کہ جابرانہ سوشلزم اور مارکسی کمیونزم ایک مضبوط مرکزی حکومت کو جنم دیتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ جہاں ایک جابر مرکزی حکومت ہوگی وہاں ایک مرکزی بینک کی بھی ضرورت ہوگی اور جہاں پر بینک ہوگا وہاں پر دوسروں کا خون چوسنے والے جو باز یہودی بھی ہونگے۔“

جب کارل مارکس کے ہمعصر جرمن فلسفی برنوبائیر (Bruno Bauer) نے یہودیوں پر سٹہ باز اور سرمایہ باز ہونے کا الزام عائد کیا تو کارل مارکس کے اندر کا انتہا پسند یہودی کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے یہودیوں کا دفاع کیا۔ اس نے برنوبائیر کے جواب میں جذباتی لب و لہجہ اپناتے ہوئے یہی الزامات عیسائیوں پر عائد کئے۔ برنوبائیر نے الزام عائد کیا تھا کہ اگر یہودی جرمنوں کی آزادی میں دلچسپی نہیں رکھتے تو جرمن کیوں یہودیوں کی آزادی میں دلچسپی لیں؟ کارل مارکس نے یہودی قبائلی نسل پرستی سے سرشار ہو کر ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ اگر جرمن یہودیوں کی آزادی میں دلچسپی نہیں رکھتے تو یہودی کیوں جرمنوں کی آزادی میں دلچسپی لیں؟ اس نے یہودی مذہب کی حمايت میں جرمن سیکولرازم کے سرخیلوں سے کہا:

"We do not tell the Jews that they cannot be emancipated politically without radically emancipating themselves from Judaism, which is what Bauer tells them. Does the standpoint of political emancipation have the right to demand from the Jews the abolition of Judaism and from man the abolition of religion?"

ترجمہ: "ہم بائیر کی طرح یہودیوں سے یہ نہیں کہتے کہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کیلئے تمہیں یہودی مذہب سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے گی۔ کیا یہودیوں سے یہ مطالبہ کرنا جائز ہے کہ سیاسی آزادی کے بدلے انہیں یہودی مذہب کا خاتمہ کرنا ہوگا اور انسانی زندگی سے مذہب کو ختم کرنا ہوگا؟"

مارکسی نظریہ کی ابتدا تشدد سے ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں اشتعالی نظام قائم کرنے کیلئے بورژوا ریاست اور اس کے اداروں کو بندوق کے زور پر ختم کرنا ضروری ہے۔ مارکسی نقطہ نگاہ کے مطابق ایک ہمہ وقت تشدد کے بغیر نہ تو پرانا نظام ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نیا نظام پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق مسلح انقلاب کے ذریعہ سرمایہ دار طبقہ کی تمام جائیدادوں اور ذرائع پیداوار کو ان سے چھین کر ریاستی تحویل میں لانا ضروری ہے اس کے بغیر ایک مارکسسٹ انقلاب مکمل نہیں ہو سکتا۔ کارل مارکس کے اپنے الفاظ میں "تشدد ایک ایسی دایہ جس کے ذریعہ نیا نظام پیدا کیا جاتا ہے"۔ مارکسی نقطہ نگاہ کے مطابق ریاست ہمیشہ کسی ایک طبقہ کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام میں ریاست سرمایہ دار طبقہ کے مفادات کی نگہبانی کر رہی ہوتی ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ ہم سرمایہ دار طبقہ کو تہ تیغ کر کے اس کی جگہ پرولتاری (مصنعتی مزدور) آمریت قائم کریں گے۔ مارکسی ریاست ایک طبقاتی ریاست ہوگی جس میں دیگر تمام طبقات کا

تشدد کے ذریعہ خاتمہ کر کے پروتاریہ یعنی صنعتی مزدوروں کی حکمرانی ہوگی۔ مارکس ہر قسم کی ذاتی جائیداد کا مخالف ہے۔ وہ ہر قسم کی ذاتی جائیداد کو فرد کی ملکیت سے باہر نکال کر ریاست کی ملکیت میں دینے کا نظریہ رکھتا ہے۔ وہ ایک انتہا پسندانہ اجتماعیت کا قائل ہے جس میں کہ تمام ذرائع پیداوار پر ریاستی اداروں کا قبضہ ہوگا اور ہر قسم کی انفرادی ملکیت پر پابندی ہوگی۔

روس اور چین دونوں ممالک میں عوامی آمریت کے نام پر ”کیونسٹ پارٹی“ کی آمریت قائم کی گئی جو کسی بھی سرمایہ دارانہ یا شخصی بادشاہت کی افرشابی سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔ مارکسی نقطہ نگاہ سے ریاست کی حدود کے اندر واقع تمام ملکیت اور ذرائع پیداوار ریاستی اداروں کی ملکیت ہو گئے جنہیں کیونسٹ پارٹی کی زیر نگرانی چلایا جائیگا۔ مزدور آمریت کیونسٹ پارٹی کے ذریعہ قائم کی جائیگی۔ ریاست کے تمام ادارے اسی کیونسٹ پارٹی کے ماتحت کام کریں گے۔ اسی نظریہ کے تحت کیونسٹ پارٹی ملک کی سب سے بڑی مطلق العنان افرشابی بن گئی۔ جس نے بھی ذرا اختلاف رائے کا اظہار کیا اس پر انقلاب دشمنی کا الزام لگا کر یا تو گولی سے اڑا دیا گیا یا پھر سائبیریا کے سخت علاقوں میں نظر بند کر دیا گیا جہاں کی زندگی جہنم سے بھی بدتر تھی۔ کیونسٹ ریاست انسانی تاریخ کی سب سے بڑی جابرانہ ریاستوں میں سے ایک تھی جسے ”عوامی جمہوریت“ کے نام پر قائم کیا گیا تھا۔

کارل مارکس کے معاشی نظریہ کو اگر چند الفاظ میں بیان کرنا مقصود ہو تو وہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسانی محنت اور سرمایہ کے اشتراک سے جو ”قدر زائد“ پیدا ہوتی ہے ہو سرمایہ دار کا نہیں بلکہ محنت کش مزدوروں کا حق ہے جنکی محنت کی وجہ سے وہ ”قدر زائد“ پیدا ہوئی ہے۔ سمجھنے کی خاطر اس کی مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ مارکسی نقطہ نظر کے مطابق ایک فیکٹری کو چلانے کیلئے دو عوامل یعنی سرمایہ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرمایہ سے خام مال خرید کر اس کو سرمایہ دار کی فیکٹری کے اندر پراسس کیا جاتا ہے جس سے اس وہ خام مال ایک بہتر پراڈکٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اسکی قیمت خام مال کی قیمت سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ مارکس اس بڑھی ہوئی قیمت کو ”قدر زائد“ کا نام دیتا ہے۔ مارکسی فلسفہ کے مطابق اس بڑھی ہوئی قیمت یعنی ”قدر زائد“ پر صرف اور صرف مزدور کا حق ہے۔ سرمایہ صرف کرنے والے کا اس ”قدر زائد“ پر کوئی حق نہیں ہے۔ مارکسی فلسفہ نے اس کا دوسرا حل یہ نکالا ہے کہ سرمایہ ریاست فراہم کرے اور ذرائع پیداوار (فیکٹریاں) ریاست کی ملکیت ہوں۔ عامیانہ دانش بھی اس بات کا بخوبی ادراک کر سکتی ہے کہ پہلی بات تو صریحاً غلط ہے کہ ”قدر زائد“ میں صرف مزدور کا حق ہے اور سرمایہ صرف کرنے والے کی منجمنٹ کرنے اور نفع و نقصان کی ذمہ داری برداشت کرنے والے کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ رہا مسئلہ دوسرا کہ ریاست

سرمایہ فراہم کرے تو معاشیات کا یہی ماڈل روس کے اندر اپنایا گیا۔ اسکو ”پولیشکل اکانومی“ کی اصطلاح میں ہم ”ریاستی سرمایہ داری“ کا نام دے سکتے ہیں۔ سیاسی معیشت کے طالب علم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ”ریاستی سرمایہ داری“ کا ارتقاء تو اجارہ دار سرمایہ داری کی طرف ہونا ہے یعنی اس نے اجارہ دارانہ سرمایہ داری کی شکل اختیار کرنے ہے یا پھر اس کا رخ ”اجتماعی معیشت“ کی جانب مڑنا ہے۔ روس میں کمیونسٹ انقلاب سے قبل مارکسزم محض ایک کتابی نظریہ تھا۔ روس کے اندر اسے پہلی مرتبہ عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ کمیونسٹ روس کے اندر اس کے عملی نمونہ کے ساتھ کیا ہوا اور یہ کس حد تک کامیاب رہا۔

صنعتی انقلاب تو زار روس کے زمانہ میں برپا ہو چکا تھا اور بڑی بڑی صنعتیں لگ چکی تھیں۔ کمیونسٹوں نے بس ان کو ریاستی تحویل میں لینے کے احکامات جاری کئے اور ان پر قبضہ کر لیا۔ روس کے اندر لینن اور اس کے ساتھی کوئی بہت زیادہ تعداد میں نہ تھے۔ روس کے اندر باشویک انقلاب بیرونی طاقتوں کی کھلم کھلا اعانت کے ساتھ برپا کیا گیا۔ لینن سوئزر لینڈ میں روپوش تھا۔ جنگ عظیم اول اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ جرمن حکومت اور عالمی صیہونیت نے باہم ساز باز کر کے لینن کو روس کے اندر اتارنے کا فیصلہ کیا۔ 16 اپریل 1917 کو لینن مال گاڑی کے ایک ڈبہ میں چھپ کر جرمن خفیہ پولیس کی حفاظت میں پیٹرو گراڈ کے فن لینڈ سٹیشن پر اترا۔ اس کا مقصد روس کے اندر خانہ جنگی پیدا کر کے زار روس کو اقتدار سے علیحدہ کرنا اور کمیونسٹ انقلاب برپا کرنا تھا۔ زار روس کی پولیس اور مسلح افواج کو خانہ جنگی کے ذریعہ شکست دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس مقصد کیلئے جرمنی نے پچاس ہزار مسلح کمانڈوز لینن کی مدد کیلئے روس میں اتار دیئے۔ زار کے جرنیلوں، افسر شاہی کے کارندوں، ٹریڈ یونین رہنماؤں، کسانوں کی انجمنوں اور امداد باہمی کی تنظیموں کو خرید لیا گیا۔ فوج کے اندر بغاوت کروائی گئی۔ زار روس کے قائم کردہ ڈھانچہ کو توڑنا اور شکست دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس مقصد کیلئے پانی کی طرح پیسہ بہایا گیا۔ یہ کئی ارب جرمن مارک کا پراجیکٹ تھا۔ یہ رقم جرمن حکومت اور عالمی ساہوکار صیہونی رہنماؤں کو تھمیلڈ فراہم کر رہا تھا جس کے اس کمیونسٹ انقلاب کے ساتھ بڑے دور رس مفادات وابستہ تھے۔ لینن تو صرف ایک مہرہ تھا۔

روس کی اس وقت کی آبادی باہ کروڑ کے لگ بھگ تھی جبکہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کی کل تعداد پچاس ہزار سے بھی کم تھی۔ گویا پچاس ہزار مسلح افراد بیرونی امداد سے ساڑھے چودہ کروڑ عوام کو محض ہندوق اور اسلحہ کی نوک پر یرغمال بنا لیا۔ کمیونسٹ پارٹی کا رکنان اور عہدیداروں نے ملک کی پوری مشینری اور صنعت پر قبضہ کر لیا اور سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ اب زار روس کی ریاستی افسر شاہی کی جگہ کمیونسٹ افسر شاہی نے لے لی۔ زار روس کے وقت محنت کش طبقات کو یونین سازی کا حق حاصل تھا اب وہ بھی ختم کر دیا

گیا۔ گویا ایک بہت بڑی ریاستی مشینری تھی جس پر ایک جابر افسر شاہی نے قبضہ کر لیا۔ ستر سال سے کچھ اور پر اشتمالیت روس پر قابض رہی اور یہ سارا عرصہ پکڑ دھکڑ اور بے محابا قتل و غارتگری میں ہی گزرا۔ پروتاریہ آمریت کے نام پر تمام انسانی اور بنیادی حقوق غصب کر لئے گئے۔ کمیونسٹ پارٹی کے کارکنان ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ کمیونسٹ انقلاب کے نام پر تاریخ کی بدترین آمریت نافذ کر لی گئی۔ لوگوں کے مذہبی عقائد پر حملہ کیا گیا بلکہ یوں کہنے کہ ان سے مذہب کا حق چھین لیا گیا۔ مساجد اور گرجا گھر مسمار کر دئے گئے۔ خدا کا انکار کیا گیا اور مذہبی لوگوں کا بے محابا قتل عام کیا گیا۔ گویا کمیونزم صرف ایک معاشی فلسفہ نہیں بلکہ ایک نئے مذہب دشمن سماج کا نقیب بن کر سامنے آیا۔

سابقہ تمام مذاہب اور ثقافتوں کو بورژوا کلچر کا حصہ قرار دیکر لوگوں سے انکا مذہب اور ثقافتی اقدار چھین لی گئیں۔

بالٹویک انقلاب کے نتیجے میں روس کے اندر ”ریاستی سرمایہ داری“ کا نظام کے قیام سے کام کا آغاز کرنے کی کوشش کی گئی۔ ”ریاستی سرمایہ داری“ کا فطری ارتقاء تو ”اجارہ دارانہ سرمایہ داری“ (Monopoly Capitalism) طرف ہونا تھا یا پھر اس نے روسی معاشرہ کی ”اجتماعی عوامی معیشت“ (Peoples Socialist Economy) کی شکل میں سامنے آنا تھا لیکن حیرانی کی بات ہے کہ ان دو میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ ترقی کا پیہہ ہی جام ہو گیا۔ بے جا ریاستی مداخلت، کمیونسٹ افسر شاہی کی رعوت، مینجمنٹ صلاحیتوں کا فقدان، انفرادی اقدامات کی حوصلہ شکنی اور صنعت کے اندر نئی تبدیلیاں نہ ہونے کے نتیجے میں پورا نظام جامد ہو گیا اور روسی معیشت کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ ان معاشی اور نفسیاتی مسائل میں بری طرح پھنس جانے کے بعد روسی حکومت نے عالمی سرمایہ کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے اور کمیونزم کی نظریاتی شکست تسلیم کر لی۔ ”کمیونزم کی داخلی شکست“ کی گواہی خود ان ہی کی زبانی سنئے جو نہ صرف اس نظام کے بہت بڑے دائمی تھے بلکہ اس کے پاسان بھی۔ گورباچوف کا ”اقرار جرم“ ان کی کتاب ”تفکیر نو“ (Prestroika: New Thinking For Our Country and the World) میں خود ان ہی کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

”شہریوں کی اخلاقیات زوال کا شکار ہو گئی تھیں۔ عظیم انقلاب کے پہلے پر جوش عہد، پہلا پنبسالہ منصوبہ، حب الوطنی کی بنیاد پر لڑی جانے والی یادگار جنگ اور جنگ کے بعد کی تعمیر نو سے پیدا ہونے والا جذبہ اور اتحاد کمزور پڑ چکا تھا۔ معاشرہ میں شراب نوشی، منشیات کی لت، اور جرائم میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہماری ثقافت میں خود ساختہ تہذیبی نمونے رواج پانے لگے تھے جن سے ہمارے معاشرہ کے عامیانه پن، غیر تخلیقی اور پست ذوق کا اظہار ہوتا تھا۔ اس طرح نئی سوچ سے ہمارا دامن خالی ہوتا چلا گیا اور

ہم کوئی نئے آئیڈیاز پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ کیونست پارٹی عوامی رہنمائی اور نگرانی کے فرائض مناسب طریقہ سے انجام دینے میں ناکام رہی۔ اہم سماجی مسائل کے حل کیلئے پارٹی کی طرف سے کوئی اقدامات نہ کئے گئے۔ ہر شخص قیادت کے جمود اور تبدیلی کے خلاف ذہن کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ کئی انتظامی سطحوں پر قانون کے احترام کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ دکھاوے کی کارکردگی، رشوت خوری، خولجہ سرائی اور قصیدہ خوانی ہر سطح پر غالب آگئی تھی۔“

روسی کیونست رہنماؤں نے برملا کمیونزم کی شکست کو تسلیم کر لیا۔ گورباچوف کے یہ اعترافات اشتہالی نظریہ کی واضح شکست کا اقرار ہیں۔ کچھ ایسا ہی تجربہ چین کے اندر بھی ہوا۔ ثقافتی انقلاب کے نام پر پانچ کروڑ کے قریب انسانوں کو قتل کر دیا گیا تاکہ کمیونزم کی ثقافتی اقدار کے بیج بویا جاسکے مگر زمین بھر تھی لہذا بیج نہیں اُگ سکا اور 1979 میں کمیونزم کی نظریاتی شکست تسلیم کر کے دوبارہ عالمی سرمایہ داری سے رشتہ جوڑ لیا گیا۔ اس وقت چین میں پرائیویٹ سیکٹر مکمل طور پر بحال کر دیا گیا ہے۔ چند کلیدی نوعیت کی صنعتیں اور کاروبار پبلک یا پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔ جو اس بات کا اقرار ہے کہ کمیونزم کی میکانیکی اجتماعیت انسانی جبلت کے خلاف ہے۔ گویا اسلام کے اس سنہری اصولِ معیشت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اجتماعیت اور انفرادیت کے درمیان توازن ہونا چاہئے۔

اشتہالی نظریہ کے اندر تشدد ایک عارضی حربہ نہیں بلکہ اس کا اصولی رکن ہے۔ گویا یہاں تشدد نظریہ ضرورت کے تابع ہونے کی بجائے بذاتِ خود ایک اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خون آشام نظریہ کا فطری نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا۔ بے جا قتل و غارتگری اور خون کی ندیوں سے جہنم لینے والا یہ ”انقلاب“ بڑے ہی مختصر عرصہ میں شکست کھا کر ہار مان گیا اور رضا کارانہ طور پر میدان چھوڑ گیا۔ اس کے پیچھے کمزور نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور نظامِ سرمایہ داری کی آغوش میں پناہ لے لی۔ روس میں کمیونزم کسی بیرونی سازش یا حملہ کے نتیجہ میں نہیں بلکہ خود کمیونزم کے داخلی تضادات کی وجہ سے زمین بوس ہوا۔ کچھ ایسا ہی حال چینی کمیونزم کا ہوا۔ کمیونزم نے کوئی تہذیب یا معاشرہ پیدا نہیں کیا۔ اس نے اپنے پیچھے کوئی وراثت نہیں چھوڑی۔ چین میں اس وقت جو کچھ بچا ہے وہ کمیونزم کا ورثہ نہیں ہے بلکہ وہ ”چوری چھپے“ اسلام سے مستعار لئے گئے نظریات کی وراثت ہے۔ مثال کے طور پر مضبوط پبلک سیکٹر (Monopoly State Capitalism) کی موجودگی، پیپلز آرمی کا وجود اور یک جماعتی ڈکٹیٹر شپ کا نظریہ۔ یہ سب اسلام سے مستعار لئے گئے نظریات ہیں جو اسلام نے چینی انقلاب سے چودہ سو سال قبل متعارف کروائے تھے۔

چینی قیادت نے چو این لائی اور ماؤزے تنگ کی وفات کے ساتھ ہی بے جا اجتماعیت کے اس نظام

سے توبہ کر لی اور ایک دوسری انتہا یعنی نظام سرمایہ کے اندر جائے پناہ تلاش کرنے لگے اور مشرف بہ سرمایہ داری ہو گئے۔ روس اور چین کے اندر اپنے فطری ارتقاء کے نتیجے میں کمیونزم دوبارہ عالمی سرمایہ داری کے ساتھ معائنہ گیر ہو گیا اور یوں ”تاریخ کی یادداشت“ کا حصہ بن گیا۔ چین اور روس کی موجودہ ”ریاستی سرمایہ داری“ کا رخ ”اجتماعیت“ یعنی ”پنپلز اکائیونم“ کی جانب نہیں بلکہ ”پرائیویٹ سرمایہ داری“ کی جانب مڑ گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کمیونزم کے بانیوں اور سرخیلوں نے روس اور چین کے اندر کمیونزم کی نظریاتی شکست تسلیم کر لی ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں ارب پتیوں کی سب سے زیادہ تعداد چین میں ہے۔ اس وقت چین میں ارب پتیوں کی مجموعی تعداد چار سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے جو دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہے۔ عالمی تجزیہ نگاروں کے مطابق چین کی اندر ارب پتیوں کی اس تعداد میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے۔ چین کے اندر ارب پتیوں کی یہ تعداد ظاہر کرتی ہے کہ چین کا اب اشتیالیٹ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور اب یہ امریکہ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ دارانہ ریاست بننے جا رہا ہے۔ چین اشتیالیٹ اور انفرادی ملکیت کے درمیان توازن قائم کرنے کی بجائے دوسری انتہا یعنی سرمایہ داری کی گود میں جا بیٹھا ہے۔ یہ جدید چین کا سرمایہ دارانہ چہرہ ہے۔ اس وقت دنیا میں اشتیالیٹ کا فلسفہ اور انفرادی اثاثے ختم ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں اشتراکیت کے اعادہ کی بات کرنا ”بعد از مرگ ماتم“ اور دینی معذوری کی علامت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لئے کہ اس نظریہ کا اب زمینی حقائق کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں بچا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے بنیادی خدو خال

قانون کی بالادستی کا تصور

(Supremacy of Law & Equality Before Law)

قرآن و سنت اسلامی قانون کے ماخذ ہیں۔ اسلامی ریاست میں کسی بادشاہ یا فرد کا نہیں بلکہ قرآن و سنت کا قانون نافذ ہوتا ہے۔

اسلام قرآن و سنت کے نظریہ کی بالادستی کا تصور دیتا ہے۔ کوئی شخص چاہے وہ عام شخص ہو یا خلیفہ وقت ہو، قرآن و سنت کے طے شدہ اصولوں کے اندر رہ کر اپنی پرائیویٹ اور پبلک زندگی گزارے گا (اسلام میں پبلک اور پرائیویٹ زندگی ایک دوسرے کے اندر پیوست ہیں ان کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا گیا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے)۔ اگر کوئی حکمران قرآن و سنت کے اصولوں کی خلاف ورزی کریگا تو اس کے خلاف ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ اگر وہ اس جہاد کا حصہ نہیں بنے گا تو فاسق و فاجر تصور ہوگا۔ اسلامی

ریاست اور معاشرہ میں قرآن و سنت کے مقابلہ میں کوئی دوسرا نظریہ جڑ نہیں پکڑ سکتا۔ مجلس شوریٰ قرآن و سنت کی روشنی میں اجماع اور قیاس کے بنیادی اصولوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے قانون سازی کر سکتی ہے اور ریاست کا ہر شہری اس کا پابند ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابو محمد نے شراب نوشی کا جرم کیا تو خود حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے اسے اتنی کوڑے مارے جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔ اسی طرح ان کے سالے جو بڑے رتبے کے صحابی تھے اسی جرم کے مرتکب ہوئے تو انہیں بھی اتنی کوڑے مارے گئے۔

غیر سودی معیشت (Interest Free Economy)

اسلامی طرز معیشت کے اصول بڑے سادہ ہیں۔ اسلام میں ”قدر زائد“ کی بنیاد محنت ہے سرمایہ نہیں ہے۔ اسلام میں اسلامی اخلاقیات اور ریاستی حدود و قیود کے اندر رو محنت کے ذریعہ پیسہ کمایا جاسکتا ہے مگر ”سرمایہ کے ذریعہ سرمایہ کمانے“ کی ہر شکل سود شمار ہوتی ہے اور سود کے خلاف اسلام کے احکامات انتہائی سخت ہیں۔ اسلام میں سرمایہ کاری سودی نظام یا آجرو ملازم کے اصول کے تحت نہیں بلکہ شراکت داری کے اصول کے تحت عمل میں لائی جاتی ہے۔ اصل سرمایہ اور اخراجات نکال کر خالص منافع محنت کار اور سرمایہ کار کے درمیان شراکت کی بنیاد پر برابر برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض فقہاء تو اس بات کے قائل ہیں کہ کاروبار پر اٹھنے والے اخراجات بھی سرمایہ کار برداشت کرے اور گراس منافع (Gross Profit) میں سے آدھا حصہ محنت کار کو دیا جائے۔ بہر صورت حالات و واقعات اور کاروبار کی نوعیت کے مطابق شرح منافع میں تبدیلی کی جاسکتی ہے لیکن کاروبار بہر طور شراکت کی بنیاد پر ہی ہوگا اور کم از کم خالص منافع میں سے محنت کار کو آدھا حصہ دیا جائیگا۔ اسلامی نظام معیشت کی بنیاد یہی شراکت داری ہے۔ اسلامی معیشت میں اس کو ”مدار بہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ ”مضاربہ“ اور ”اجارہ“ بھی اسلامی طرز معیشت کی شکلیں ہیں لیکن ان کے اندر بھی ”مدار بہ“ کے اصول ہی پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔ اسلام نے ہر صورت محنت کار کو سرمایہ دار پر ترجیح دی ہے اور سرمایہ کے ذریعہ استحصال کا مکمل خاتمہ کیا ہے۔ سود یعنی محنت کے بغیر محض سرمایہ کاری کے ذریعہ منافع کمانا ہی اصل میں نظام سرمایہ داری کی اصل جڑ ہے اسلام نے سود کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور اسی کے ساتھ سرمایہ داری کی جڑ بھی خود بخود کٹ گئی۔ قرآن کریم سورہ البقرہ آیت نمبر 279 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر مسلمان ہو تو چھوڑ دو جو سود باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

اسلام کی بنیاد سود کے خاتمہ پر ہے جبکہ سرمایہ داری کی بنیاد سود یعنی پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے پر ہے۔

اسلام سرمایہ داری کا خاتمہ کرنے والا اور پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے کی ممانعت کرنے والا مذہب ہے۔ اسلام اجتماعی معیشت کا درس دیتا اور سودی نظام کی جزاکاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

ارتکا ز زر کی ممانعت (Prohibition of Concentration of Wealth)

قرآن پاک ”سورہ البقرہ“ آیت نمبر 215 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے نبی! یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کے راستے میں کیا خرچ کریں، کہہ دو کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے۔“

قرآن پاک ”سورہ الحشر“ آیت نمبر 7 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قرآن پاک ”تاکہ یہ مال تمہارے مال داروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے (اور غریب اس سے فیضیاب نہ ہو سکیں)۔“

”سورہ التوبہ“ آیت نمبر 34, 35 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

”جو لوگ سونے اور چاندی کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو مژدہ سنا دو دردناک عذاب کا۔ اس روز جب سونے اور چاندی کے ان ذخیروں کو دوزخ کی آگ میں تاپا جائے گا اور پھر ان (سرمایہ داروں) کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ان کو بتایا جائے گا کہ یہ ہے وہ جو تم جمع کر کے رکھتے تھے اب چکھو اس کو جو کچھ تم جوڑ کر رکھتے تھے۔“

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے کہ:

”زکوٰۃ کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر غرہا اور ریاست کا حق ہے۔“

شرکت داری (مدار بہ) کی عوامی معیشت

(Economy of Public Partnerships)

نظام سرمایہ داری میں چند سو یا چند ہزار سرمایہ داروں نے معیشت اور وسائل پر قبضہ کر کے باقی سب لوگوں کو اجرت (ملازمت) پر رکھا ہوا۔ سب ملازمین ہر صبح ڈیوٹی پر حاضر ہوتے ہیں، شام کو گھر واپس آ جاتے ہیں اور اگلی صبح خود بخود دوبارہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہ قسم کا قید خانہ ہے جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر سرمایہ دار کے ہاتھوں اپنی محنت فروخت کرتے ہیں اور اپنے کھانے پینے کی اشیاء اور رہائش کا خرچہ (بشکل مزدوری) وصول کرتے ہیں۔ یہ دور جدید میں غلامی (Slave Labour) کی ایک نئی شکل ہے۔ اسلام اس طرز معیشت کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اگرچہ اسلام نے براہ راست مزدوری (Wage Labour) پر

پابندی نہیں لگائی مگر ”مداربہ“ (شراکت داری) کے ذریعہ اس کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ ”مداربہ“ کے اندر ایک فرد اجرت وصول کرنے کی بجائے کاروبار میں شراکت دار ہوتا ہے اور نصف یا نصف سے کچھ زیادہ منافع میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اسلام ایک بتدریج عمل کے ذریعہ معاشرہ سے ”اجرتی مزدوری“ کا خاتمہ کرتا اور ”شراکت داری“ کی بنیاد پر کاروبار کو وسعت دیتا ہے جس میں کچھ عرصہ بعد تمام لوگ محنت مزدوری اور کسی آجر کی ملازمت کرنے کی بجائے کاروبار میں شراکت دار بن جاتے ہیں۔ یہی وہ اصل نظام معیشت ہے جس سے یہودی خوفزدہ ہے۔ یہ دنیا کا بہترین نظام معیشت ہے جس کا کسی کے پاس آج تک کوئی جواب نہیں ہے۔ بقول اقبال:

چیت قراں؟ خواجه را پیغام مرگ
دھکیر بندہ بے ساز و کار

ترجمہ: ”قرآن کیا ہے؟ سرمایہ دار کیلئے موت کا پیغام ہے۔ بے سہارا اور محنت جوں کا پا سہاں ہے۔“
عالمی سرمایہ داری کو شکست دینے کیلئے ایک متبادل نظریہ چاہئے۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیکر نظام سرمایہ داری کی ہمیشہ کیلئے جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اسلام نے تجارت کو حلال اور ”ربا“ کو حرام قرار دیا ہے۔ ”ربا“ سے مراد ”روپے کی افزودگی“ یعنی ”پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانا“ ہے۔ اسلام نے پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے کی تمام شکلوں کو احکام خداوندی کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور ”پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے“ والوں کے خلاف اعلان جنگ کا اعلان کیا ہے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ سودی کاروبار کرنے والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ ایک اسلامی ریاست پوری قاہرہ قوت کے ساتھ ہر قسم کے سودی کاروبار کا خاتمہ کرے گی اور سودی طبقہ کے خلاف اعلان جنگ کرے گی۔

عوامی جمہوری حکومت کا اعلیٰ ترین نمونہ

(Best Model of Peoples Democracy)

جمہوری مرکزیت (Democratic Centralism) کے اصولوں کے تحت اسلام نے دنیا کا بہترین جمہوری نظام قائم کیا۔ اسلام نے دنیا کی سب سے بڑی جمہوری ریاست قائم کی۔ اسلام میں حکومت بادشاہت ہیں بلکہ ایک مقدس امانت ہے جو قرآن و سنت کے طے شدہ اصولوں کے مطابق چلائی جاتی ہے۔ قرآن کریم سورہ ”الشوریٰ“ آیت نمبر 38 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے ابن اللہبیہ نامی ایک شخص کو ”عامل صدقہ“ مقرر فرما کر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو کہا کہ یہ مال تو بیت المال کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے نبی پاک ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا ”کیا حال ہے اس عامل کا جس کو ہم کسی خدمت پر مقرر کرتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھ لیتا کہ اسے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو بھی شخص اس طرح کا مال لے گا قیامت کے دن اپنی گردن پر اسے اٹھا کر لائے گا۔ اونٹ ہو، گائے ہو یا بکری۔ پھر نبی پاک ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا! اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔“ وہ مال بحق بیت المال ضبط کر لیا گیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو اپنے ساتھ سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار درہم اور کچھ مال ساتھ لائے سیدنا عمرؓ نے اس زائد مال کی جواب طلبی کی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مال ان کی اپنی کمائی سے ہے مگر حضرت عمر فاروقؓ نے نہ ہوئے۔ وہ تمام زائد مال بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔

اسلام نے دنیا کی سب سے بڑی عوامی حکومت قائم کر کے دنیا کا سب سے بہترین سیاسی نظام دیا ہے جس میں خلیفہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند تھا اور اپنے عوام کے سامنے جوابدہ تھا۔ علم سیاسیات کی جدید اصلاحات کی روشنی میں ہم اسلام کے سیاسی نظام کو ”مرککز جمہوریت۔۔۔ (Centralized Democracy) کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ مغربی سرمایہ دارانہ جمہوریت کی تمام آلائشوں سے پاک دنیا کا بہترین نظام ہے۔

اسلام کی روح کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو اسلام ”عوام کی حکمرانی“ اور ”مذہبی دانشوروں“ کی مشترکہ اوصاف کی حامل قیادت کے انتخاب سے اپنا سیاسی نظام وضع کرتا ہے۔ اسلام نے سیاسی جماعتوں کی تشکیل پر پابندی نہیں لگائی مگر اشتراکیت کی طرح اسلام بھی ایک ہی جماعت یعنی ”حزب اللہ“ کی تشکیل پر ایمان رکھتا ہے مگر یہ جماعت اپنے اندرونی نظم و نسق میں مکمل جمہوری ہوتی ہے اور اس کے تمام اراکین برابر کی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس جماعت کے اراکین با صفا اور پاک کردار دانشوروں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ ریاستی انتخابات میں اپنے نمائندوں کا انتخاب براہ راست عوام کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہر

کس و ناقص کو اس انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ صاحبانِ دانش کو ہوتی ہے۔ جابلوں اور انقلاب دشمنوں کو اس عمل سے باہر رکھا جاتا ہے۔ جب ایک خاص سکروینی کمیٹی کے عمل سے گزر کر ایک شخص کا دانشور ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو پھر وہ قانون ساز اسمبلی کے انتخاب میں بطور امیدوار حصہ لینے کا اہل قرار پاتا ہے۔ مغربی جمہوریت تو ”جنگ زرگری“ یعنی پیسے کا کھیل ہے جبکہ اسلام پیسے کے بغیر دانش اور عوامی پسندیدگی کی بنیاد پر عوامی انتخاب کا نام ہے۔ اسلام نظام سرمایہ داری طرح کسی چور، ڈاکو، سمگلر، جہانم پیشہ اور اسلام دشمن (Counter Revolutionary) شخص کو عوامی نمائندگی کا حق نہیں دیتا۔

اسلام چونکہ ابد الابد تک رہنے کیلئے آیا ہے چونکہ ہر دور اور زمانہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں اس لئے قرآن و سنت میں اسلامی سیاست کے صرف اصول و ضح کئے گئے ہیں مگر کسی جامد ڈھانچہ کی قید عائد نہیں کی گئی۔ ہر دور اور زمانہ کے معروضی حقائق اور ضروریات کے مطابق دئے گئے اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جمہوری ادارے تشکیل دئے جاسکتے ہیں۔ ہر دور کی ضروریات کے مطابق اجتہاد اور اجتماع امت کے دروازے کھلے ہیں۔ اسلام اس پر کوئی قدغن عائد نہیں کرتا۔ تاہم اسلامی ریاست میں خلیفہ کی حیثیت امریکی صدر کی مانند مرکزی ہوتی ہے مگر وہ مجلس شوریٰ کے ساتھ مشاورت کا پابند ہوتا ہے۔ اسلام میں بادشاہت یا شخصی آمریت کا سرے سے کوئی تصور نہیں ہے۔ خلیفہ وقت بھی قرآن و سنت اور ریاستی قانون کے سامنے اتنا ہی جوابدہ ہے جتنا کہ ایک عام آدمی۔ اسلام کے مثالی دور میں بارہا ایسا ہوا کی خلیفہ وقت قاضی کے سامنے بطور ملزم یا مدعی پیش ہوا اور قاضی کا فیصلہ خلیفہ کے خلاف آیا۔ اسی طرح سرکاری عاملوں کو بھی قانون کا تابع بنایا گیا۔

فلاحی ریاست کا قیام (Concept of Welfare State)

اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک بدوی غیر متمدن معاشرہ کے اندر ایک فلاحی ریاست قائم کی۔ اسلام نے ہر فرد کی آمدنی پر عشر اور زکوٰۃ نافذ کر کے بیت المال کے قیام کی راہ ہموار کی جو ریاستی دفاع اور غربا و مساکین کیلئے نامساعد حالات میں کفالت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے اندر انسانی اخلاقیات کے پھجر کو فروغ دے کر خیرات و صدقات کا درس دیا۔ اسلام نے عملی طور پر دنیا کا بہترین معاشرہ تخلیق کر کے دکھایا جس میں ہر فرد فکرِ معاش سے آزاد خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کو اس انداز میں یکجا کر دیا کہ انفرادی مفادات کو اجتماعی مفادات کے تابع کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عراق اور شام کی زمینیں سرکاری تحویل میں لے کر ان کے مالکان سے مارکیٹ ریٹ کے مطابق زر لگان (ٹھیکہ) وصول کیا جو عوام الناس کی فلاح کیلئے بیت المال میں جمع کر دیا

گیا۔

اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام نے معاشرہ کا وجود ہی ختم کر دیا۔ عورت اور مرد کے تعلقات کو محض جنسی تسکین اور افزائش نسل تک محدود کر دیا۔ ان دونوں نظاموں نے خاندان کا ادارہ اور اس سے وابستہ روحانی اور جذباتی اقدار کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ خاندان معاشرہ کا مضبوط ترین ادارہ ہوتا ہے اس کی عدم موجودگی میں معاشرہ اپنا وجود قائم ہی نہیں رکھ سکتا۔ لہذا خاندان کے ادارہ کے خاتمہ کے ساتھ معاشرہ کا وجود بھی ختم ہو گیا۔ اسلامی ریاست میں انسانی معاشرت کی تین جہیں ہوتی ہیں۔ یعنی فرد، معاشرہ اور ریاست۔ مگر نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت نے معاشرہ کا وجود ختم کر کے انسانی معاشرت کو فرد اور معاشرہ کی دو تہوں تک محدود کر دیا۔ اب فرد اور ریاست ہے اور معاشرہ درمیان سے غائب ہے۔ معاشرہ کی موت کے ساتھ اس سے منسلک ثقافت بھی مر گئی اور فرد بے سہارا ہو کر تنہائی کی گہری کھائی میں جا گرا۔ اسلام نے ان دونوں نظاموں کے مقابلہ میں ایک مضبوط اور جاندار معاشرہ تشکیل دیا جس میں معاشرہ کے تمام اراکین کے حقوق و فرائض کا واضح تعین کیا۔ میاں بیوی، ماں باپ، اولاد، ہمسائیہ، استاد شاگرد، بڑا چھوٹا غرض معاشرہ کے تمام اراکین (Stake-holders) کو ایک نامیاتی وحدت (Organic Unity) کے اندر پرو دیا اور یوں انسان کو حیوانی جبلت اور ریاست کے جبر سے بچا کر اسے معاشرتی تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک بدوی غیر متمدن معاشرہ کے اندر ایک فلاحی ریاست قائم کی۔ اسلام نے ہر فرد کی آمدنی پر عشر اور زکوٰۃ نافذ کر کے بیت المال کے قیام کی راہ ہموار کی جو ریاستی دفاع اور غرباد مساکین کیلئے نامساعد حالات میں کفالت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے اندر انسانی اخلاقیات کے کلچر کو فروغ دے کر خیرات و صدقات کا درس دیا۔ اسلام نے عملی طور پر دنیا کا بہترین معاشرہ تخلیق کر کے دکھایا جس میں ہر فرد قلب و معاش سے آزاد خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کو اس انداز میں یکجا کر دیا کہ انفرادی مفادات کو اجتماعی مفادات کے تابع کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عراق اور شام کی زمینیں سرکاری تحویل میں لے کر ان کے مالکان سے مارکیٹ ریٹ کے مطابق زر لگان (ٹھیکہ) وصول کیا جو عوام الناس کی فلاح کیلئے بیت المال میں جمع کروایا گیا۔

عوامی فوج کا تصور (Cocept of Peoples Army)

اسلام نے نہ صرف طریقہ جنگ طے کیا اور ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو ٹھکست دی بلکہ جنگ کے اخلاقی اصول بھی وضع کئے۔ اسلام نے دنیا کی سب سے بڑی عوامی فوج پیدا کی جس کی قیادت خود ایک

سولیمین خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اس عوامی فوج کے ذریعہ اسلامی ریاست کے خلاف ہونے والی تمام اندرونی اور بیرونی سازشوں کا قلع قمع کیا گیا۔ جنگ میں دشمن کی جنگ میں شرکت نہ کرنے والی عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ دشمن کی املاک کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ دشمن کے علاقے کی پھلدار درختوں تک کو کاٹنے سے منع فرمایا۔ صرف ان لوگوں سے مال کی شکل میں تاوان جنگ وصول کیا جنہوں نے اسلامی مملکت پر جنگ مسلط کی یا اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں میں حصہ لیا۔ اس کے بعد بھی جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ کسی بھی دوسرے مسلمان کے برابر حقوق کا حقدار بن گیا۔ اسلام نے جنگی قیدیوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ حتیٰ کہ خود کو بھوکا رکھ کر ان کو کھانا دیا۔ صرف ان قیدیوں یا قبائل کا خون بہایا گیا اور ان کی اجتماعی طاقت کو منتشر کیا گیا جو اسلامی ریاست کے خلاف مسلسل جنگ کی منصوبہ بندی اور سازشوں میں لگے رہتے تھے جیسا کہ چند یہودی قبائل کی مثال ہے جنہوں نے ہر لمحہ اسلام کے خلاف سازشوں کا بازار گرم رکھا اور ہر موقع پر اسلامی ریاست کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ باقی سب کو امن دیا گیا اور اسلام قبول کرنے پر برابر کا شہری ہونے کے حقوق سے بھی سرفراز کیا گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر اسلام نے اپنے بدترین دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔ تاریخ عالم میں اسکی کوئی مثال ہرگز نہیں ملے گی کہ کسی فاتح نے اس طرح اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کیا ہو۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی دور حکومت میں دنیا کی سب سے بڑی ”عوامی فوج“ (Peoples Army) تشکیل دی گئی۔ ”اسلامی لشکروں“ نے روم و فارس کی منظم اور باضابطہ پیشہ و فوجوں کو اپنے ”عوامی لشکروں“ کے ساتھ شکست دی۔ ریاست کی پیپلز آرمی میں ریاست کا ہر فرد سپاہی تھا مگر فوج کی کوئی ”چین آف کمانڈ“ قائم نہیں کی گئی تھی۔ مختلف محاذوں پر مختلف کمانڈر کام کرتے تھے۔ سب کے سب خلیفہ کے احکامات کے تابع کام کرتے تھے اور براہ راست خلیفہ کو ہی جواب دہ تھے۔ چونکہ مختلف محاذوں پر جنگ کرنے والے کمانڈروں کا آپس میں کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا تھا لہذا کوئی بھی جنگی کمانڈر اتنا طاقتور نہیں تھا کہ وہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کا سوچ سکے یا اقتدار پر قبضہ کرنے کا خیال دل میں لاسکے۔

جنگ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ (Consultative & Legislative Body) کے پاس ہوتا تھا۔ فیلڈ کمانڈر صرف موقع محل کے مطابق اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دیتے تھے۔ کسی بھی محاذ کا کمانڈر کسی بھی وقت کسی دوسرے عام سپاہی کے ساتھ تبدیل کیا جاسکتا تھا۔ یہ عسکری دنیا کی سب سے بڑی اور بہترین حکمت عملی ہے۔ دنیائے جدید آج تک اسلام کی اس جنگی حکمت عملی کا توڑ پیش نہیں کر سکی۔ اسلام کی نقالی میں آج مغرب اور دیگر عسکری اقوام اپنی افواج کو مختلف ”جنگی تھیٹرز“ میں تقسیم کرنے

کی حکمت عملی پروان چڑھارہی ہیں مگر ”اسلامی لشکروں“ کی صف بندی اور تنظیم کا مقابلہ وہ آج تک نہیں کر سکیں۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل آج کی چوتھی اور پانچویں نسل کی جنگ کے طریقے اپنائے۔ غزوہ بدر اور احد کی صف بندی، غزوہ احزاب کی انوکھی خندق، خیبر کے اندر دشمن کے قلعوں کو الگ الگ بکھیر کر ان کو شکست فاش سے دوچار کرنا اسلامی طریقہ جنگ کی صرف چند مثالیں ہیں۔ دنیا آج تک ان کا توڑ پیدا نہیں کر سکی۔

دنیا کے بہترین جنگجو فاتحین ہونے کے باوجود اسلام نے عام معافی کا خانہ کھلا رکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے بھی اپنے انقلاب کے داخلی اور خارجی دشمنوں کا قلع قمع کرنے کیلئے کچھ مواقع پر سخت ترین پالیسی اختیار کی مگر اس کے اندر بھی معافی کی گنجائش رکھی۔

جو شخص اسلام کا نظریہ قبول کر لے اور ”انقلاب اسلام“ کی ظاہری اور درپردہ مخالفت ترک کر دے اس کیلئے امن اور سلامتی ہے۔ یا پھر جو شخص اسلامی ریاست کے اندر ذمی یعنی ”غیر سیاسی شہری“ بن کر رہنا قبول کر لے اس کیلئے بھی سلامتی ہے۔ تاہم یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام نے ایک نظریاتی ریاست قائم کی اور اپنے نظریاتی دشمنوں کی بیخ کنی کی جو کہ دنیا کے ہر کامیاب انقلاب کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسلام نے تموار کو نظریہ کے تابع رکھا اور بے جا قتل و غارتگری سے اجتناب کیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ انتہائی اچھا سلوک کیا۔ صرف ان لوگوں کا قتل کیا گیا جو بار بار عہد شکنی کرتے رہے اور مسلسل اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے اور سمجھانے کے باوجود باز نہیں آئے۔ تاہم یہ بات بالکل درست ہے کہ اسلام انقلاب دشمنوں کیلئے کوئی رعایت نہیں کرتا اور اس سلسلہ میں اسلام کا رویہ غیر مفاہمت کنندہ ”کا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کیلئے قرآنی احکامات بھی یہی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم سورہ البقرہ آیت نمبر 189 اور 190 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔“

اسی طرح سورہ البقرہ آیت نمبر 193 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کیلئے رہ جائے۔ اور پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی روا نہیں۔“

سورہ الانفال آیت نمبر 39 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

”اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہی ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز نہیں تو اللہ ان کے کام دکھ رہا ہے۔“

مافیا گروہوں کا خاتمہ (Mafia Free State)

سرمایہ دارانہ نظام میں ریاست مختلف مافیا گروہوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اشتراکیت میں ریاست اور کمیونسٹ پارٹی بذاتہ خود مافیا کا کردار ادا کر رہی ہوتی ہیں جبکہ اسلامی ریاست عوام الناس کے مجموعہ کا نام ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست ایک طاقتور ریاست ہوتی ہے جو اپنے تمام شہریوں کی یکساں نمائندگی کرتی ہے۔ وہ نہ تو نظام سرمایہ داری کی طرح سرمایہ داروں کی طبقاتی نمائندگی کرتی ہے اور نہ ہی اشتراک کی ریاست کی طرح ایک پارٹی کو عوام کی آزادیوں اور حقوق پر مسلط کرتی ہے۔ اسلامی ریاست میں اجارہ داریوں پریشگر و پش، مافیا گروہوں اور جرائم پیشہ کارٹلز کو پیدا ہونے سے پہلے ہی کچل دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ اسلامی ریاست کو اس زاویہ نگاہ سے ایک جابرانہ ریاست (Absolute State) کہہ سکتے ہیں جو ریاست کے اندر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو پیدا نہیں ہونے دیتی۔

بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamenal Rights)

بنیادی حقوق اور ذاتی ملکیت کے حوالہ سے اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک خوبصورت امتیاز قائم کیا ہے۔ اسلام اعتدال کا مذہب ہے اس نے نہ تو انفرادی ملکیت کو بے لگام چھوڑا اور نہ ہی زندگی کا ہر شعبہ اجتماعیت کی نظر کیا۔ اسلام نے انفرادی آزادیاں دیتے ہوئے ان پر ریاستی قدغنیں عائد کیں۔ انفرادی آزادیوں کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ جہاں بھی انفرادی ملکیت ریاست یا معاشرہ کے اجتماعی مفاد سے متصادم ہوئی تو ایسی انفرادی ملکیت کو ختمی سرکار ضبط کر لیا گیا۔ اسلام نے اسلامی ریاست کے اندر ہر قسم کی اجارہ داریوں کی مکمل تیخ کنی کی۔ انفرادی ملکیت کو تحفظ دیا مگر اجتماعیت کو فوقیت دی۔ انفرادی ملکیت کو ایک خاص حد سے آگے نہیں جانے دیا۔ اسلام کے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو نجی ہاتھوں میں دینے کی بجائے ریاست کی ملکیت قرار دیا اور مزارعین کو دیگران سے الگانہ وصول کیا۔ اسلامی ریاست ہر اس جائیداد اور اثاثہ کو ضبط کر سکتی ہے جو اسلامی ریاست کے اندر اجارہ داری کا باعث بن رہی ہو یا عوام الناس کے مشترکہ مفادات سے متصادم ہو۔

بنیادی حقوق میں سب سے اہم حق انسانی جان کی حرمت کا ہے۔ قرآن کریم سورہ المائدہ آیت نمبر

”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے گا، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کیلئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔“

گویا دین اسلام کے مطابق کسی بیگناہ انسان کا قتل پوری بنی نوع انسان کے قتل کے مترادف ہے۔ حدیث پاک ہے:

”ظالم اور جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔“

حضرت علی کا ارشاد ہے:

”قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا تو سب سے پہلے خون ناحق کے مقدمے پیش ہوں گے۔ یاد رکھو! خون ریزی سے تمہاری حکومت طاقتور نہیں ہوتی بلکہ کمزور ہو کر مٹ جاتی ہے۔“

شخصی اور مذہبی حوالوں سے قرآن کریم سورہ البقرہ آیت نمبر 256 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔“

گویا ہر شخص اپنے مذہبی عقائد کے اعتبار سے آزاد ہے اور کسی کو جبری طور پر مذہبی کی تبدیلی کیلئے مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں کو اپنے عقائد کے مطابق اپنی عبادات اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں سے جزیہ کی وصولی پر اعتراض کرتے ہیں۔ جزیہ ایک ایسا ٹیکس ہے جو اسلامی ریاست غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے عوض وصول کرتی ہے۔ سر آرٹلڈ اپنی کتاب ”The Preachings of Islam“ میں لکھتے ہیں:

”مصر کے اندر جب عیسائی مسلمان فوج میں شامل ہو کر فوجی خدمات انجام دیتے تھے تو ان سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔“

حضرت علیؓ نے ذمیوں کے حقوق کے بارے میں اپنے ایک گورنر کو لکھا:

”تمہارے علاقے کے زمینداروں نے تمہاری سختی، سنگدلی اور تحقیر کی شکایت کی ہے۔ بے شک یہ لوگ شرک ہیں مگر ان کے ساتھ تاروا سلوک نہ رکھنا اور ان کیلئے نرمی کا لباس پہننا۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جس سے کہ یہ لوگ تمہارے قریب آجائیں نہ کہ یہ تم سے دور ہو جائیں۔“

اہم نوٹ:

آپ اسلام کے خالص نظریہ کو اسلام کے دور زوال میں پیدا ہونے والی ”ملوکیت“، ”ملاہیت“ اور ”عجمی تصوف“ یعنی پیر پرستی کے حوالہ سے نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تینوں دارے اسلام کی روح کیلئے مکمل طور پر

اجنبی ہیں۔ اسلامی دنیا کے اندر جب خلافت پر ملوکیت یعنی بادشاہت نے قبضہ کیا تو اس نے اپنے نظریاتی تحفظ کیلئے دو اور ادارے قائم کئے۔ ان میں سے ایک ادارہ ”ملائیت“ کا تھا اور دوسرا ادارہ ”تصوف“ یعنی ”غیر سیاسی اسلام“ والوں کا تھا۔ قرآن کے فلسفہ تصوف کے اندر عجیبی خیالات اور اسرائیلیت کے فرسودہ نظریات کو داخل کر کے اسے ”اسلامی تصوف“ کا نام دے دیا گیا۔ عوام کے اندر گمراہی پھیلانی گئی اور قرآنی تعلیمات کو نسخ کرنے کی بھونڈی کوشش کی گئی۔ فلسفہ ”بہ اوست“ جیسے غیر اسلامی خیالات نے امت مسلمہ کو قرآنی تعلیمات کے برعکس لامعلیت کی حشیش پلا کر دنیا و مافیہا سے بیگانہ کر دیا۔ ملائیت کی سربراہی کرنے والے علمائے سونے بادشاہوں کے حق میں ناجائز فتوے جاری کئے اور ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کے فریضہ سے پہلو تہی اختیار کی۔ ”ملائتی صوفیوں“ جہاد کا راستہ چھوڑ کر عوام الناس کو حکمرانوں کے خلاف بغاوت سے روکا اور طاغوتی حکمرانوں کے اقتدار کو مستحکم ہونے میں مدد دی۔ نتیجہ کے طور پر اسلامی خلافت کی جگہ موروثی بادشاہتیں قائم ہو گئیں اور انہوں نے علمائے سو سے قرآن کریم کی من پسند تشریحات کروانا شروع کر دیں۔ اقبالؒ نے بھی اسلام کے دور زوال کا باعث متذکرہ بالا ان ہی تین اداروں کو قرار دیا ہے۔ اس بات کی جھلک ان کے سات خطبات جو کہ ”Reconstruction of Religious Thought in Islam“ میں بھرپور طریقہ سے موجود ہے۔ اسی طرح ان کا کلام میں بھی جا بجا اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

باقی نہ رہی تیری وہ روشن ضمیری
اے کھنڈ سلطانی و ملائی و پیری
(اقبالؒ)

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کر تقدیر کا بہانہ
(اقبالؒ)

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق
(اقبال)

اسلام کا بنیادی ماخذ قرآن ہے جس کے حوالہ جات یہاں پیش کئے گئے ہیں۔ قرآن کے انقلابی پروگرام کو سمجھنے کیلئے کسی صوفی و ملاکی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کے انقلابی پیغام کو سمجھنے کیلئے قرآن ہی بنیادی ماخذ ہے اور اس کا نسخہ ہر جگہ با آسانی دستیاب ہے۔ آپ خود مطالعہ کر سکتے ہیں۔

عصری نظریات کا تقابلی جائزہ

”تہذیبوں کا تصادم“ (Clash of Civilizations) کا مصنف سموئیل پی ہنٹنگٹن کہتا ہے:

”تہذیبوں کی مرکزی شناخت مذہب ہے۔“

مشہور ثقافتی تاریخ دان کرسٹوفر ڈاوسن (Christopher Dawson) کہتا ہے:

”عظیم مذاہب وہ بنیادیں ہیں جن پر عظیم تہذیبیں کھڑی ہیں۔“

یہ بات ہر صاحب دانش کو ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ دنیا میں معیشت کے صرف دو ہی بنیادی اور بڑے ماخذ ہیں ایک اسلام اور دوسرا یہودیت۔ عیسائیت چونکہ پہلے دن سے ہی ایک غیر سیاسی اور غیر ریاستی مذہب رہا ہے لہذا اس کا اپنا الگ کوئی نظام معیشت نہیں ہے۔ اس وقت معیشت کے جتنے بھی ماڈل ہیں وہ سب کے سب بلواسطہ یا بلاواسطہ صرف ان دو نظام ہائے معیشت یعنی یہودیت اور اسلام سے ہی اخذ شدہ ہیں۔ باقی سب فریب نظر اور انسانی ذہن کی کوتاہ اندیشی ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کی حفاظت کیلئے نہیں بلکہ اس کے خاتمہ کیلئے آیا ہے۔ انسان زر پرستی کا نہیں بلکہ انسان کو شرف انسانیت سے روشناس کروانے کا مذہب ہے۔ اسلام استحصال اور سود یعنی ”پیسہ کے ذریعہ پیسہ کمانے“ کو حرام قرار دیتے ہوئے سرمایہ دارانہ فلسفہ کی مکمل بنیاد کٹی کرتا ہے۔ اسلام سود کو اللہ اور اس کے رسول سے جھگ قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس یہودیت کی بنیاد ہی سود اور انسانی استحصال پر ہے۔ یہودی اپنے ہم مذہبوں کے علاوہ باقی ساری دنیا کے لوگوں سے سود وصول کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ چونکہ یہودیت ایک نسلی قبیلہ ہے اور باقی ساری دنیا کو اپنے سے کمتر اور بیچ جانتی ہے اس لئے غیر یہودیوں کی محنت سے فائدہ اٹھانا اور ان کا استحصال کرنا اس نظریہ کی فطری اساس ہے۔

یہودیت نظام سرمایہ داری کی محافظ اور اسلام نظام سرمایہ داری کا نظریاتی دشمن ہے۔ گویا اسلام اور

یہودیت دو متضاد اور متضاد نظام معیشت ہیں۔ چونکہ جدید سرمایہ داری کا نظریہ یہودیت کے نظام سے اخذ ہے لہذا وہی اس نظام کی پروردہ اور مالک ہے۔ دنیا میں دو ہی نظام معیشت ہیں یعنی اسلام اور یہودیت۔ باقی سب ان کے چر بے ہیں چاہے وہ سرمایہ داری ہو، کمیونزم ہو، سوشلزم ہو، فیکٹیکن سوشلزم ہو، گلڈ سوشلزم ہو، فاشلزم ہو، نیشنل سوشلزم ہو یا کوئی بھی دوسرا نظام معیشت ہو وہ سب کے سب انہی ہی دو نظاموں سے اخذ شدہ ہیں۔ اگر کوئی نظام سود اور استحصال کی وکالت کرتا ہے تو وہ یہودیت سے اخذ شدہ ہے۔ اس کی بڑی مثال نظام سرمایہ داری (Capitalism) ہے اور اگر کوئی نظام معاشی انصاف، سود اور استحصال کے خاتمہ اور رنگ و نسل کی تمیز کے خاتمہ کا مدعی ہے تو وہ اسلام سے اخذ شدہ ہے۔ اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت سے بالکل جدا ایک معاشی ماڈل ہے جسے ہم جدید سیاسی و معاشی اصطلاح کے اندر ”ریاستی اجارہ دارانہ معیشت“ (State Controlled Economy... SEC) کہہ سکتے ہیں جس میں کہ فرد کو انفرادی کاروبار اور جائیداد کا حق حاصل ہے مگر اجارہ دارانہ حیثیت کسی فرد یا نجی ادارہ کی نہیں بلکہ اسلامی ریاست کی ہے جو انفرادی سرمایہ کاری اور اجتماعی مفادات کے درمیان ریگولیشنری اتھارٹی اور ثالث کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اسلامی ریاست میں اپنے انفرادی معیشت اپنے ارتقائی منازل طے کر کے سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بننے کی بجائے ایک خاص مقام پر جا کر ”اجتماعی عوامی معیشت“ (Joint Peoples Economy... JPE) کا حصہ بن جاتی ہے۔

مارکسی نظریہ کا ایک بہت بڑا حصہ اسلامی تعلیمات کا چر بے ہے۔ اسلام دنیا میں 611 صدی عیسوی میں آیا جبکہ کارل مارکس اس کے تقریباً بارہ سو سال بعد 1818 کو پیدا ہوا۔ اس نے در پردہ اسلامی تعلیمات کا بغور مطالقی (Applied) مطالعہ کیا اور اپنا نظریہ ”قدر برآمد“ اسلامی تعلیمات سے ہی اخذ کیا۔ چونکہ اس کا خاندان کئی نسلوں سے یہودیوں کا مذہبی پیشوا (ربی) چلا آ رہا تھا اسلئے اس نے یھوینا اسلام کے اطلاقی پہلو کا بغور مطالعہ کیا ہوگا۔ اس نے کمیونسٹ انقلاب کی حکمت عملی کا بھی ایک بڑا حصہ اسلام کے انقلاب سے ہی اخذ کیا مگر اس کے اندر ایک تو اسے ”علمی بددیانتی“ یہ کہ اس کا کریڈٹ اسلام کو دینے کی بجائے خود اپنے سر لے لیا اور دوسرے اس ”شہد“ کے اندر ”زہر“ یہ ملایا کہ مذہب کا انکار کر کے اور سیکولر ازم کو اپنے فلسفہ کا بنیادی نقطہ بنا کر غیر جڑوں کے معاشرے پیدا کرنے کی کوشش کی۔

دوسرے الفاظ میں اس نے عالمی صیہونیت کے ایجنڈا کی تکمیل کیلئے راہ ہموار کی۔ کارل مارکس یہودی قبیلہ ”اشک نازی“ سے تعلق رکھتا تھا۔

دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ دار خاندان روجسٹرانڈ کا تعلق بھی اسی قبیلہ یعنی ”اشک نازی“ سے تھا اور

دونوں ہی لندن میں مقیم تھے۔ کارل مارکس کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی تھا ہی نہیں۔ تجزیہ نگار اور مورخین اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ روٹھسائیلڈ ہی اسکا سرپرست تھا اور کارل مارکس اسی کے پراجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔ اس شبہ کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مارکسزم کی بنیادی مفاد کٹندہ عالمی صیہونیت ہی ہے۔ مارکسزم نے مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے انسان سے اسکی ہزاروں سالہ ثقافت اور روحانی اقدار چھین کر اسے ”عالمی خانہ بدوش“ (Lumpen Proletariat) یعنی انسانی معاشروں کو بغیر جڑوں کے معاشروں میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مارکسزم انسانی تہذیب و ثقافت پر سیکولر ازم کے بعد سب سے بڑا حملہ تھا۔ اگر سیکولر ازم ابتدا تھی تو مارکسزم انتہا تھی۔ سیکولر ازم نے تو مذہب کو ریاستی معاملات سے الگ کر کے مذہب کے بغیر ایک غیر مذہبی معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کی مگر مارکسزم نے مذہب کے خاتمہ کیلئے مذہب کے خلاف طبل جنگ بجا دیا۔ مارکسزم انسان کا اس کی ثقافت اور تہذیبی اقدار سے رشتہ توڑ کر اسے ایک بین الاقوامی ہجوم (Herd) کا حصہ بنانا چاہتا ہے جہاں بغیر جڑوں اور بغیر شناخت کے انسان جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہوں اور ان کے اندر عالمی سامراج کے خلاف ثقافتی، تہذیبی اور مذہبی مزاحمت کی حس مکمل طور پر دم توڑ چکی ہو۔

چونکہ کارل مارکس کا نظریہ بہت سی نقاط پر اسلامی تعلیمات سے ”پوری“ کا نتیجہ ہے اسلئے بہت سی جگہوں پر مارکسزم اور اسلام کے درمیان مشابہت نظر آئیگی مگر اسلام مارکسزم بطور نظریہ بالکل الگ اور جداگانہ شناخت کے مالک ہیں۔ کارل مارکس کا نظریہ ”بغیر جڑوں“ کے معاشروں کو جنم دیتا ہے جبکہ اسلام زندگی کو ایک جاندار معاشرہ، زرخیز ثقافت، معنویت اور روحانی اقدار عطا کرتا ہے۔ مارکس انسان کو ”معاشری حیوان“ کا درجہ دیکر اس کی جذباتی اور روحانی ضروریات کا منکر ہے جبکہ اسلام انسان کو اس کائنات کی ایک روحانی اور جذباتی اکائی کے طور پر لیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنے نائب ہونے کا درجہ دیکر اس کی انفرادیت کو اجاگر کیا ہے۔

مارکسی نظام معیشت تمام چھوٹی بڑی انفرادی سرمایہ داری کو ختم کر کے ایک بڑی سرمایہ داری یعنی ”ریاستی سرمایہ داری“ کو جنم دیتا ہے۔ جس میں تمام ذرائع پیداوار کے ساتھ ساتھ تمام شعبہ ہائے زندگی پر ریاست قابض ہو جاتی ہے اور نظام سرمایہ داری کے اندر فرد کو جو تھوڑی بہت آزادی اور حقوق حاصل ہوتے ہیں وہ بھی چھین لئے جاتے ہیں۔ یہ غیر حقیقت پسندانہ نظام حیات ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں اسلام ہر قسم کی اجارہ دار سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیتا ہے مگر انفرادی کاروبار اور جائیداد پر بھی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اسلامی معیشت میں کاروبار کو ”بازار کی معیشت“ یعنی فری مارکیٹ اکاؤمی (Free Market Economy)

کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا۔ تمام معاشی پالیسیوں کا فیصلہ ریاست کرتی ہے۔

اسلام میں ریاست کا کردار ایک فیصلہ کن ”عالت“ اور ”ریگولیٹری اتھارٹی“ کا ہے اور کسی میں جرأت نہیں کہ وہ اسلامی ریاست کے حکم کے خلاف سر مو انحراف کر سکے۔ جو کوئی ایسا کرے گا اس کا یہ اقدام بغاوت کے زمرہ میں آئے گا اور ریاست قاہرانہ قوت کے ساتھ اس کے خلاف جہاد کا اعلان کر کے اسے کچل ڈالے گی۔ اسلام کسی شکل میں بھی طبقاتی معاشرہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام معاشرہ کی بنیاد ”مصلح مرسلہ“ (Public Good) یعنی اجتماعی مفادات پر رکھی گئی ہے۔ اسلام میں اجتماعی مفادات (Public Good) ہمیشہ انفرادی مفادات (Individual Interest) پر غالب رکھے جاتے ہیں اور اس میں ذرا برابر رعایت نہیں کی جاتی۔ اسلام میں ریاست کسی سرمایہ دار طبقہ کی بجائے اجتماعی مفادات کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اسلام کبھی بھی انفرادی سرمایہ داری کو مادر پدر آزادی دیکر ریاست کے اندر ریاست اور طبقاتی حکمرانی قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلامی معیشت بتدریج انفرادی سرمایہ داری سے اجتماعی عوامی معیشت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی واضح مثال اسلام کے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا دور حکومت ہے جب ہر ضرورت مند کا اس کی خاندانی ضرورت کے مطابق ریاست نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور انفرادی معیشت کو اجتماعی معیشت میں تبدیل کر دیا تھا۔ حتیٰ کی حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں تمام مسلمانوں کیلئے ”اجتماعی دسترخوان“ کی تجویز پر بھی نہایت سنجیدگی سے غور کیا گیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلام اپنے ایک مخصوص ایک انداز میں اجتماعی معیشت پر یقین رکھتا ہے۔ اس تجویز سے اصولی طور پر اتفاق کیا گیا مگر محض اس خیال سے اس پر عملدرآمد نہ کیا گیا کہ ہر شخص کا اپنا ایک الگ مخصوص ذائقہ اور انتخاب خوراک ہوتا ہے لہذا اس سے خوراک کے سلسلہ میں انفرادی آزادی پر قدغن لگے گی اور غیر ضروری مشکلات پیدا ہوں گی۔

مارکسی نظام میں انسان ریاست کا غلام ہے۔ اس کا قد و قامت کم ہو کر ایک کمزور ریاستی پرزہ کا بن جاتا ہے جبکہ اسلام انسان کی شخصیت سنوارتا اور نکھارتا ہے۔ وہ اجتماعیت کا حصہ ہوتے ہوئے ایک ”طاقتور فرد“ کے طور پر بھی اپنا تخلیقی وجود برقرار رکھتا ہے۔ اسلام میں فرد، ریاست اور معاشرہ باہم لازم و ملزوم ہیں جبکہ مارکسزم میں ریاست یکطرفہ طور پر فرد پر غالب اور معاشرہ کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ مارکسزم میں صرف فرد اور ریاست ہوتی ہے۔ معاشرہ ناپید ہو جاتا ہے اور فرد ریاست کے یکطرفہ طور پر تابع ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام میں فرد کی انفرادیت قائم و برقرار رہتی اور ایک طاقتور معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ فرد اور معاشرہ کے باہم اشتراک سے ریاست وجود میں آتی ہے جو فرد اور معاشرہ دونوں کیلئے جائے امان اور ”ماں“ کا درجہ رکھتی

ہے۔ مارکسی نظریہ انفرادی ملکیت کا مکمل انکار کر کے انسان کو ”اجتماعیت کے قید خانہ“ میں بند کر دیتا ہے جبکہ اسلام انفرادی ملکیت کی حد بندیاں مقرر کر کے اور اجتماعی مفادات (Public Good) کے تابع کر کے ایک متوازن معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے۔

نظام سرمایہ داری کی تو بنیادیں ہی جنگل کے اصولوں ”یعنی جسکی لالچی اس کی بھینس“ کے غیر انسانی اصولوں پر رکھی گئی ہیں۔ سرمایہ داری نے طبقاتی امتیازات میں تقسیم ایک غیر انسانی معاشرہ تخلیق کیا ہے۔ دوسروں کے وسائل کو بزور طاقت لوٹنا، عالمی جنگوں کو رواج دینا اور انسانی سماجوں کو طبقاتی حد بندیوں میں تقسیم کرنا ہی نظام سرمایہ داری کا اصل چہرہ ہے جو کہ غیر انسانی ہے۔ سرمایہ داری کا خمیر اجارہ داری، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، طبقاتی تفریق، استحصال اور انسانی محنت کی بجائے دولت کے ذریعہ دولت کمانے کے نظریہ سے بنا ہے۔ یہ عالمی سود خوروں کا ترتیب دیا ہوا ایک ایسا نظام ہے جسکی سرے سے کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے۔

سرمایہ داری ایک طبقہ کے پاس دولت کے انبار لگا دیتی ہے اور دوسرے طبقہ سے نان و نفقہ کا حق بھی چھین لیتی ہے۔ سرمایہ داری معاشرہ میں بدترین قسم کی طبقاتی تقسیم کو جنم دیتی ہے۔ اشتراکیت انسان کو اجتماعیت کے قید خانہ میں بند کر کے اس اسکی انفرادیت اور تخلیقی جوہر چھین لیتی ہے۔ انسان سے اس کا مذہب اور اقدار چھین لیتی ہے۔ انسان سے اس کے بنیادی حقوق اور آزادی اظہار کا حق چھین کر اسے جانوروں کی سطح پر گرا دیتی ہے۔ اشتراکیت نے انسان سے وہ حقوق بھی چھین لئے جو اسے نظام سرمایہ داری کے اندر حاصل تھے۔ مثلاً آج بے لنگر، یونین سازی کا حق، احتجاج کا حق، تحریر و تقریر کی آزادی کا حق وغیرہ۔ البتہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ چھین لینے کے باوجود معاشی خوشحالی لانے میں ناکام ہے۔ جدت عمل اور انفرادی جوہر سے محروم معاشرے کبھی بھی معاشی اور سیاسی توازن کی منزل کو نہیں پہنچ سکتے۔ اشتراکیت معاشرہ کے وجود کو ختم کر کے ہر چیز براہ راست ریاستی قوانین کے تابع کر دیتی ہے۔ ریاست کی بے جا پابندیاں (Over Regulations) انسان کو ریاستی قید خانہ میں بند کر دیتی ہیں جہاں زندگی اور موت کے درمیان فرق کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال:

زندگی ایں را خروج آں را خراج

درمیان ایں دو سنگ آدم زجاج

ترجمہ: ”سرمایہ داری انسانی زندگی سے خراج وصول کرتی ہے اور اشتراکیت زندگی کو ہی خارج کر

دیتی ہے یعنی جینے کی حس ہی مٹا دیتی ہے۔ چکی کے ان دو پائوں کے درمیان نسل آدم پس رہی ہے۔“

ایک مغربی مفکر نے اشتراکیت پر خوب تبصرہ کیا تھا کہ ”اشتراکیت ایک امیر آدمی کو غریب تو بنا سکتی ہے مگر ایک غریب آدمی کو امیر نہیں بنا سکتی“۔ اشتراکیت انسان کو اجتماعیت کی قید میں لا کر اسے اندر جام کر دیتی ہے جو بالآخر معاشی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

سرمایہ داری کی بنیاد سود پر رکھی گئی ہے۔ اگر سود ختم کر دیا جائے تو نظام سرمایہ داری ختم ہو جاتا ہے۔ اگر ایک لفظ میں ہم سرمایہ داری کا تجزیہ کرنا چاہیں تو وہ یوں بنے گا:

سود = سرمایہ داری = عالمی سامراج

اسلام نے ”سود“ کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیکر سرمایہ داری کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اسلام کے اندر سرمایہ داری اور سودی نظام کا گزرتک نہیں ہو سکتا۔ جو شخص کسی بھی طور پر سودی کاروبار سے تعلق رکھتا ہے اس کا اسلام کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ سودی دستاویز لکھنے والا یا سودی کاروبار کی گواہی ضمانت دینے والا بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں میں شامل ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریگا تو وہ مسلمان تو نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم سورہ البقرہ آیت نمبر 278 اور 279 تک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اب بھی تو بہ کر لو اور اپنا اصل سرمایہ لے لو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

گویا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کر دیا کہ سود خور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ صاف ظاہر ہے جس کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ سورہ آل عمران آیت نمبر 130 اور 131 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت کھاؤ سود گناہ گنا، بڑھتا چڑھتا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔“

اس آیت مبارکہ کا مفہوم بڑا واضح ہے کہ سود خوروں کو کافروں کیلئے تیار کی گئی جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔ گویا کہ سود کا کاروبار کرنے والے مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر ہیں۔ نظام سرمایہ داری کی بنیاد ”سرمایہ کے ذریعہ سرمایہ کمانے“ کے نظریہ پر رکھی گئی ہے جبکہ اسلام سے ”سرمایہ کے ذریعہ سرمایہ کمانے“ کی ہر شکل کو سود اور اسلام کے منافی قرار دیا ہے۔ ”سرمایہ کے ذریعہ سرمایہ کمانے“ پر پابندی لگا کر اسلام نے استحصال کی

تمام شکلوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا ہے۔ اسلام کی سودی نظام یعنی نظام سرمایہ داری کے ساتھ نتھی کرنے والے فاسق اور اللہ اور اسکے رسول کے خلاف جنگ کرنے والے کافروں میں شامل ہیں۔

اسلام نے انفرادی مفادات پر اجتماعی مفادات کو بطور نظریہ ترجیح دی ہے۔ اسلام کے اندر ”مصلح مرسلہ“ (Public Good) کا تصور ہر جگہ غالب ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے اندر اجارہ دار اور مافیا گروہوں کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے گروہوں کے خلاف قرآن تلوار سے جہاد کا حکم دیتا ہے۔ یہ جہاد امت مسلمہ کے ہر فرد پر فرض ہوتا ہے اور یہ جہاد اجتماعی طور پر پورا معاشرہ اور ریاستی قوت مل کر کرتی ہے۔

اسلام دنیا کا طاقتور ترین معاشرہ، طاقتور ترین ریاست اور طاقتور ترین فرد پیدا کرتا ہے۔ یہ خصوصیت دنیا کے کسی اور نظام کے اندر موجود نہیں ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے اندر معاشرہ ناپید ہو جاتا ہے۔ صرف فرد اور ریاست رہ جاتی ہے۔ معاشرہ کے خاتمہ سے فرد جذباتی طور پر مر جاتا ہے اور ریاست جابرانہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دنیا کا کوئی نظام آج تک ان تینوں اداروں یعنی فرد، معاشرہ اور ریاست کو بیک وقت قائم نہیں رکھ سکا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے ان تینوں اداروں کو بیک وقت قائم رکھا ہے، ان کے درمیان توازن برقرار رکھا ہے اور تینوں ایک ”نامیاتی وحدت“ کے اندر یکجا کر کے ان کو ایک دوسرے کیلئے مددگار بنایا ہے۔

اسلام نے دنیا کا سب سے طاقتور معاشرہ تخلیق کیا جس میں کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر، عربی کو عجمی پر اور عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ تمام انسان رنگ و نسل سے بالاتر یکساں انسان تصور کئے جاتے ہیں۔ قانون سب کیلئے یکساں ہے۔ اسلام نے معاشرہ کی ہر اکائی کو اجتماعیت کا حصہ قرار دیا۔ بیوی اور شوہر کے الگ الگ منصفانہ بنیادوں پر حقوق مقرر کئے۔ قیموں اور بیواؤں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ ناجائز طریقوں سے دوسروں کے مال بڑپ کرنے سے منع فرمایا۔ ہمسایوں کے حقوق کو فوقیت دی۔ کم ناپ تول اور تجارت میں دھوکہ دہی سے منع فرمایا۔ عرب کے سرداری نظام کا خاتمہ کیا۔ خود مختار اسلام نے اپنی ذات اقدس کو محاسبہ کیلئے پیش کیا۔ پوری دنیا کی دولت قدموں میں آ جانے کے باوجود فقیرانہ طرز زندگی اختیار کیا۔ طبقاتی تقسیم کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ ایک ایسا منصفانہ معاشی نظام قائم کیا جس میں ہر کسی کے حقوق و فرائض مقرر فرمائے۔ اسلام نے ایک مضبوط ترین معاشرہ اور اجتماعیت کی بنیاد رکھی۔ ارتکاز زر کو گناہ و کبیرہ قرار دیا۔ غزوہ احزاب میں خود خندق کھودی اور اپنے ہاتھوں سے پتھر اٹھائے۔ پیغمبر اسلام نے اپنے ذاتی کام خود اپنے ہاتھوں سے کئے۔ اپنے کپڑے خود دھوئے اور اپنا جوتا خود مرمت کیا۔ دنیا کا بہترین عائلی

نظام قائم کیا۔ عورت کو وراثت میں حقدار ٹھہرایا۔ انصاف کا یہ عالم کہ کسی ادنیٰ و اعلیٰ میں کوئی تمیز نہ رکھی۔ فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کو بھی اسلامی قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ فیض احمد فیض نے ایک نعت میں پیغمبر اسلام کی اس فقیرانہ زندگی کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

اے تو کہ ہست ہر دلی محزوں سرائے تو
آوردہ ام سرائے دگر از برائے تو
خولجہ بہ تحت بندۂ تشویش ملک و مال
بر خاک رشک خسروِ دوراں گدائے تو
آنجا قصیدہ خوئی لذات سیم و زر
ایں جا فقط حدیث نشاط لقاے تو

ترجمہ: ”ایک تو (محمد ﷺ) ہے کہ ہر مغموم دل کا آسرا ہے۔ میں تیرے لئے ایک اور خوشی کی خبر لے کر آیا ہوں۔ سرمایہ دار تاج و تخت پر بیٹھ کر اپنے سرمایہ اور اپنی سلطنت کی فکر میں ہر لمحہ پریشان رہتا ہے مگر اس کے برعکس تیرا خاک نشین گدا بھی زمین پر بیٹھ کر بادشاہوں کیلئے قابل رشک ہے۔ بادشاہوں کے ہاں سونا اور چاندی کی قصیدہ خوانی کی جاتی ہے مگر تیرے ہاں ہر دم روحانی وجدان اور تیری دید کی خواہش کی دولت نچھاور کی جاتی ہے۔“

اسلام نے انسان کو کائنات کی تہائیوں اور یاسیت سے نکال کر اسے کائنات کے دیگر عناصر کا ہمسفر بنایا ہے۔ اسے ایک وسیع کائناتی دنیا کا باشندہ ہونے کا تصور دیا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار قرار دیا۔ اسلام نے انسان کو وجدان اور روحانی کیفیات سے آشنا کیا ہے۔ اسلام نے انسان کو کائنات کے اندر ایک منفرد اکائی کے طور پر تسلیم کیا ہے جس کا وجود اجتماعیت کے وجود سے وابستہ ہے۔

اسلام نے زندگی مابعد الموت کا تصور دیکر انسان کو کائنات کی لافانی مخلوق بنا دیا۔ اسلام کے نزدیک یہ دنیا دار لفنا ہے۔ اسلام نے ایسا تصور حیات دیا ہے کہ جس میں انسان اس کائنات میں تنہا نہیں ہے بلکہ کائنات کے دیگر عوامل کے ساتھ مل کر محو سفر ہے۔ اس کائنات کا ایک تخلیق کنندہ ہے جس نے انسان کو اس زمین پر اپنا نائب مقرر کیا ہے اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا ہے کہ وہ زمین پر انصاف اور امن کا نظام قائم کرے۔ اس سفر اور جہد و جہد میں اسے ہر لمحہ خالق کائنات کی رہنمائی اور فیجی امداد حاصل ہے۔ کاتب تقدیر نے فرعون کو جبہ آب غرق کر دیا اور اپنے مومن بندوں کو بچا لیا۔ قرآن کریم کی ”سورہ انفکوری“ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ جب تارے جھڑپڑیں گے۔ جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی۔ اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔ اور جب سمندر آگ ہو جائیں گے، اور جب جانوروں کے جوڑے بنائے جائیں گے، اور جب زندہ دفن کی جانے والی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں زندہ دفن کیا گیا تھا؟ اور جب عملوں کے دفتر کھولے جائیں گے، اور جب آسمان اپنی جگہ سے کھینچ لیا جائے گا، اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی، اور جب جنت قریب لائی جائے گی تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ اپنے ساتھ کیا لایا ہے۔“ گویا اسلام نے دنیاوی احتساب کے ساتھ موت کے بعد احتساب کا بھی تصور دیا ہے اور اس طرح انسان کے اندر ”نیکی“ اور ”بدی“ کا ایک مضبوط اور جامع تصور راسخ کیا ہے۔

اسلام صرف عقائد اور مسلک کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل رابطہ حیات ہے۔ یہ سیاسی، سماجی، معاشی، عسکری، روحانی غرض زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسلام نے دنیا کا سب سے بڑا بیت المال قائم کیا اور فرد کو معاشی آزادی سے ہمکنار کیا۔ اسلام نے بادشاہت کا خاتمہ کر کے ایک دنیا میں پہلی عوامی حکومت کی بنیاد رکھی اور سربراہ مملکت کو ایک عام آدمی کے سامنے جوابدہ قرار دیا۔ اسلام نے دنیا کی سب سے بڑی عوامی حکومت قائم کی اور آزاد عدلیہ کا تصور دیا۔ اسلام کے زیریں دور میں خلیفہ وقت خود قاضی کی عدالت میں پیش ہوتا رہا اور کئی مرتبہ فیصلہ خلیفہ کے خلاف ہوا۔ اسلام رنگ و نسل اور سرداری نظام کا قاطع اور انسانی تاریخ میں عوامی جمہوریت (Peoples Democracy) کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل نبی پاک ﷺ کو سرداری نظام کا قاتل قرار دیتا ہے۔ وہ غلاف کعبہ کو پکڑ کر کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے ہمارے سینے چیر کر رکھ دیئے ہیں۔ وہ انسانی مساوات کا درس دیتا ہے۔ وہ عربی اور عجمی کو برابر کے انسان کہتا ہے۔ اقبال نے اپنی فارسی شاعری میں اسے یوں قلمبند کیا ہے:

سینہ ما از محمد داغ داغ
کہ از دم او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود
نوجوانان را زد سب ما ربود
مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش منکر و از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست
بے غلام خویش بر یک خواں نشست

احمران و اسوداں آویختند
 آبروئے دود مانے ریختند
 ابن عبد اللہ فریش خوردہ است
 رستخیزے بر عرب آوردہ است

ترجمہ: ”محمد ﷺ نے ہمارے دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اسکی وجہ سے کعبہ کی روشنیاں بجھ گئی ہیں۔ وہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی باتیں کرتا ہے۔ اس نے ہمارے نوجوانوں کو ہم سے چھین لیا ہے۔ وہ قوم پرستی اور حسب و نسب کی فضیلت کا انکار کرتا ہے۔ وہ اہل قریش اور عربوں کی برتری کے نظریہ کو بھی رد کرتا ہے۔ اس کی نظر میں چھوٹے اور بڑے سب برابر ہیں۔ وہ اپنے ملازم کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ گورے اور کالے سب برابر ہیں۔ محمد ﷺ کے دین نے ہم عربوں کے نسلی تفاخر اور عزت و آبرو کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے عبد اللہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا انسانی مساوات کا درس صحیح نہیں ہے اور اس نے انسانی مساوات کا درس دے کر عرب کے اندر قیامت برپا کر دی ہے۔“

اقبالؒ نے ”ارمغانِ حجاز“ میں اپنی مشہور زمانہ نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں نظام سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام کا بغور نظر تقابلی جائزہ لیا ہے جو قابلِ داد ہے۔ اسکا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ ابلیس کے پانچ مشیر ہیں۔ ابلیس اپنے ابلیسی نظام کو دنیا میں برقرار رکھنے اور اسکو درپیش خطرات کا جائزہ لینے کیلئے اپنے ان پانچوں مشیروں کا اجلاس طلب کرتا ہے۔ اس میں ہر مشیر اپنی رائے کا الگ الگ اظہار کرتا ہے۔ مجلس کا آغاز کرتے ہوئے ابلیس کہتا ہے:

میں نے تاداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اسکی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز و دروں

پہلا مشیر ابلیسی نظام کے خصائص یوں بیان کرتا ہے:

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پختہ تر اس ہوئے ہیں خوئے غلامی میں عوام
 یہ ہماری سہی پیہم کی کرامت ہے کہ آج
 صوفی و ملا ملکیت کے بندے ہیں تمام

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
 کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
 دوسرا مشیر مجلس کو مغربی جمہوریت سے ابلیسی نظام کو لاحق خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہتا ہے:
 خیر ہے سلطانی جمہور کا نوعاً کہ شر
 تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں باخبر!
 پہلا مشیر اس کی رائے کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مغربی جمہوریت سے ابلیسی نظام کو ہرگز کوئی خطرہ
 نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے:

ہم نے خود شامی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
 جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
 تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
 چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تارک تر
 اب تیسرا مشیر اشراکیت کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہتا ہے:
 روح سلطانی رہے دنیا میں پھر کیا اضطراب
 ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
 اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
 تو زودی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب
 چوتھا مشیر کہتا ہے کہ ہم نے سرمایہ داروں کے درمیان جنگ کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب یہ آپس میں
 الجھ پڑینگے۔ وہ مسولینی کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

توڑ اسکا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
 آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
 پانچواں مشیر تیسرے مشیر کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابلیسی نظام کو اگر کوئی خطرہ ہے تو
 وہ اشراکیت سے خطرہ ہے۔ مگر ابلیس اس کی بات کو بھی رد کر دیتا ہے۔
 مجلس کے اختتام پر ابلیس مجلس سے خطاب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابلیسی نظام کو سرمایہ داری
 اور اشراکیت سے ہرگز کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ اصل خطرہ اسلام سے ہے جو ابلیسی نظام کا خاتمہ کر سکتا ہے۔
 چنانچہ وہ کہتا ہے:

جانتا ہے روشن جس پہ باطن لایم ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مؤمن کا دیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

آخر میں وہ اپنے مشیروں کو ہدایت جاری کرتا ہے کہ اسلامی امت کو فرقہ پرستی اور رہبانیت پر مبنی عجمی
تصوف کی لالچوں میں الجھائے رکھو تا کہ یہ دنیا بے حقیقت سے بے خبر رہے۔ وہ کہتا ہے:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں جہان شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کرو مزاج خانقاہی میں اسے

عالمی صیہونیت نے عالم اسلام میں ایسا انسانی ردِ عمل اور ”انسانی بم“ آج تک دیکھے ہی نہیں تھے جس
کا مشاہدہ انہوں نے افغانستان، عراق، شام اور لبنان میں کیا۔ افغان مسلمانوں نے وقت کی دو بڑی سپر پاورز
کو ذلت آمیز شکست سے دو چار کیا اور یہی چیز ان کو پریشان کر رہی ہے کہ اگر یہ لوگ ایک تنظیم کے اندر آ کر
متحد ہو گئے اور انہیں ایک باشعور مخلص قیادت میسر آ گئی تو پھر ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائیگا۔ حقیقت بھی یہی
ہے کہ کئی صدیوں کی نیند کے بعد اب یہ ”اسلامی بھوت“ سامراج کے خلاف صف آرا ہونے کی کوشش میں
ہے۔ لہذا اس جن کو دو بار بوتل میں بند کرنے کیلئے اس تجربہ کار بوڑھے سامراج نے مکر و فریب کے بڑے
ہی پر فریب پھندے پھیلائے رکھے ہیں۔

سرمایہ دارانہ معیشت جنگوں کی معیشت ہے۔ اس معیشت کا بہت بڑا انحصار اس کی جنگی مصنوعات کی فروخت اور عالمی منڈیوں پر قبضہ پر ہے۔ اگر دنیا کے اندر جنگیں بند ہو جائیں تو سرمایہ دارانہ معیشت کساد بازاری (Recession) کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلحہ کی فروخت اور عالمی منڈیوں پر قبضہ کے حصول کی خواہش نے دو عالمگیر جنگوں کو جنم دیا۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں کروڑوں بیگناہ انسان مار دئے گئے۔ کروڑوں گھربار تباہ کر دئے گئے اور پورے کے پورے یورپی معاشرہ کی ثقافتی اور معاشی بنیادیں ہلا کر رکھ دی گئیں۔ اب اسی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے علمبرداروں نے عالمی معیشت پر قبضہ کر کے دنیا کے سات ارب انسانوں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

مارکسزم نے انسان کو معاشی حیوان قرار دیکر انسانی تہذیب و تمدن اور مذہب کا ہی انکار کر دیا۔ اس نے انسان کی جذباتی اور داخلی دنیا کا ہی سرے سے انکار کر کے انسان سے اسکی آورشیں اور رجائیت چھین لیں اور اسے جذباتی طور پر اپاہج کر دیا۔ سرمایہ داری کے اندر اگر انسان کو سرمایہ کے قید خانہ میں بند کیا گیا تو اشتراکیت میں ریاست کے قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ مذہب کے بغیر معاشرہ اندھا ہے اور انسان فانی زدہ۔

سیموئل پی ہنٹنگٹن نے اپنی مشہور کتاب "Clash of Civilizations: Remaking of New World" Order اس بات کو واضح کاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں مغربی تہذیب ٹکست سے دوچار ہو رہی ہے۔ یہ اعتراف اس نے کوئی خوشی سے نہیں کیا بلکہ اسلامی حقانیت کا انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے:

"Western universalism is dangerous to the world because it could lead to a major intercivilizational war between core states and it is dangerous to the West because it could lead to defeat of the West. With the collapse of the Soviet Union, Westerners see their civilization in a position of unparalleled dominance, while at the same time weaker Asian, Muslim, and other societies are beginning to gain strength. Hence they could be led to apply the familiar and powerful logic of Brutus:

"Our legions are brim-full, our cause is ripe.

The enemy increaseth every day;

We at the height, are ready to decline.

ترجمہ:- ”مغربی آفاقیت کا تصور خطرناک ہے اس کے لیے کہ یہ تہذیبوں کے درمیان جنگ کا باعث بن سکتا ہے اور یہ مغرب کیلئے بھی خطرناک ہے اس لئے کہ تہذیبوں کی ایسی جنگ میں مغرب ہار جائے گا۔ سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد مغرب اس گمان میں جھٹکا ہے کہ اب دنیا پر اس کی اجارہ داری قائم ہوگئی ہے حالانکہ کمزور ایشیائی، اسلامی اور دیگر معاشرے تیزی سے طاقت پکڑ رہے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مغربی دنیا پر برٹش کی منطق لاگو ہوتی ہے جب اس نے کہا تھا کہ:

”ہم شہرت کی آخری چوٹی پر چڑھ بیٹھے ہیں ہمارے حصے کی فصل پک کر کٹائی کیلئے تیار ہے۔ دشمن کی تعداد میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے اور ہم اس بلندی سے اب گرنے ہی والے ہیں۔“

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ برطانیہ میں قانون کے ادارے لکزن ان میں حضرت محمد ﷺ کا نام دنیا کے عظیم ترین قانون روئشناس کروانے والے (The Greatest Law Giver of the World) کے طور پر دیا گیا ہے۔ یہ کوئی عام بات نہیں ہے کہ امریکی سپریم کورٹ میں حضرت محمد ﷺ کا نام دنیا کے عظیم قانون دینے والوں کی فہرست میں لکھا گیا ہے۔ امریکی سپریم کورٹ میں تحریر شدہ حرف بحرف الفاظ یہ ہیں:

"PROPHET MUHAMMAD HONORED BY U.S. SUPREME COURT AS ONE OF THE GREATEST LAW GIVERS OF THE WORLD".

ترجمہ:- ”امریکی سپریم کورٹ محمد ﷺ کو دنیا کے ایک عظیم ترین قانون دینے والے کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔“

جادوہ جو سرچڑھ بولے کے مترادف یہ اسلام کی دو حقانیت ہے جسے تمام تر تعصب کے باوجود بھی غیر مسلم دنیا جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکی۔ مغرب کے انسان کے راستہ میں اسکے ذاتی مفادات، میڈیا اور چرچ کا پروپیگنڈا اور تاریخی تعصبات اسلام قبول کرنے میں حائل ہیں وگرنہ مغرب کے بڑے بڑے دانشوروں اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بر ملا تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

مغربی دانشور بھی اسلام کی حقانیت کے قائل ہیں۔ گوئے، کارلائل، نیپولین بونا پارٹ، اینی بسٹ، سٹینلی لین پول، ایچ۔ جی۔ ویلز، فلپ کے ہنی، گلین، بوس ورتھ سمٹھ، جارج برنارڈشا ایسے بشار نام ہیں جنہوں نے اسلام کو بطور ایک عملی مذہب اور انسانیت کے نجات دہندہ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ مشہور جرمن شاعر گوئے نے اسلام کی صداقت و عظمت کو یوں تسلیم کرتا ہے:

"I looked into history for a human paradigm and found it to be in Muhammad".

سرمایہ دارانہ معیشت جنگوں کی معیشت ہے۔ اس معیشت کا بہت بڑا انحصار اس کی جنگی مصنوعات کی فروخت اور عالمی منڈیوں پر قبضہ پر ہے۔ اگر دنیا کے اندر جنگیں بند ہو جائیں تو سرمایہ دارانہ معیشت کساد بازاری (Recession) کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلحہ کی فروخت اور عالمی منڈیوں پر قبضہ کے حصول کی خواہش نے دو عالمگیر جنگوں کو جنم دیا۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں کروڑوں بیگناہ انسان مارے گئے۔ کروڑوں گھربار تباہ کر دیے گئے اور پورے پورے یورپی معاشرہ کی ثقافتی اور معاشی بنیادیں ہلا کر رکھ دی گئیں۔ اب اسی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے علمبرداروں نے عالمی معیشت پر قبضہ کر کے دنیا کے سات ارب انسانوں کو ریغمال بنا رکھا ہے۔

مارکسزم نے انسان کو معاشی حیوان قرار دیکر انسانی تہذیب و تمدن اور مذہب کا ہی انکار کر دیا۔ اس نے انسان کی جذباتی اور داخلی دنیا کا ہی سرے سے انکار کر کے انسان سے اسکی آدرشیں اور رجائیت چھین لیں اور اسے جذباتی طور پر اپہانچ کر دیا۔ سرمایہ داری کے اندر اگر انسان کو سرمایہ کے قید خانہ میں بند کیا گیا تو اشتراکیت میں ریاست کے قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ مذہب کے بغیر معاشرہ اندھا ہے اور انسان فوج زدہ۔

سمیوئل پی ہنٹنگٹن نے اپنی مشہور کتاب "Clash of Civilizations: Remaking of New World Order" اس بات کو واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں مغربی تہذیب شکست سے دوچار ہو رہی ہے۔ یہ اعتراف اس نے کوئی خوشی سے نہیں کیا بلکہ اسلامی حقانیت کا انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے:

"Western universalism is dangerous to the world because it could lead to a major intercivilizational war between core states and it is dangerous to the West because it could lead to defeat of the West. With the collapse of the Soviet Union, Westerners see their civilization in a position of unparalleled dominance, while at the same time weaker Asian, Muslim, and other societies are beginning to gain strength. Hence they could be led to apply the familiar and powerful logic of Brutus:

"Our legions are brim-full, our cause is ripe.

The enemy increaseth every day;

We at the height, are ready to decline.

رنگ و نسل کے لوگوں کیلئے ہمہ وقت کھلے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

”کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔“

اسلام کی بنیاد کسی رنگ و نسل پر نہیں ہے۔ اس کے اصول ابدی ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی شریعت آئے گی۔ دوسرے الفاظ میں اسلام بنی نوع انسان کی آخری تقدیر ہے۔ یہ شریعت (Command) قائم رہے گی۔ اسکے بعد نہ تو کوئی شریعت آئیگی اور نہ ہی کوئی نبی۔ بقول اقبال:

”اس وقت قومیت کے نظریے نے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کو نسل پرستی سے آلودہ کر دیا ہے۔ اور اس طرح یہ اسلام کے انسانیت پر ور مقاصد میں بری طرح حائل ہو رہا ہے۔ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو انسان کو جغرافیائی حد بندیوں سے آزاد کروا سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں انتہائی اہمیت حاصل ہے اور جس کا یہ ایمان ہے کہ اسلام تو خود بنی نوع انسان کی تقدیر ہے لہذا اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔“

یورپ کا مشہور فلسفی جارج برنارڈشا اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"If any religion had the chance of ruling over England, nay Europe within the next hundred years, it could be Islam. I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of its wonderful vitality. It is the only religion which appears to me to possess that assimilating capacity to the changing phase of existence which can make itself appeal to every age... I have prophesied about the faith of Muhammad that it would be acceptable to the Europe of tomorrow as it is beginning to be acceptable to the Europe of today".

ترجمہ: ”اگلے سو سال کے اندر اگر کوئی مذہب انگلستان اور یورپ پر حکمرانی کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ میں نے محمد ﷺ کے مذہب کو اسکی توانائیوں کیوجہ سے ہمیشہ انتہائی احترام کی نظروں سے دیکھا ہے۔ یہ وہ واحد مذہب ہے جو کہ ہر دور کیلئے کشش رکھتا ہے اس لئے کہ اس میں زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ میں اس بات کی پیشگوئی کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کا مذہب آئندہ لے

دنوں میں بھی یورپ کیلئے اتنا ہی قابل قبول ہوگا جتنا کہ وہ آج ہے۔“

اسے کہتے ہیں 'جادوہ جو سر جڑھ بولے'۔ اسلام کے بدترین دشمن بھی اس کی حقانیت اور سچائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اسلام ایک متوازن نظریہ حیات ہے جس میں فرد کی انفرادیت اور معاشرہ کی اجتماعیت کو ایک ایسے خوبصورت اور تخلیقی انداز میں پیوست کر دیا گیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی نفی کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی طاقت کا سبب بن گئے ہیں۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا کا ایسا بہترین سیاسی، سماجی اور معاشی نظام پیش کیا کہ دنیا آج تک اس کا کوئی مقابل پیش نہیں کر سکی۔ یہ اس مذہب کی صداقت اور اس کے الہامی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

نظام سرمایہ داری کے دنیا میں باقی رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دنیائے فکر اس کے متبادل کوئی مستحکم عالمی نظریہ پیش نہیں کر سکی۔ اشتیالیٹ نے بلند و بالا دعوے تو بہت کئے مگر اس کا سارا سفر ہی انسانی خون سے رنگین رہا۔ لیمن اور سالن کے دور میں کروڑوں انسانوں کو 'انقلاب' کے نام پر کسی بھی صفائی اور معافی کا موقع دئے بغیر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ چین میں ماؤزے تنگ کی قیادت میں 'ثقافتی انقلاب' کے نام پر کئی ملین لوگ قتل کر دیئے گئے۔ انسانی حقوق کی بات کرنیوالوں کے پاس اس ناجائز قتل عام کو کوئی بھی معقول جواز موجود نہیں ہے۔ اتنے بڑے تشدد کے باوجود اشتیالیٹ دونوں ممالک کے اندر انسانی جبلت کے اندر اپنی جگہ نہ بنا سکی اور انسانی ذہن کے اندر یہ نظام مستحکم نہ ہو سکا۔ چینی اور روسی اشتراکیت نے مراجعت کر کے دوبارہ نظام سرمایہ داری کی گود میں پناہ لے لی ہے۔

اب میدان میں صرف دو ہی نظام معیشت باقی رہ گئے ہیں جن کے درمیان مستقبل کا معرکہ برپا ہونے جا رہا ہے۔ ایک اسلام ہے جو سرمایہ داری کا دشمن ہے اور دوسری یہودیت جو کہ نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔ اسلام ارتکاز زر اور سودی نظام معیشت کا دشمن جبکہ یہودیت سودی نظام کے ذریعہ سرمایہ داری کی بنیاد اور ارتکاز زر کو پیدا کرنے والی ہے۔ دنیا سے یہودی اجارہ داری اور یہودی طرز معیشت کو ختم کئے بغیر سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ یہودیت اور سرمایہ داری لازم و ملزوم ہیں۔ یہودیت کا پروان چڑھایا یہ 'سودی نظام' ہی تمام معاشی، سیاسی اور سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ عالمی ساہوکاروں نے معیشت اور سیاست کو اپنے خونیں پنجوں میں جکڑ کر ریغمال بنا رکھا ہے۔ جب تک اس سودی نظام معیشت کو عالمی سیاست سے باہر نہیں نکالا جاتا اس وقت تک نہ تو دنیا کی معیشت ہی منصفانہ بنیادوں پر استوار ہوگی اور نہ ہی عالمی امن قائم ہوگا۔ کسی بھی ظالمانہ اور جابرانہ اقتدار کی طرح نظام سرمایہ داری اور اس کے رکھوالے شرافت اور بات چیت کے ذریعہ سے میدان چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ جارج برنارڈ شا کے ایک 'تکھیل'

میں ایک باغی نو جوان غیر ملکی حملہ کے خلاف تاریخی الفاظ بولتا ہے کہ ”انہیں آنسو نہ دکھاؤ۔ یہ آنسو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ انہیں پتھر کے بنے ہوئے دل دکھاؤ۔“

یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
ضنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
ابلیس نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کا پامردیٰ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس وقت یہودی اور چین کی قومی معیشت آپس میں دست و گریباں ہیں۔ چینی معیشت چونکہ اپنے کچھ پہلوؤں میں اسلام کے قریب تر ہے اس لئے وہ یہودی معیشت کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہے۔ دوسری جانب امریکہ کے اندر سفید فام نسل پرستی سر اٹھا رہی ہے۔ اگر وقت کے ساتھ نسل پرستی کی اس لہر میں شدت آگئی تو امریکہ کے اندر عالمی صیہونیت کیلئے ایک اور ہلکا پھلکا پیدا ہو سکتا ہے۔ ان دونوں خطرات سے بیک وقت نمٹنے کے لئے عالمی صیہونیت پوری شد و مد سے چین اور امریکہ کے درمیان ایک بڑی جنگ کروانے کی کوشش میں ہے تاکہ اس جنگ کے نتیجہ میں یہ دونوں طاقتیں تباہ ہو جائیں اور عالمی صیہونیت آسانی کے ساتھ اپنے عالمی ایجنڈا کو آگے بڑھا کر دنیا پر قبضہ کر سکے۔ گویا صیہونیت ایک تیر کے ساتھ دو شکار کرنا چاہتی ہے۔

اس پیچیدہ عالمی صورتِ حال کے بارے میں کوئی بھی پیشگوئی کرنا قبل از وقت ہے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ آخری معرکہ یہودی سرمایہ دارانہ نسل پرستی اور اسلام کے درمیان ہوگا اسلئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا انٹی تھیسس (Anti Thesis) ہیں اور ایک کی کامیابی دوسرے کیلئے پیغامِ اجل ہے۔ یہودی سودی معیشت کا ماہر ہے۔ اس کو اس کے ”سپیشلائزڈ“ میدان میں شکست دینا اتنا آسان کام نہیں ہے اسلئے کہ ایک تو اس کے پاس سرمایہ کی طاقت بہت زیادہ ہے اور دوسرے اسے اس کام کا صدیوں سے تجربہ ہے لیکن تاریخی طور پر یہودی اپنے ثقافتی پس منظر اور نفسیاتی ساخت کے اعتبار سے بزدل اور غیر جنگجو قوم ہے۔ یہ اب بھی اپنی جگہ دوسروں کے کندھے استعمال کر رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اس نے محض عربوں کی تساہل پسندی، نا اتفاقی اور عیش پرستی سے فائدہ اٹھایا ہے وگرنہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ دنیا کے بزدل ترین لوگ ہیں۔ یہودی اس وقت

امریکہ اور یورپی ریاستوں کو اپنی جنگ کیلئے استعمال کر رہا ہے اور اسی کے ساتھ اس نے دنیا کے غریب علاقوں سے فوجی بھرتی کر کے پرائیویٹ فوجیں تشکیل دے لی ہیں مگر یہ سارے کرائے کے سپاہی ہیں۔ کرایہ کا سپاہی دنیا کا بزدل ترین شخص ہوتا ہے جو پیسے کے لالچ میں لڑتا ہے۔ وہ کمزوروں کو تو بد معاشی دکھا سکتا ہے مگر زندگی اور موت کے معرکہ میں بڑی تیزی کے ساتھ رافو فرار اختیار کرتا ہے۔ کرایہ کی فوج کبھی بھی ایک نظریاتی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جنگ مسلمان قوم کا ”سپیشلائزڈ“ شعبہ ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اسلام کے جنگی کلچر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہر مسلمان پیدائشی طور پر جنگجو ہے۔ جنگ مسلمانوں کے ثقافتی ڈی این اے (Cultural DNA) کا لازمی جزو ہے۔ مسلمان یہودی اور اس کے ہمنواؤں کو میدان جنگ نہایت آسانی کے ساتھ شکست دے سکتے ہیں۔ جب صیہونی سامراج کے ہراول دستے شکست کھا جائیں گے تو پھر اسی کے ساتھ صیہونیت کا معاشی اور سیاسی نظام بھی زمیں بوس ہو کر عالمی سکرین سے غائب ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صیہونیت کو عسکری محاذ پر شکست دینے کیلئے خون دل جلانا پڑے گا لیکن یہ کام ناممکن بالکل نہیں ہے۔ ”شمع خود جل کے جلا دیتی ہے پروانے کو“۔ آزادی کے پروانوں کو جلنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر میں نہ جلوں، تو نہ جلتے تو روشنی کیسے ہوگی؟

دنیا کے اندر طاقت کے محور (Axis of Power) تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں۔ طاقت کے محوروں کیلئے ماضی میں استعمال ہونے والی سیاسی اصطلاحات جیسے یکجہتی (Uni Polar)، دو جہتی (Bi Polar) اور کثیر الجہتی (Multi Polar) اب پرانی اور دقتاً نوی ہو کر اپنے معنی کھوتی چلی جا رہی ہیں۔ ہماری دنیا سابقہ روایات سے ہٹ کر طاقت کے لاتعداد نئے محوروں کی شکل میں ابھر کر سامنے آ رہی ہے۔ ریاستی کھلاڑیوں کے ساتھ غیر ریاستی کھلاڑی بھی میدان میں پوری طاقت کے ساتھ جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی ذی ہوش ان غیر ریاستی کھلاڑیوں کے وجود اور طاقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ روایتی دنیا ہر سمت سے نوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر بکھر رہی ہے۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، لیزر ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت اور 5-G ٹیکنالوجی جیسی مختلف انواع ایجادات نے تاریخ کے دھارے کا رخ یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اب ہمارے سامنے ایک ایسی دنیا ہے جس کی مثال اس پچھلے ہوئے مادہ کی سی ہے جسے ایک سے زیادہ درجنوں مختلف اشکال میں مجسم کیا جاسکتا ہے۔

مستقبل قریب میں ہمیں لاتعداد ایسے ماورائے ریاست کھلاڑی نظر آ سکتے ہیں جن کی ریاستی شناخت مشکل ہو جائیگی۔ غیر ریاستی جنگ کی یہ نئی شکل کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ طاقت کی دنیا کے یہ نئے کھلاڑی مستقبل کی دنیا کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کریں گے۔ سامراج افغانستان، مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیاء،

افریقہ اور دنیا کے بہت سے دیگر مقامات پر شکست سے دو چار ہو رہا ہے۔ خود امریکہ اور یورپ کے اندر سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی معاشی تباہ کاریوں، نسل پرستی اور پیروزگاری کے خلاف پرتشدد احتجاج ہو رہا ہے۔ مایوسی اور غم کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بھرپور جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ جنگ موجودہ انسان اور آئندہ نسلوں کی بقا کیلئے لڑی جانے والی ایک مقدس جنگ ہے جو یقیناً فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوگی۔ سامراجی خشک فاش سے دو چار ہے۔ انسانی آزادی کا سورج بادلوں کی اوٹ سے بس طلوع ہوا ہی چاہتا ہے۔

